بفیض: تاجدارِ اہلِ سنت حضور مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ



رضا اکیڈمی کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی مجلہ

سالنامہ

# یادگارِ رضا

۱۴۳۰ھ ۲۰۰۹ء

مؤسس: الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

مرتب: غلام مصطفیٰ رضوی

رضا اکیڈمی

بفیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤسس : الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی، علمی، اصلاحی وادبی مجلّہ

سال نامہ

# یادگارِ رضا

۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

مرتب: غلام مصطفیٰ رضوی

رضا اکیڈمی


۵۲، ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Ph.: (022) 66342156 www.razaacademy.com

# مشمولات یادگارِ رضا بہ یک نظر





# اصل مقصودِ ہدیٰ ہو

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی

ملکِ خاصِ کبریا ہو     مالکِ ہر ما سوا ہو
کوئی کیا جانے کہ کیا ہو     عقلِ عالم سے ورا ہو
کنزِ مکتومِ ازل میں     درِّ مکنونِ خدا ہو
سب سے اول سب سے آخر     ابتدا ہو انتہا ہو
تھے وسیلے سب نبی تم     اصلِ مقصودِ ہدیٰ ہو
پاک کرنے کو وضو تھے     تم نمازِ جاں فزا ہو
سب بشارت کی اذاں تھے     تم اذاں کا مدعا ہو
سب تمہاری ہی خبر تھے     تم مؤخر مبتدا ہو
قربِ حق کی منزلیں تھے     تم سفر کا منتہیٰ ہو
قبل ذکر اضمار کیا جب     رتبہ سابق آپ کا ہو
طورِ موسیٰ چرخِ عیسیٰ     کیا مساویٔ دنیٰ ہو
سب جہت کے دائرے میں     شش جہت سے تم ورا ہو
سب مکاں تم لامکاں میں     تن ہیں تم جانِ صفا ہو
سب تمہارے در کے رستے     ایک تم راہِ خدا ہو
سب تمہارے آگے شافع     تم حضورِ کبریا ہو
سب کی ہے تم تک رسائی     بارگہ تک تم رسا ہو
وہ کلس روضے کا چمکا     سر جھکاؤ کج کلا ہو
وہ درِ دولت پہ آئے
جھولیاں پھیلاؤ شاہو

(ماخوذ: حدائق بخشش، حصہ دوم)

## پیغام اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ

''ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم۔ تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو جیسے تمہارے ماں باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد۔ جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے۔ فوراً ان سے الگ ہو جاؤ۔ ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ۔ پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو۔ نہ اس کی مولویت، مشیخت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی غلامی کی بنا پر تھا۔ جب یہ شخص انھیں کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا۔ اس کے جبے، عمامے پر کیا جائیں۔ کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ عمامے نہیں باندھتے؟ اس کے نام علم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں۔ کیا بہتیرے پادری بہ کثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی، اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پرواہی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے نفرت نہ آئی تو للہ تمھیں انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے۔ قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئے۔

مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگو کی وقعت کر سکے گا؟ اگرچہ اس کا پیر یا استاد یا پدر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا؟ اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو۔ للہ اپنے حال پر رحم کرو۔''

(تمہید ایمان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مطبوعہ لاہور ص ۶۔۷)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

**اداریہ**

## کنز الایمان تحقیق وتدقیق کے آئینے میں

قرآن مقدس کتاب الٰہی ہے اس لیے اس کے احکام واوامر زمانے کے تغیرات یا حالات سے متاثر نہیں ہو سکتے اور یہ ہر دور کے لیے رہنما ہے اور مکمل ضابطہ۔ اس وجہ سے جو معاشرہ قرآن عظیم کی بنیاد پر وجود میں آیا وہ صالح ومثالی معاشرہ کہلایا جس نے پوری دنیا میں ایک حسین انقلاب برپا کر دیا اور دل نور نور ہو گئے۔ فکر ونظر کی تعمیر ہوئی۔ قرآن مقدس کی رہنمائی کامل واکمل ہے۔ اس میں غور وفکر کی تعلیم دی گئی:

وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

''اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل فرمائیں کہ تم دھیان کرو'' [1]

**فکر رضا کا مصدر:**

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی فکر قرآن مقدس کے بحر حکمت سے مستفیض ومستنیر تھی۔ آپ نے قرآن مقدس اور احادیث طیبہ نیز سلف صالحین کی تعلیمات کو اکناف عالم میں پھیلایا اور اسی کی ترغیب وتلقین کی۔ شعر گوئی بھی کی تو قرآن مقدس کے آئینے میں۔ بہ قول امام احمد رضا:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ [2]

جب سائنس کے خلاف اسلام نظریات نے اغوائے فکر کے لیے پر تولا تو اس دور کے نامور اسکالر پروفیسر حاکم علی بی۔ اے (لاہور) کو مخاطب فرما کر امام احمد رضا نے لکھا:

''محب فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ (سائنس) مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔'' [3]

آپ نے قرآن مقدس کی مراد وامر کی ایسی تاویل کی بھی مذمت کی جو اسلام کی شاہ راہ سے ہٹ کر ایجادات واختراعات نیز غیر اسلامی افکار سے مرعوبیت کے نتیجے میں وضع کی گئی ہو یا پھر صحابہ وتابعین، مفسرین واسلاف کی متابعت سے منھ موڑ کر نئے معنی نکالے جائیں، امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن عظیم کے وہی معنی لینے ہیں جو صحابہ وتابعین ومفسرین ومعتمدین نے لیے۔ ان سب کے خلاف وہ معنی لینا جن کا پتہ نصرانی سائنس میں ملے مسلمان کو کیسے حلال ہوسکتا ہے؟'' [4]

امام احمد رضا کا دور مختلف تحریکات اور فتنوں کا دور تھا۔ قرآن مقدس کے ایسے ترجمے اور تفاسیر منظر عام پر لائے گئے جن میں اللہ تعالیٰ اور رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب واحترام اور شان وعظمت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ نتیجے میں عقیدے کی تباہی کا خدشہ لاحق ہوا۔

آپ چوں کہ سلف صالحین کی تعلیمات پر سختی سے کاربند تھے اور اس سے انحراف گوارا نہ تھا اس لیے باطل انقلابات آپ کے قدموں کو متزلزل نہ کرسکے اور آپ نے قرآنی تعلیمات کی اشاعت وترویج میں کامیابی حاصل کی۔ اور فتنوں کو مضمحل کرکے چھوڑا۔

## ترجمہ کنز الایمان کی ضرورت:

مسلمانوں کے عقیدہ وایمان کی حفاظت وصیانت کی غرض سے امام احمد رضا نے جو علمی وقلمی کارنامے انجام دیے اس کے نقوش آج بھی گہرے ہیں اور تابندہ بھی۔ اسی طرح باطل تحریکات وفتنوں کے سدباب میں جہاں آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں وہیں صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) کی تحریک وترغیب پر قرآن مقدس کا ترجمہ فرمایا۔ علامہ مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ترجمۂ قرآن بھی حضرت صدر الشریعہ کی مسلسل کوششوں کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ [5]

''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' نے ایمان کی فصل کو شاداب کردیا، گلستاں کو مہکا دیا اور بہاریں جلوہ فگن ہوگئیں۔

## تحقیق وتدقیق:

امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات، خدمات، تفقہ، کردار، عادات، اطوار اور مختلف جہات پر جس قدر تیزی کے ساتھ تحقیق کی جارہی ہے وہ مثالی ہے اور نئے نئے گوشے سامنے آرہے ہیں۔ عقل حیران وششدر ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر سابق ڈین/ پرنسپل اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور تحریر فرماتے ہیں:

''ہر آنے والا سورج اس آفتاب علم وفضل کی نئی سے نئی کرنیں دیکھنے کی سعادت



سے بہرہ ور ہورہا ہے۔ جیسے جیسے ان کے عظیم ومنفرد علمی کارنامے دنیا دریافت کررہی ہے اسی رفتار اور اسی مقدار سے ان کی شخصیت بھی نمایاں ہوکر دنیا کے سامنے آرہی ہے۔ ایک وقت تھا جب برصغیر پاک وہند کے اہل علم سے بھی یہ علمی کارنامے پوشیدہ تھے مگر اب تو عالم عرب وعجم کیا مشرق ومغرب کی دانش گاہیں، جامعات اور اسکالرز بھی ان کے علمی مقام سے آگاہ ومعترف ہیں۔'' [6]

''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' ۱۳۳۰ھ میں مکمل ہوا اس کے اعداد بھی ۱۳۳۰ بنتے ہیں اس طرح رواں سال ۱۴۳۰ھ میں ایک سو سال پورے ہوئے۔ اس رخ سے جب ہم کنز الایمان کا جائزہ لیتے ہیں تو اس ایک صدی میں اس کی شہرت ومقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا ہے نیز اشاعت میں جس قدر تیزی آئی ہے وہ مستزاد ہے۔ اسی طرح کنز الایمان کی خصوصیات، انفرادیت، جامعیت نیز دوسرے تراجم سے تقابل پر درجنوں کے حساب سے مقالات لکھے گئے ہیں۔ اور مزید لکھے جارہے ہیں۔

## تین رُخ:

کنز الایمان کے مختلف گوشوں پر قابل قدر علمی کام انجام دیے گئے جب ایسے کاموں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو تین رُخ سامنے آتے ہیں:

(۱) کنز الایمان کے دوسری زبانوں میں تراجم
(۲) یونی ورسٹی سطح پر تحقیق
(۳) مضامین ومقالہ جات

## (۱) کنز الایمان کے تراجم:

کنز الایمان کی شہرت نے جہاں علمی دنیا کو متوجہ کیا وہیں اس کے فیض کو عام کرنے کی غرض سے بہت سے علما واسکالرز نے دوسری زبانوں کے واقف کاروں کی سہولت کے لیے اسے ترجمہ کیا اور اس پہلو سے ہنوز کام ہورہے ہیں۔ مثلاً: مولانا عبد الغفار حلیمی (بلوچستان) براہوی زبان میں ترجمہ فرما رہے ہیں۔ ایک محقق فارسی میں ترجمہ کررہے ہیں۔ جن زبانوں میں ترجمے ہوچکے ہیں ان کی فہرست اس طرح ہے۔ (بعض ترجمے تفسیر کے ساتھ منظر عام پر آئے)

| نمبر | زبان | ترجمہ نگار | اشاعت |
|---|---|---|---|
| ۱ | انگریزی | پروفیسر محمد حنیف اختر فاطمی، انگلینڈ | انگلینڈ ۱۹۸۴ء |
| | انگریزی | پروفیسر شاہ فرید الحق، کراچی | ورلڈ اسلامک مشن کراچی ۱۹۸۸ء |
| | انگریزی | ڈاکٹر اے مجید اے اولک، لاہور | لاہور ۱۹۹۵ء |
| | انگریزی | ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی | غیر مطبوعہ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| | انگریزی | سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی | غیر مطبوعہ |
| ۲ | بنگلہ | مولانا عبدالمنان، چٹاگانگ بنگلہ دیش | بنگلہ دیش |
| ۳ | ڈچ | مولانا غلام رسول قادری | ایمسٹرڈم ۱۹۹۴ء |
| ۴ | ترکی | اسماعیل حقی | ایمسٹرڈم ۱۹۹۴ء |
| ۵ | ہندی (کلام الرحمٰن) | سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی | برکاتی پبلشرز ممبئی |
| | ہندی مع تفسیر | مولانا نورالدین نظامی، رام پور | |
| | ہندی مع تفسیر | مفتی عبدالقدیر | رضوی کتاب گھر دہلی |
| | ہندی | توفیق رضوی | رضا اکیڈمی ممبئی |
| ۶ | کرول (ماریشس) | مولانا نجیب ضیائی مصباحی | مطبوعہ |
| ۷ | گجراتی | مولانا حسن آدم گجراتی | دارالعلوم معین الاسلام تھام گجرات |
| ۸ | سندھی | مفتی محمد رحیم سکندری، پیر جو گوٹھ سندھ | ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۴ء |
| | سندھی | عبدالوحید سرہندی | مطبوعہ |
| ۹ | پشتو | قاری نورالہدیٰ نعیمی | |

ممکن ہے کہ اور بھی زبانوں میں ترجمے ہوئے ہوں جن کا ہمیں علم نہیں۔

## (۲) یونی ورسٹی سطح پر تحقیق:

۱۹۹۳ء میں کراچی یونی ورسٹی کراچی سے پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (صدر شعبۂ پٹرولیم ٹکنالوجی کراچی یونی ورسٹی) نے ''کنزالایمان اور دیگر معروف اردو قرآنی تراجم'' کے عنوان پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء) کی زیر نگرانی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کا اعزاز حاصل کیا۔

مقالہ ۹ ر ابواب پر مشتمل ہے جس میں فضائل قرآن مقدس، ترجمۂ قرآن، اردو تراجم قرآن، حیات امام احمد رضا اور کنزالایمان، اردو تراجم میں کنزالایمان کا امتیازی مقام اور خصوصیات پر جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اسی طرح مستند تفاسیر کی روشنی میں کنزالایمان کا جائزہ نیز اس پر اعتراضات وتنقیدات کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔

مقالہ بڑا محققانہ، سنجیدہ اور فکر انگیز ہے جس سے مقالہ نگار کی دقتِ نظر اور عرق ریزی کا اندازا ہوتا ہے نیز ۳۸۵ ر مصادر سے استفادا فرمایا ہے۔ اس کی جامعیت پر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا یہ تاثر دال ہے:

''ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے اس مقالے کے لکھنے میں بڑی جاں فشانی، عرق ریزی اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے بلکہ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ آپ نے اس



مقالے کو عمدہ سے عمدہ اعلیٰ سے اعلیٰ کرنے میں اپنی پوری ذہنی توانائیاں صرف کر دی ہیں۔''[۷]

۷۵۰ ر صفحات پر مشتمل اس مقالے کی اشاعت ۱۹۹۹ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے عمل میں آئی۔

پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے امام احمد رضا کی محدثانہ ومفسرانہ، فقہی وادبی، تعلیمی وشعری اور اصلاحی وسائنسی بصیرت پر کئی مقالے لکھے جا چکے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طرح کے موضوعات کے ساتھ ساتھ ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کو بھی موضوع تحقیق بنایا جائے نیز آپ کی تفسیری خدمات کا بھی جائزہ لیا جائے اس سلسلے میں محققین کے لیے پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کے نقوش یقیناً رہ نما ثابت ہوں گے۔

متعدد موضوعات ایسے ہیں جنھیں کنزالایمان پر تحقیق کے لیے منتخب کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

(۱) کنزالایمان کا پس منظر اور پیش منظر
(۲) کنزالایمان: محاسن وبلاغت اور ایجاز وجامعیت
(۳) فکر رضا کا مصدر: قرآن مقدس
(۴) امام احمد رضا اور ان کا ترجمۂ قرآن
(۵) کنزالایمان کا امتیازی مقام اور خصوصیات
(۶) کنزالایمان کے ہمہ گیر اثرات اور مقبولیت (۱۳۳۰ھ تا ۱۴۳۰ھ)
(۷) امام احمد رضا کی فن تفسیر میں مہارت ودست رس
(۸) کنزالایمان پر لکھی جانے والی کتابوں کا علمی جائزہ
(۹) کنزالایمان کا لسانی وفنی جائزہ
(۱۰) کنزالایمان کا تفسیری حاشیہ خزائن العرفان اور صدرالافاضل

## (۳) مضامین وتحقیقی مقالہ جات:

راقم نے کنزالایمان پر انجام دی جانے والی تحقیقات وتدقیقات پر ایک مقالہ ۲۰۰۵ء میں لکھا تھا بہ عنوان ''کنزالایمان اور تحقیقی امور'' جس کی اشاعت معارف رضا سال نامہ ۲۰۰۵ء کراچی، یادگار رضا سال نامہ ۲۰۰۵ء ممبئی اور کتابی شکل میں نوری مشن مالیگاؤں سے ہوئی اس میں مضامین ومقالہ جات کی ایک فہرست بھی دی جس میں مضامین ومقالہ جات کی تعداد ۵۹ رتھی بعد میں اس میں اضافہ ہوا۔ اب ان کی تعداد ۸۱ رتک ہے جب کہ یہ فہرست بھی اجمالی (اور بہ اعتبار حروف تہجی) ہے۔ تحقیق وجستجو کے بعد اس میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

| نمبر | عنوان | مقالہ نگار | اشاعت |
|---|---|---|---|
| ۱ | اصول ترجمۂ قرآن کریم | علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری | مقالات رضویہ مبارک پور ۲۰۰۰ء |
| ۲ | امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں ؎ | علامہ اختر رضا خاں قادری ازہری | امام احمد رضا نمبر، قاری دہلی اپریل ۱۹۸۹ء |
| ۳ | امام احمد رضا اور اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ | علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی | امام احمد رضا نمبر، قاری دہلی اپریل ۱۹۸۹ء |
| ۴ | امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن کی خصوصیات | حکیم خلیل الرحمٰن | امام احمد رضا نمبر، قاری دہلی اپریل ۱۹۸۹ء |
| ۵ | امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن اور مسلک اسلاف | مولانا مبین الہدیٰ نورانی مصباحی | بزم رضا جمشید پور ۱۹۸۳ء |
| ۶ | امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان | پروفیسر امتیاز سعید احمد | معارف رضا کراچی سال نامہ ۱۹۸۵ء |
| ۷ | امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن پاک تحقیق کے اجالے میں | مولانا عبدالقدوس مصباحی | نوری کتب خانہ الہ آباد ۱۹۸۳ء |
| ۸ | انوار کنزالایمان | مولانا وارث جمال قادری | مکتبہ غوثیہ ممبئی |
| ۹ | ایک قرآن، ایک ترجمہ | سلطان المجاہد طاہر | فکر رضا لائبریری فیصل آباد ۱۹۸۶ء |
| ۱۰ | اشاریۂ کنزالایمان | عبدالستار طاہر مسعودی | معارف رضا کراچی سال نامہ ۱۹۹۰ء |
| ۱۱ | الذنب فی القرآن | مفتی سید شاہ حسین گردیزی | مکتبہ تہامہ کراچی ۲۰۰۶ء |
| ۱۲ | اعلیٰ حضرت اور کنزالایمان | مولانا وارث جمال قادری | ماہنامہ استقامت کان پور مارچ ۱۹۸۱ء |
| ۱۳ | پاسبان کنزالایمان | مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی | مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ |
| ۱۴ | ترجمہ کنزالایمان اور دیگر تراجم کا تقابلی مطالعہ | مولانا محمد فہیم مصباحی | اشفاقی مقالات، رضا لائبریری ناگور |
| ۱۵ | تسہیل کنزالایمان | علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری | مرکزی مجلس امام اعظم لاہور |
| ۱۶ | ترجمان قرآن امام احمد رضا بریلوی | علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری | مقالات رضویہ مبارکپور ۲۰۰۰ء |
| ۱۷ | تراجم وتفاسیر قرآن میں لفظ ذنب کی تحقیق وتشریح | علامہ یٰسین اختر مصباحی | ماہنامہ حجاز جدید دہلی ستمبر ۱۹۹۲ء |
| ۱۸ | ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ ؎ | ڈاکٹر صابر سنبھلی | سہ ماہی افکار رضا ممبئی |



| نمبر | عنوان | مقالہ نگار | اشاعت |
|---|---|---|---|
| ۱۹ | تقابل تراجم قرآن مجید | پروفیسر بشیر احمد قادری | |
| ۲۰ | تنزیہ کنزالایمان عن خرافات اہل الطغیان | علامہ محمد احسان الحق | |
| ۲۱ | تسکین الجنان بمحاسن کنزالایمان | مولانا عبدالرزاق بھترالوی | مکتبہ ضیائیہ راول پنڈی |
| ۲۲ | ترجمۂ قرآن اور امام احمد رضا کے تاثرات | شیخ محمد ارشاد احمد | |
| ۲۳ | ترجمۂ قرآن اور مولانا احمد رضا خاں | ڈاکٹر رشید احمد جالندھری | معارف رضا کراچی سال نامہ ۱۹۹۴ء |
| ۲۴ | تفہیم قرآن اور امام اہل سنت | مولانا محمد حنیف خاں رضوی | اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۵ء |
| ۲۵ | چشم وچراغ خاندان برکاتیہ (جزوی تذکرہ) | پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد | نوری مشن مالیگاؤں |
| ۲۶ | خصائص کنزالایمان | علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری | مرکزی مجلس امام اعظم لاہور ۱۳۹۸ھ |
| ۲۷ | دیوبندی ترجموں کا آپریشن | مولانا محبوب علی خاں قادری | رضا اکیڈمی ممبئی |
| ۲۸ | رد الشبہات عن کنزالایمان (عربی) | خواجہ غلام حمید الدین سیالوی | ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی |
| ۲۹ | عرب دنیا میں کنزالایمان کی پذیرائی | سیدہ جاہت رسول قادری | ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی |
| ۳۰ | سورۂ والضحیٰ کے تراجم میں کنزالایمان کا مقام | سید صابر حسین شاہ بخاری | رضا اکیڈمی لاہور |
| ۳۱ | ضیائے کنزالایمان | مولانا غلام رسول سعیدی | مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۳۹۸ھ |
| ۳۲ | غلط ترجموں کی نشان دہی | مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی | رضا اکیڈمی مالیگاؤں |
| ۳۳ | قرآن، سائنس اور امام احمد رضا | پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری | تحریک فکر رضا ممبئی |
| ۳۴ | کنزالایمان اور دیگر اردو تراجم قرآن | علامہ یٰسین اختر مصباحی | ماہنامہ حجاز جدید دہلی اکتوبر ۱۹۹۱ء |
| ۳۵ | کنزالایمان اور عظمت توحید | علامہ یٰسین اختر مصباحی | ماہنامہ حجاز جدید دہلی ستمبر ۱۹۹۳ء |
| ۳۶ | کنزالایمان اردو زبان کا سب سے معیاری ترجمۂ قرآن | علامہ یٰسین اختر مصباحی | مشمولہ کنزالایمان، رضا اکیڈمی ممبئی |
| ۳۷ | کنزالایمان کے خلاف سازش اور اس کے مثبت جواب | مولانا عبدالستار خاں نیازی | مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ |
| ۳۸ | کنزالایمان کا مطالعہ تین رخ سے | علامہ ارشد القادری | ماہنامہ حجاز جدید دہلی نومبر ۱۹۹۱ء |
| ۳۹ | کنزالایمان اور صدر الشریعہ | مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری | ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور (صدر الشریعہ نمبر) |
| ۴۰ | کنزالایمان پر پابندی کیوں؟ | پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد | رضا اکیڈمی ممبئی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۴۱ | کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن | پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری | ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۹ء |
| ۴۲ | کنز الایمان میں سائنسی مصطلحات | پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری | نوری مشن مالیگاؤں |
| ۴۳ | کنز الایمان کی امتیازی خصوصیات | پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری | معارف رضا کراچی سالنامہ ۲۰۰۲ء |
| ۴۴ | کنز الایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ | مولانا اختر حسین فیضی مصباحی | سہ ماہی افکار رضا ممبئی جنوری-مارچ ۱۹۹۷ء |
| ۴۵ | کنز الایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ | مفتی آل مصطفیٰ مصباحی | ادارۂ افکار حق بائسی پورنیہ بہار |
| ۴۶ | کنز الایمان کے علمی امتیازات (بالاقساط) | مولانا صدر الوریٰ قادری | ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور |
| ۴۷ | کنز الایمان اور دیوبندی تراجم کا موازنہ | مفتی جلال الدین احمد امجدی | ماہنامہ استقامت کان پور اپریل مئی ۱۹۸۰ء |
| ۴۸ | کنز الایمان کا لسانی جائزہ | مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری | مشمولہ رضا شناسی، پٹنہ ۲۰۰۹ء |
| ۴۹ | کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ | سید خورشید عالم | مشمولہ رضا شناسی، پٹنہ ۲۰۰۹ء |
| ۵۰ | کنز الایمان اہل حدیث کی نظر میں | سعید بن عزیز یوسف زئی | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۸۳ء |
| ۵۱ | کنز الایمان و خزائن العرفان | مولانا فضل القدیر ندوی | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۹۳ء |
| ۵۲ | کنز الایمان اور عظمت رسالت | نوشاد عالم چشتی | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۹۳ء |
| ۵۳ | کنز الایمان میں انشا پردازی کی خصوصیات | ڈاکٹر غلام غوث قادری | معارف رضا کراچی سالنامہ ۲۰۰۹ء |
| ۵۴ | کنز الایمان میں محاوروں کی بہار | ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی | ماہنامہ معارف رضا کراچی مئی ۲۰۰۶ء |
| ۵۵ | کنز الایمان کی اشاعت اول اور صدر الافاضل کی دور اندیشی | شکیل احمد قریشی اعظمی برکاتی | سہ ماہی افکار رضا ممبئی اپریل-جون ۲۰۰۳ء |
| ۵۶ | کنز الایمان پر ارباب علم و دانش کے تاثرات | کلیم احمد قادری | سہ ماہی افکار رضا ممبئی اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۷ء |
| ۵۷ | کنز الایمان کے خلاف غلط فہمیوں کا ازالہ | خواجہ غلام حمید الدین سیالوی | مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ |
| ۵۸ | کنز الایمان کے ایک علمی تجزیہ کا جائزہ | مولانا فضل الرحمٰن شرر مصباحی | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۹۶ء |
| ۵۹ | کنز الایمان جو سندترجمو (سندھی) | مولانا پروفیسر غلام عباس قادری | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۹۳ء |
| ۶۰ | کنز الایمان اور اس کی فنی حیثیت | ڈاکٹر محمد طاہر القادری | منہاج القرآن لاہور ۱۹۸۷ء |
| ۶۱ | کنز الایمان کا اردو تراجم میں مقام | ڈاکٹر محمد طاہر القادری | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۸۵ء |
| ۶۲ | کنز الایمان علمائے حق کی نظر میں | اعجاز اشرف انجم | |



| | | | |
|---|---|---|---|
| ۶۳ | کنز الایمان کی ادبی جھلکیاں | پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۹۳ء |
| ۶۴ | کنز الایمان تفاسیر کی روشنی میں | مولانا محمد صدیق ہزاروی | رضا اکیڈمی لاہور ۱۹۸۸ء |
| ۶۵ | کنز الایمان پر پابندی کیوں؟ | ضیاء الرحمٰن فاروقی | |
| ۶۶ | کنز الایمان ارباب علم و دانش کی نظر میں | عبد الستار طاہر مسعودی | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۸۹ء |
| ۶۷ | کنز الایمان اور اردو تراجم کا جائزہ | عبد المجتبیٰ رضوی | |
| ۶۸ | کنز الایمان کا ادبی و لسانی جائزہ | محمد ذیشان احمد | ماہنامہ جام نور دہلی مئی ۲۰۰۳ء |
| ۶۹ | کنز الایمان اور تحقیقی امور | غلام مصطفیٰ رضوی | یادگار رضا ممبئی ۲۰۰۵ء |
| ۷۰ | معارف کنز الایمان | علامہ یٰسین اختر مصباحی | رضوی کتاب گھر دہلی |
| ۷۱ | محاسن کنز الایمان | ملک شیر محمد خاں اعوان | کنز الایمان سوسائٹی آزاد کشمیر |
| ۷۲ | مطالب القرآن (فہرست) | مولانا محمد منشا تابش قصوری | مشمولہ کنز الایمان، رضا اکیڈمی ممبئی |
| ۷۳ | من روائع کنز الایمان (عربی) | حافظ خواجہ سلطان محمود | ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی |
| ۷۴ | مولانا احمد رضا خاں اور ان کا ترجمۂ قرآن | ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین | معارف رضا کراچی سالنامہ ۱۹۹۳ء |
| ۷۵ | موازنۂ تراجم قرآن پاک | نواب الدین گولڑوی | |
| ۷۶ | مقالہ بر کنز الایمان | پروفیسر محمد اسلم فرخی | |
| ۷۷ | مضامین القرآن فی کنز الایمان | عالم فقری | لاہور |
| ۷۸ | مقام کنز الایمان | علامہ عبد الحکیم اختر شاہ جہاں پوری | غیر مطبوعہ |
| ۷۹ | A Comparative Study of Imam Ahmad Raza Khan's Urdu Translation of the Meanings of the Holy Qur'an | پروفیسر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم | معارف رضا کراچی (انگریزی ایڈیشن) ۲۰۰۵ء |
| ۸۰ | Imam Ahmad Raza Khan and his Translation | ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی | معارف رضا کراچی (انگریزی ایڈیشن) ۲۰۰۵ء |
| ۸۱ | Qur'an, Science and Imam Ahmad Raza | پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری | تحریک فکر رضا ممبئی |

### توجہ طلب امور:

کنزالایمان کی مانگ روز افزوں بڑھ رہی ہے اور اکثر ناشرین قرآن مجید تاجرانہ طرز پر اس کی اشاعت کررہے ہیں۔ اس کے کئی ایڈیشن جن میں کتابت کی غلطیاں در آئی ہیں جوں کا توں شائع کررہے ہیں جب کہ ممتاز عالم دین مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری نے بار بار ناشرین کی توجہ اس جانب مبذول کروائی کہ کنزالایمان کی صحت کتابت کا خیال رکھ کر اشاعت کی جائے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس کی محض اشاعت پر تو خوب توجہ دی گئی کیوں کہ اس میں تاجرانہ مفاد بھی پوشیدہ تھا لیکن اس کی تصحیح کتابت پر اتنی ہی کم توجہ مبذول کی گئی۔'' [10]

تصحیح کا کام چوں کہ دشوار گزار اور جاں گسل تھا اس کی انجام دہی کا بیڑا مولانا نعمانی نے خود اٹھایا اور بڑی جاں فشانی اور دل سوزی کے ساتھ اسے انجام دے کر پایۂ تکمیل کو پہنچایا، اس سلسلے میں رضا اکیڈمی ممبئی کے تحت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی صاحب مالیگاؤں تشریف لائے اور کچھ دنوں قیام پذیر رہ کر کنزالایمان کی تصحیح کتابت کا کام انجام دیا۔ رضا اکیڈمی مالیگاؤں نے وسیع پیمانے پر طباعت واشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ تصحیح شدہ ایڈیشن چند سال قبل رضا اکیڈمی مالیگاؤں کے زیر اہتمام منظر عام پر آیا۔ پھر رضا اکیڈمی ممبئی سے بھی متعدد مرتبہ اشاعت ہوئی۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے مضامین قرآن کی کوئی فہرست ترتیب نہیں دی تھی بہت بعد میں بعض ناشرین نے اپنے طور پر فہرست لگادی، اور اس میں مرتب کا نام بھی واضح نہیں کیا۔ مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری لکھتے ہیں:

''مضامین قرآن کی فہرست قدیم نسخوں میں کہیں نہ ملی بلکہ بیس پچیس سال پرانے نسخوں میں بھی نہ تھی ناشرین قرآن نے اپنی طرف سے اس کا اضافہ کیا ہے اور یہ فہرست کس کی مرتبہ ہے اس کی بھی کوئی نشان دہی نہیں کی، کوئی اس کو اعلیٰ حضرت کی سمجھتا ہے کوئی حضرت صدرالافاضل کی لہٰذا اس کی وضاحت ضروری تھی کہ اضافہ شدہ فہرست نہ مترجم کی ہے نہ مفسر کی۔'' [11]

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری نے تصحیح شدہ ایڈیشن میں فہرست مضامین قرآن ''مطالب القرآن'' از مولانا محمد منشا تابش قصوری کو شامل کیا ہے۔

ناشرین کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ کنزالایمان کے اسی ایڈیشن کی اشاعت کریں اور سابقہ ایڈیشن کی اشاعت سے گریز کریں۔ سنی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داران کو چاہیے کہ ناشرین کو کنزالایمان کے اسی ایڈیشن کی اشاعت پر مائل کریں۔



الحمدللہ! اس سمت رضا اکیڈمی ممبئی نے توجہ دی اور بڑی تعداد میں تصحیح شدہ ایڈیشن کی اشاعت کرکے ملک بھر میں عام کیا۔ نیز اس سلسلے میں مزید عزائم ہیں۔ حق تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

رواں سال میں ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کو سو سال مکمل ہوئے۔ صد سالہ جشن کنزالایمان ۱۳۳۰ھ تا ۱۴۳۰ھ کی مناسبت سے پیش نظر شمارے میں ترجمہ کنزالایمان پر متعدد مقالات شامل کیے گئے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری سیکریٹری جنرل ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کا انٹرویو بھی شامل ہے جس میں کنزالایمان پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس شمارے کی تیاری میں الحاج محمد سعید نوری صاحب، محمد عارف رضوی، حافظ شکیل احمد رضوی اور محمد افضل برکاتی کے مشورے شامل رہے۔ اصحاب قلم نے اپنی علمی تحریروں سے نوازا جن کے ہم سپاس گزار ہیں۔ برادرم وسیم احمد رضوی رکن نوری مشن مالیگاؤں نے پروف ریڈنگ میں معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت سے نوازے، دین و سنیت پر استقامت عطا فرمائے اور بیش از بیش دینی و علمی کاموں کا ذوق وشوق عنایت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

## حواشی وحوالے

(۱) القرآن الکریم، النور: ا، ترجمہ کنزالایمان، رضا اکیڈمی ممبئی
(۲) احمد رضا بریلوی، امام، حدائق بخشش، رضا اکیڈمی ممبئی
(۳) احمد رضا بریلوی، امام، نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۵۶
(۴) مرجع سابق، ص ۴۰
(۵) مشتاق احمد نظامی، علامہ، ماہ نامہ پاسبان الٰہ آباد (امام احمد رضا نمبر) مارچ واپریل ۱۹۶۲ء، ص ۶۶
(۶) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۵ء، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ص ۱۸
(۷) اظہار خیال، مشمولہ کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۹ء، ص ۳۵، ۷۲
(۸) رضا اکیڈمی ممبئی نے اس مقالہ کو ''دفاع کنزالایمان'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔
(۹) یہ مقالہ ۱۲ قسطوں میں سہ ماہی افکار رضا ممبئی کے شمارہ جولائی-دسمبر ۲۰۰۰ء تا جنوری-مارچ ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔ اطلاع ہے کہ عن قریب محمد زبیر قادری مدیر افکار رضا ممبئی کی زیر نگرانی کتابی شکل میں منصۂ شہود پر ہوگا۔
(۱۰) خاتمۃ الطبع، مشمولہ کنزالایمان، رضا اکیڈمی ممبئی (تصحیح شدہ ایڈیشن) ص ۹۹۱ (۱۱) مرجع سابق، ص ۹۹۳

**نوٹ:** اس مضمون کی تیاری میں درج ذیل مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا۔

(۱) محمد عبدالمبین نعمانی، مولانا، تصانیف امام احمد رضا، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۲ء
(۲) صابر حسین شاہ بخاری، سید، اشاریہ معارف رضا، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۸ء
(۳) صابر حسین شاہ بخاری، سید، افکار رضا کے دھنک رنگ (اشاریہ) مشمولہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۷ء
(۴) زین الدین ڈیروی، شبستان رضا کی روشن شمعیں، مشمولہ ماہ نامہ جہان رضا، لاہور، نومبر-دسمبر ۱۹۹۶ء

# کنز الایمان کا ادبی ولسانی جائزہ

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ۱۰۴، جسولی، بریلی شریف

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اردو ترجمۂ قرآن "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" سے قبل متعدد مترجمین کے تراجم شائع ہو چکے تھے۔ جیسے:

شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، ڈپٹی نذیر احمد، سر سید احمد خاں، عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی فتح محمد جالندھری، نواب وحید الزماں، عبداللہ چکڑالوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ کے تراجم قرآن۔

اور اعلیٰ حضرت کے بعد کے مترجمین ہیں:

ابوالکلام آزاد، ابوالاعلیٰ مودودی، عبدالماجد دریا آبادی

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن معروف بہ "کنز الایمان" ۱۳۳۰ھ میں مکمل ہوا۔ وہ بھی کتب تفسیر ولغت کو دیکھے بغیر بہ ذریعہ املائی البدیہہ برجستہ اور پھر جب اس ترجمہ کا کتب تفسیر سے تقابل کیا جاتا تو تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق پایا جاتا۔

"کنز الایمان" کے بعد سنی علما کے تراجم قرآن منظر عام پر آئے لیکن یہاں ان کا ذکر مقصود نہیں۔

"کنز الایمان" لاریب! خزانۂ ایمان ہے اور صرف خزانۂ ایمان ہی نہیں بلکہ علم و زبان و ادب کا بھی خزانہ ہے۔ "کنز الایمان" کی خوبیوں کی بابت اپنوں کے علاوہ بیگانے بھی معترف ہیں۔ لکھتے ہیں:

**(۱) علامہ سعید بن یوسف زئی:**

"بہ وقت ترجمہ جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں پر بھی اوروں کی طرح صرف لفظی ولغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو دیگر تراجم میں بالکل ناپید ہے۔"

(مضمون: کنز الایمان اہل حدیث کی نظر میں، مشمولہ معارف رضا کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۹۰ تا ۱۰۰)

**(۲) جماعت اسلامی ہند کا ترجمان ماہ نامہ الحسنات رام پور:**

"فقہ میں جدالممتار اور فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ایک اور علمی کارنامہ ترجمۂ قرآن مجید ہے جو ۱۳۳۰ھ میں "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" کے نام سے منظر عام پر آیا اور جس کے حواشی "خزائن العرفان فی تفسیر القرآن" کے نام سے مولوی نعیم الدین مراد آبادی نے تحریر فرمائے۔ یہ ترجمہ اس



حیثیت سے ممتاز نظر آتا ہے کہ جن چند آیات قرآنی کے ترجمہ میں ذرا سی بے احتیاطی سے حق جل مجدہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے۔ احمد رضا خاں نے ان کے بارے میں خاص احتیاط برتی ہے۔"

(شخصیات نمبر، سال نامہ ۱۹۷۹ء، ص ۵۴-۵۵)

ماہ نامہ "معارف" اعظم گڑھ اور مولانا ماہر القادری نے بھی "کنز الایمان" کو سراہا ہے۔ بہ خوف طوالت زیادہ حوالے نہیں دیے گئے۔

**ادبی ولسانی جائزہ :**

قرآن کریم، رب عظیم کا کلام بلاغت نظام ہے اور کسی بھی زبان میں قرآن کے ترجمہ کی سعادت جو بھی حاصل کرے گا وہ اپنی استعداد و فکر کے اعتبار سے بعض معانی و مقاصد ہی بیان کر سکے گا لہٰذا کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ کلام اللہ کے تمام معانی و مقاصد کو ترجمہ کی زبان میں منتقل کر رہا ہے۔

کنز الایمان کے اسلوب کی بابت پروفیسر طاہر القادری رقم طراز ہیں کہ:

"میرا عقیدہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن، الفاظ قرآن کی توجہ اتحادی کے فیضان سے معمور ہے جو حسن خوبی، ربط و نظم اور روانی بیان الفاظ قرآنی میں ہے ان کی جھلک اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن میں بہ درجۂ اتم دکھائی دیتی ہے۔"

(کنز الایمان اور اس کی فنی حیثیت، ص ۳۲-۳۳)

## لسانی جائزہ

**(۱) لفظ "پوجا" کا استعمال:**

کچھ لوگوں نے امام احمد رضا کے لفظ "پوجا" پر اعتراض کیا ہے کہ یہ تو ہندو اپنی عبادت کو کہتے ہیں اور وہ مشرک ہیں لہٰذا یہ لفظ ان کی عبادت کا مفہوم ادا کرتا ہے لیکن معترضین حضرت امام قدس سرہ العزیز کے اس لفظ کے استعمال کی معنویت کو نہیں سمجھ سکے۔

جہاں تک لفظ بندگی کا تعلق ہے تو اس لفظ سے عبادت الٰہی کا پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ لفظ بندگی اللہ کے سوا دوسرے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد "غلامی" بھی ہے اور آداب و تعظیم بھی مراد ہے۔ اب رہی بات "پوجا" کی تو یہ عام ہندوستانی لفظ ہے گو اس کا ماخذ سنسکرت ہے۔ "پوجا" سے مراد عبادت بھی ہے اور تعظیم و تکریم بھی۔ جیسے ہندی میں استاد (گرو) یا والد (پتا) وغیرہ کے لیے اس طرح لکھا یا بولا جاتا ہے:

(۱) پوجیہ گرو جی۔ یعنی قابل تعظیم استاد محترم

(۲) پوجیہ پتا جی۔ یعنی قابل تعظیم یا واجب الاحترام والد صاحب

لیکن جب مشرکین عبادت کرتے ہیں تو اسے بھی "پوجا" کہتے ہیں۔ وہ جسے بھی پوجتے ہیں،

اس کے ساتھ پوری وفاداری اور خود سپردگی کا اظہار کرتے ہیں اور اسی کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں لیکن امام احمد رضا نے یہ کہہ کر کہ ''ہم تجھی کو پوجیں'' شرک کی جڑ کاٹ دی اور بتا دیا کہ ہم اس کو پوجتے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے اور معبود حقیقی ہے اور اس کا کوئی ساجھی ہے نہ شریک! اس طرح امام احمد رضا نے اللہ وحدہٗ لاشریک اور معبود حقیقی سے کامل وفاداری اور خود سپردگی کا اظہار فرما دیا۔

### (۲) ''نبی'' کا ترجمہ:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ کے چند تراجم دیکھیے:

(الف) اے نبی...... (شاہ عبد القادر)

(ب) اے نبی...... (مولوی اشرف علی)

(ج) اے پیغمبر...... (ڈپٹی نذیر احمد)

(د) اے نبی...... (شاہ رفیع الدین)

قرآن مقدس میں لفظ ''نبی'' اور ''رسول'' متعدد مقامات پر آئے ہیں۔ مترجم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان الفاظ کا صحیح ترجمہ کرے۔ ''رسول'' کا ترجمہ تو ''پیغمبر'' ظاہر ہے لیکن ''نبی'' کا ترجمہ ''پیغمبر'' نامکمل ہے۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے: ''اے غیب کی خبر بتانے والے''

حضرت امام نور اللہ مرقدہ نے ''نبی'' کا ترجمہ اس اسلوب سے کیا ہے کہ لفظ کی معنویت اور حقیقت آشکارا ہو کر سامنے آ گئی۔

قاموس اور صراح وغیرہ لغات میں ''نبی'' کا معنی ''غیب کی خبر دینے والا'' ہی لکھا ہے۔ مصباح اللغات میں مولوی عبد الحفیظ بلیاوی نے ''نبی'' کا معنی ''غیب کی خبر دینے والا'' ہی لکھا ہے یعنی ''اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانا، پیشین گوئی کرنا، خدا کی طرف سے پیغام بری!

## ہندی اور علاقائی زبانوں کا استعمال

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ترجمہ کو عام فہم اور معنویت سے پر بنانے کے لیے آسان ہندی اور خطہ روہیل کھنڈ کی زبان کا بھی استعمال کیا ہے۔

اُوْتُوا الْكِتٰبَ (النسآء:۴۷) اور اَهْلَ الْكِتٰبِ (آل عمران:۶۴) کے تراجم دیکھیے:

امام احمد رضا نے کہیں تو ان کے ترجمے میں ''کتاب والو'' لکھا ہے اور کہیں ''کتابیو'' لکھا ہے۔ دونوں عام فہم الفاظ ہیں اور مطلب ہے ''اہل کتاب'' یعنی جنھیں کتاب دی گئی لیکن ''کتاب والو'' اور ''کتابیو'' لکھنے میں حکمت یہ ہے کہ جن قوموں کو کتابیں یعنی توریت، زبور اور انجیل دی گئیں انھوں نے ان کتابوں کی تکذیب کی اور ان پر عمل نہ کیا اور رسولوں کی بھی تکذیب کی اور دین حق سے پھر گئے لہٰذا وہ ''کتاب کے اہل'' یعنی کتاب کے ماننے والے نہ رہے البتہ وہ کتاب والی قوم کے ضرور تھے یعنی



''کتابیؔ'' اور ''کتاب والے'' ضرور رہے۔

### لفظ ''نیگ'' اور لفظ ''کامیوں'' کا استعمال:

آیت نمبر۱: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ (البقرة:۲۷۷)

ترجمہ: بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے۔

آیت نمبر۲: خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (آل عمران:۱۳۶)

ترجمہ: ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیوں کا کیا اچھا نیگ ہے۔

امام احمد رضا نے آیت نمبر ۱ میں ''اجر'' کے لیے اجرت، اجر یا ثواب وغیرہ نہ لکھ کر ''نیگ'' لکھا ہے اور آیت نمبر ۲ میں عاملین کے لیے کام کرنے والے یا اچھا کام کرنے والے وغیرہ کے بجائے ''کامیوں'' لکھا ہے۔

آجر یا مزدور یا کام کرنے والا اجرت یا محنتانہ کے لیے کام کرتا ہے اور ایک مقررہ وقت کے لیے کام کرتا ہے نہ کہ مالک کی رضا اور خوشنودی کے لیے لیکن ''کامی'' اسے کہتے ہیں جو بغیر کسی اجر کی لالچ کے مالک کی خوشنودی کے لیے محنت اور لگن سے کام کرتا ہے۔ اب یہاں لفظ ''نیگ'' پر غور کریں۔

شادی بیاہ کے موقعوں پر یا کسی خوشی کی تقریب میں رشتہ داروں کو ''نیگ'' دیا جاتا ہے۔ یہ ایک ہندوستانی رسم ہے۔ نیگ سے مراد ہے خوشی کا انعام واکرام اور بخشش وغیرہ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ عاملین کو نوازتا ہے اور یہ اس کا فضل واحسان ہے وہ عاملین کو ''نیگ'' دیتا ہے یعنی نوازتا ہے اور عاملین بہت کام کرنے والے، نیکی کرنے والے صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے محنت اور لگن سے کام کرنے والے کو ''کامی'' اور کام کرتے والوں کو ''کامیو'' کہا جاتا ہے۔ یہ روہیل کھنڈ کی بولی ہے۔ بس امام احمد رضا نے منشائے قرآن کے مطابق ''نیگ'' اور ''کامیو'' کے استعمال سے ترجمہ کو معنویت سے پر کر دیا ہے۔

### لفظ ''بیر'' کا استعمال:

امام احمد رضا نے بغضاء اور اعداء کے لیے ''دشمن'' یا ''دشمنی'' نہیں لکھا ہے جیسا کہ دیگر مترجمین نے یہاں اس طرح لکھا ہے:

''جب تم باہم دشمن تھے''...... یا ''تم میں باہم دشمنی تھی'' لیکن امام احمد رضا نے لکھا ہے: ''جب تم میں بیر تھا'' بیر ہندی کا لفظ ہے اور اس میں بڑی بلاغت ہے۔

### لفظ ''کوتکوں'' اور ''کرتوتوں'' کا استعمال:

وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (آل عمران:۹۹)

ترجمہ: اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔

امام احمد رضا نے تَعۡمَلُوۡنَ کے لیے "کرتوتوں" بھی لکھا ہے اور "کوتکوں" بھی۔ عام طور سے "کرتوت" کا استعمال برے کام ہی کے لیے کیا جاتا ہے جیسے "کالے کرتوت"۔ "کوتک" سے مراد کام بھی ہے اور اس کا ایک معنی "فریب" اور "ناشائستہ حرکت" بھی ہے لہٰذا ان لفظوں میں بڑی معنویت ہے اور امام احمد رضا نے یہاں بھی منشائے قرآن کا خاص خیال رکھا ہے اور یہ ترجمہ بھی اسلوب قرآن سے قریب تر ہے۔

**لفظ "کرنی" کا استعمال:**

وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُخۡلِصُوۡنَ (البقرۃ:۱۳۹)

ترجمہ: اور ہماری کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ اور ہم نرے اسی کے ہیں۔

امام احمد رضا نے یہاں بجائے عمل کے لفظ "کرنی" لکھا ہے۔ جس طرح "عمل" کا استعمال "عملِ بد" اور "عملِ خیر" بولتے ہیں اسی طرح "کرنی" بھی اچھی اور بری دونوں کے لیے بولتے ہیں لیکن "کرنی" لفظ میں جو معنویت ہے وہ عمل میں نہیں ہے۔ علاوہ اس کے بجائے "خالص" کے "نرے" کا استعمال بھی بہت پر بلاغت ہے۔

**نوٹ:** کنز الایمان میں محاورات کی بہار بھی لائق دید ہے۔ بہ خوف طوالت راقم ان محاورات کو نہیں پیش کر رہا ہے۔ ویسے راقم نے "کنز الایمان" میں شامل محاورات کو اپنے مضمون "کنز الایمان میں محاوروں کی بہار" میں پیش کر چکا ہے جو ماہ نامہ "معارف رضا" کراچی میں شائع ہو چکا ہے۔

## ادبی جائزہ

قرآن حکیم، اللہ عزوجل کا کلام بلاغت نظام ہے۔ اس کا ہر ہر لفظ معانی کا ایک جہان ہے۔ اس کے آہنگ، صوتی حسن اور حسن و خوب صورتی کے دونوں پہلو جمال و جلال، شکوہ و وقار، ترنم و تغنم وغیرہ کا کوئی جواب نہیں۔ قرآن ادب کا وہ شاہ کار ہے جو نہ کسی ادب میں پیدا ہو سکا نہ ہو سکتا ہے۔ اس مقدس کلام میں مضامین کے تنوع کے باوجود آیات کے درمیان معنوی ربط برقرار رہتا ہے۔ قرآن میں تکرار مضامین بھی ہے لیکن ہر بار انھیں نئی حکمت و موعظت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور قارئین کو ہر بار نیا لطف ملتا ہے۔

**صوتی حسن:**

قرآن کا مطالعہ کرنے والے اس کے اس اعجاز سے بہ خوبی واقف ہیں کہ جب اس کلام کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو لگتا ہے کہ جیسے اَن گنت آب شاروں کا ترنم پھوٹ رہا ہے اور سننے والا جھوم جھوم اٹھتا ہے۔



حضرت امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ کی یہی خوبی ہے کہ انھوں نے ترجمہ میں اس صوتی حسن اور تغنم کا کافی حد تک خیال رکھا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھیے اور پھر امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھیے تو یہاں بھی ترنم و تغنم کا احساس ہوتا ہے۔

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۝ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ ۝ وَاِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ ۝ وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۝ وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۝ وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۝ وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۝ وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۝ بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ ۝ وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ ۝ وَاِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ۝ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ۝ (التکویر:۱-۱۴)

ترجمہ: جب دھوپ لپیٹی جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں اور جب سمندر سلگائے جائیں اور جب جانوں کے جوڑے بنیں اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے اور جب جہنم بھڑکایا جائے اور جب جنت پاس لائی جائے ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی۔

سورۃ الواقعہ کی ان آیات کا ترجمہ بھی ملاحظہ کریں:

اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ۝ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا ۝ عُرُبًا اَتۡرَابًا (الواقعہ:۳۵-۳۷)

ترجمہ: بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انھیں بنایا کنواریاں، اپنے شوہروں پر پیاریاں، انھیں پیار دلاتیاں، ایک عمر والیاں۔

**تشبیہات و استعارات:**

(۱) وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِيۡمِ (یٰسٓ:۳۹)

ترجمہ: اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے "کھجور کی پرانی ڈال"

(۲) وَّبُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتۡ هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا ۝ (الواقعہ:۵-۶)

ترجمہ: اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر تو ہو جائیں گے جیسے "روزن کی دھوپ میں غبار کے باریک ذرے پھیلے ہوئے"۔

قوسے میں درج کلمات سے تشبیہات کا حسن ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

**مجاز و کنایہ:**

(۱) هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرۃ:۱۸۷)

ترجمہ: ''وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس'' ...... یعنی مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے لباس ہیں اور اپنی بیوی کا شوہر سے کسی طور کا پردہ نہیں اور نہ شوہر کا بیوی سے۔

(۲) فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا (الاعراف:۱۸۹)

ترجمہ: پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا۔

**ایجاز و بلاغت:**

(۱) وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ ...... (البقرۃ:۹۳)

ترجمہ: اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا...... لفظ ''رچنا'' میں جو بلاغت ہے اس کا جواب نہیں۔

(۲) تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ...... (البقرۃ:۱۱۱)

ترجمہ: یہ ان کی خیال بندیاں ہیں...... خیال بندیاں کی ترکیب بھی لائق دید ہے نیز حسن بلاغت بھی۔

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' زبان اردو کا سب سے زیادہ مقبول، درست و پاکیزہ، اللہ و رسول اور انبیا کی حقیقی شان کا غماز اور زبان و بیان و ادب کا شاہ کار ہے۔ ☆☆☆

## ولی کی پہچان

''ولی اور غیر ولی کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی سلامتی اور عقل کی درستی کے ساتھ صحبت اختیار کرے، اب اگر یہ دیکھے کہ اس کی صحبت سے خدا یاد آتا ہے اور خدا کی محبت زیادہ ہوتی ہے تو جان لے کہ یہ ولی ہے۔ اگر اس کے خلاف ظاہر ہو یعنی دنیا یاد آئے اور دنیا کی محبت غالب ہو تو سمجھ لو کہ ولی نہیں ہے اس لیے کہ القلب مرآۃ القلب جو کچھ اس کے دل میں ہوگا اسی کا عکس دکھائی دے گا اور دوسری صورت اس کی نجاست کی گواہ ہے۔ عین المعانی میں ہے کہ اولیا وہ جماعت ہیں کہ ان سے مل کر اللہ کی یاد آتی ہے۔''

**حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ**

(سراج العوارف، ترجمہ حضرت سید امین میاں برکاتی، مشمولہ اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۵۳)

صد سالہ جشن کنز الایمان کے پر بہار موقع پر ''معارف رضا'' کے ''کنز الایمان نمبر'' کی اشاعت اور ''صد سالہ جشن کنز الایمان کانفرنس'' کے انعقاد پر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے کارکنندگان کی خدمت میں ہدیۂ تہنیت و تبریک پیش کرتے ہیں۔ **(ادارہ)**



# زبان شناس مترجم

**محمد اسحٰق رضوی مصباحی القادری**

مدرسہ جمال مصطفیٰ ٹانڈہ جدید، بلاس پور، رام پور

انسان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف زبانوں کو ادا کرنے کا سلیقہ اور شعور عطا فرمایا ہے۔ زبانوں کا ارتقا اور تخیل کی صفائی کے حصول کا کیا طریقہ رہا ہے یہ الگ بحث ہے جس کا تعلق دوسرے علوم سے ہے خاص کر علم بشریات سے اور علم تاریخ ارتقا سے تاہم یہ صاف ظاہر ہے کہ ایک زبان کے مفہوم کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت کافی قدیم زمانے سے محسوس ہوتی رہی ہے اور تہذیب کے دور میں ملکی، دینی، سیاسی، ادبی ضرورتوں کے تحت ترجمہ کی حاجت قائم ہوتی ہے اور کافی زمانے سے اس کے ماہرین پیدا ہوتے رہے ہیں۔

ہر زبان کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے۔ جملہ کی ساخت میں جس میں تقدیم و تاخیر سے کئی ایک طرح کے مفہوم لیے جاتے ہیں۔ مثلاً آپ اردو میں دیکھیں:

کام تمام کر دیا - اکثر ختم کرنے اور ہلاک کرنے کے معنی میں

تمام کام کر دیا - زیادہ کرنے پر، تعریف کے موقع پر

میرے اوپر آنکھیں نکالیں - غصہ کرنے کے لیے، غیر محدود کر کے

آنکھیں میرے اوپر نکالیں - غصہ کرنے کے لیے، محدود کرنے کے لیے، یعنی صرف میرے اوپر ناراض ہوا دوسروں پر نہیں

اسی طرح ہر زبان میں ساخت کا مفہوم پر خاص اثر ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک زبان کے مقابلہ میں دوسری زبان کا لفظ رکھتے وقت بھی بہت سی باریکیاں نظر میں ضروری ہوتی ہیں مثلاً:

ڈرنا، گھبرانا، لرزہ بر اندام ہونا، دل ٹھکانے نہ رہا، ہاتھ پیر پھول گئے، دھک دھک ہو گئی، خون سوکھ گیا

یہ سارے الفاظ تقریباً خوف کھانے اور خوف کے مختلف مراحل کے لیے استعمال ہوتے ہیں اسی طرح عربی میں:

ذُعِرَ، خاف، دهِش، ارتعدت فرائصه، فزِعَ، اِقشعرّ جلده، ارتعد فرقا، فرِق وغیرہ الفاظ خوف کی مختلف حالتوں پر دلالت کرتے ہیں اسی لیے دونوں زبانوں کے مرکبات اور

مفردات کے باریک فرق پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

یعنی جن دو زبانوں کے مابین ترجمہ ہو رہا ہے ان کے مفردات، مرکبات، جملوں کی ساخت کے فرق پر بہت چینی نظر ہونا ضروری ہے، یہ نظر جتنی باریک ہوگی ترجمہ اتنا ہی اچھا ہوگا حتی کہ بعض وقت ترجمہ اصل کتاب سے زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے اگرچہ ایسا شرف دنیا کے چند ترجموں کو نصیب ہوا ہے کہ اصل کتاب کو لوگ ترجمہ کے مقابلہ میں بھول گئے جیسا کہ ''پنچ تنتر'' کا ترجمہ جو فارسی سے ہوتا ہوا عربی میں پہنچا تھا عربی میں ہارون رشید کے زمانے میں عبداللہ بن المقفع بلیغ عرب کے قلم نے اس کے ترجمہ کو ایسا خلود بخشا کہ ان کا ترجمہ اصل کتاب سے زیادہ مشہور ہوا اور پوری دنیا میں پھر بلیغ عرب کے ترجمہ سے ہی ''پنچ تنتر'' کا ترجمہ ہوا۔

ترجمے علمی ادبی دونوں طرح کے ہوتے ہیں، اسی طرح دینی کتابوں خاص کر کتاب وسنت کے ترجمہ کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ قرآن پاک اور حدیث پاک کا ترجمہ صرف عبارت کے اعتبار سے ہی سخت نہیں ہے بلکہ شرعی اعتبار سے بھی بہت مشکل ہے کیوں کہ اس میں یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں اصل معنی کی تحریف نہ ہو جائے کہ پھر سارا کیا دھرا اکارت ہو جاتا ہے اور انسان سخت گنہ گار ہوتا ہے۔

ہم نے کتاب وسنت کے بہت سے تراجم دیکھے ہیں مگر امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلم سے نکلے ہوئے ترجموں کا الگ انداز ہے، جن میں اصل سے مطابقت اتنے اعلیٰ درجہ میں پائی جاتی ہے کہ اس سے آگے نہایت مشکل معلوم ہوتی ہے، جس کی کچھ تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے صفحات میں کرنے جا رہے ہیں۔

امام احمد رضا نے اکثر ترجمے عربی سے اردو میں کیے ہیں اور اردو سے عربی میں بھی اور کچھ فارسی کے مابین بھی کیے ہیں۔ یہاں ہم یہ بتا دیں کہ امام احمد رضا جس تاریخ میں ترجمہ کر رہے تھے اس وقت اردو نثر کی کیا حالت تھی اور اس وقت ترجموں میں کس انداز کی زبان استعمال کی جاتی تھی جس سے ظاہر ہوگا کہ امام احمد رضا کے ترجمہ کی زبان کتنی شستہ ترقی کردہ اور مستقبل کے قریب تر زبان تھی۔

ترجمہ کی زبان جو امام احمد رضا نے استعمال کی ہے اس زبان کا تقابل اور موازنہ اس دور کی عام نثر سے کرتے ہیں تو یہ ترجمہ کی زبان ہوتے ہوئے بھی نہایت ترقی کردہ معلوم ہوتی ہے۔

**امام احمد رضا کا دور:**

امام احمد رضا کی پیدائش ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی اور ۱۸۷۰ء کو آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی لہٰذا امام احمد رضا کی تحریروں کا زمانہ ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ یعنی ۱۸۷۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں قرآن پاک کا ترجمہ فرمایا جو ''کنز الایمان'' کے نام سے مشہور ہوا...... تو اس دور میں اردو نثر کی حالت پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔



اردو نثر کی ابتدا چودھویں صدی عیسوی ہی سے ہوتی ہے اور یہ دور اٹھارہویں صدی تک دراز ہے۔ اس دور میں اردو نثر میں فارسی دکنی زبان کا عنصر غالب رہا ہے اس دور کے آخر میں انیسویں صدی کی ابتدا میں نثر میں اصلاح شروع ہوئی اور اس اصلاح کی ضرورت سب سے پہلے انگریزوں کو ہوئی تاکہ عام زبان حاصل کر کے سیدھی سادی زبان میں بات کر سکیں اور اسی لیے کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں اس سادہ نثر کا اہتمام کیا گیا۔ اس دور کے آخر میں زبان کے دو انداز شروع ہو گئے تھے۔

(۱) مسجع اور مقفیٰ عبارت

(۲) آزاد اور سادا تحریریں

مگر آزاد اور سادہ تحریریں بھی ابھی اپنی ساخت میں ابتدائی مراحل میں تھیں۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جدید نثر کا دور شروع ہوا اور یہ اردو نثر کا دور تھا، اس میں بھی ایک طرف فارسی آمیزش والا اسلوب زیادہ پسند تھا جس کی مثال ''فسانۂ عجائب'' نام کی کتاب ہے۔

دوسری طرف آزاد اور نہایت صاف زبان لکھنے کی طرف ایک جماعت نے توجہ کی اس میں سرسید، شبلی نعمانی، ذکاء اللہ، مولوی چراغ علی، نواب محسن الملک، نذیر احمد کی تحریر صاف اور ترقی کردہ سمجھی جاتی ہے اور جدید نثر کا ان لوگوں کو معمار تصور کیا جاتا ہے۔ اس دور کے آخر میں مولانا عبدالحلیم شرر اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کی تحریر نہایت عام اور سلیس زبان میں تھی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں آخر کار مقفیٰ نثر متروک ہوتی چلی گئی اور آزاد اور صاف نثر لکھی جانے لگی اور اسی کو مقبولیت حاصل ہوئی وجہ اس کی صاف ہے کہ ملکی اخبار اور سیاسی حالات علمی ترجمہ اسی کے ہی متقاضی تھے۔ اس دور میں راشد الخیری، خواجہ حسن نظامی، پریم چند، نیاز فتح پوری، سجاد حیدر، لطیف احمد، قاضی عبدالغفار وغیرہ نثر نویس مشہور ہوئے ہیں۔ اس کی روشنی میں ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کو دوسرا دور مکمل اور تیسرے دور کا ابتدائی اکثر حصہ دیکھنے کو ملا۔

اس زمانے میں اخبار وصحافت کی ہی زبان زیادہ صاف تھی۔ باقی زبان اتنی صاف نہیں تھی جس کا فرق ہم سرسید کے مضامین ''تہذیب الاخلاق'' اور ان کی دوسری تصنیف ''آثار الصنادید'' میں دیکھ سکتے ہیں۔

اور اس دور کے ترجمہ کی زبان میں نقل لفظ کو ہی ترجیح دی جاتی تھی۔ امام احمد رضا کا خانوادہ ایک علمی خانوادہ تھا اور اردو کے ابتدائی دور کے آخر میں یعنی انیسویں صدی کے نصف اول میں ان کے والد صاحب کی چند تصانیف ہیں جن کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نقی علی خاں نے سرسید اور حالی سے پہلے ہی نہایت سلیس نثر کو اختیار کر لیا تھا۔ اس کا اثر امام احمد رضا کی نثر پر آنا لازم تھا کیوں کہ آپ کی تعلیم اکثر آپ کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب سے ہوئی تھی۔ مگر امام احمد رضا کی

نثر میں ایک عجیب طرح کی لذت ہوتی ہے جو دوسروں کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ وہ نثر نہایت صاف اور غموض سے پاک ہوتی ہے۔ فارسی کے الفاظ کو آپ اس انداز سے پیوستہ کرتے ہیں کہ وہ اردو کے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ تقدیم و تاخیر نہایت واضح انداز سے ہوتی ہے کہ جملہ کو دوسری ترکیب میں بدلا ہی نہیں جاسکتا۔ قافیہ اور سجع والی بھی ہوتی ہے مگر وہ طبعی اور فطری ہوتی ہے کہ اس کی جگہ دوسرا لفظ موزوں نہیں ہوسکتا۔

آپ کی نثر میں علم و ادب ایک ساتھ چلتے ہیں۔ قافیہ اور سجع واضح ترکیب بن جاتے ہیں اور سلاست، وضاحت، اختصار، عظمت، شکوہ اور تناسب اعلیٰ سطح پر موجود ہوتا ہے۔ بات یہاں پر خاص یہ ہے کہ آپ نے تمام خصوصیات کو فتویٰ میں، خط میں، ترجمہ میں غرض ہر تحریر میں محفوظ اور باقی رکھا ہے۔ غرض کہ آپ کی شاعری میں بھی یہی طرز اور سلاست برقرار ہے کہ وہ شعر بھی ہے اور فطری ترکیب پر بھی اس کو نثر کرتے وقت بھی وہی شعری ہیئت برقرار رہے گی۔ شعر میں میں نے یہ انداز صرف ابراہیم خاں ذوق کے یہاں سب سے زیادہ پایا کہ ان کے شعر کی نثری تحلیل شعری ہیئت کو چھوڑتی نہیں، یہ شاعری اور زبان پر عظیم قدرت کی علامت ہے۔ ذوق کے اس شعر کو دیکھیے ؎

احاطے سے فلک کے ہم تو کب کے
نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا

اس شعر کی نثری تحلیل بھی اس کے علاوہ نہ ہوگی...... اور امام احمد رضا کا یہ شعر ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

آپ اس کی نثر اس سے بہتر نہیں لاسکتے۔

بہر حال امام احمد رضا نے زبان کی آبرو ہر جگہ باقی و برقرار رکھی۔ آپ کثیر المطالعہ اور وسیع النظر عالم تھے اس لیے زبان کے تعلق سے ہر پہلو پر آپ کی نظر رہتی تھی اور علوم کی باریکیوں پر آپ کی نہایت اعلیٰ توجہ رہتی تھی۔ جس کا اندازہ ہم کو آپ کی تحریروں اور ترجموں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم آپ کو ایک زبان شناس مترجم کہہ سکتے ہیں۔

**ترجمہ کی خصوصیت:**

ترجمہ میں اصلی زبان سے مطابقت اور مفہوم کی مکمل ادائگی اور دونوں زبانوں کی مستعمل ہیئت ہی ترجمہ کو حسن اور عظمت بخشتی ہے۔

قرآن و سنت کے ترجموں میں شریعت کے تقاضوں، عقائد کے اصول، اسلام کے محکم فیصلوں کی مطابقت اور قائل کی عظمت و عزت اور مرتبۂ تقدس کا لحاظ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ امام احمد



رضا نے قرآن و سنت کے ترجموں میں ان شرائط و قواعد کا ایسا لحاظ رکھا ہے کہ آپ اس میں منفرد ہیں۔ آپ کے ترجمۂ قرآن پاک کے جائزے سے قبل ہم آپ کے سامنے دوسری عبارتوں کے ترجمہ کی چند مثالیں رکھنا چاہتے ہیں۔ رسالہ ختم النبوہ میں آپ نے متعدد احادیث و اقوال ائمہ کا ترجمہ فرمایا ہے۔ صفحہ نمبر ۱۴ پر ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہم نقل کرتے ہیں یہ ایک طویل حدیث شریف کا خاص حصہ ہے جس میں قیامت کے اندر شفاعت کی طلب کا ذکر ہے کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ وعلی نبینا السلام کے پاس آئیں گے تو آپ ان سے کہیں گے: "فیاتون عیسیٰ فیقولون اشفع لنا إلی ربک فلیقض بیننا فیقول إنی لست ھناکم إنی اُتخِذْتُ الٰھا من دون اللّٰہ وانہ لا یھمنی الیوم إلی نفسی ولکن ان کل متاع فی وعاء مختوم علیہ أکان یقدر علی مافی جوفہ حتی یفض الخاتم فیقولون لا فیقول إن محمدًا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فیاتونی فأقول أنا لھا فاذا اراداللّٰہ أن یصدع بین خلقہ نادی مناد أین احمد و امتہ فنحن الأخرون الأولون نحن اخرالأمم و اول من یحاسب فتفرج لنا الامم عن طریقنا الحدیث ھذا مختصر"

ترجمہ: ''یعنی جب لوگ اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور سے مایوس ہو کر پھریں گے تو سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے۔ مسیح فرمائیں گے میں اس منصب کا نہیں مجھے لوگوں نے اللہ کے سوا خدا بنایا تھا مجھے آج اپنی ہی فکر ہے مگر ہے یہ کہ جو چیز کسی سربہ مہر برتن میں رکھی ہو کیا بے مہر اٹھائے اسے پاسکتے ہیں لوگ کہیں گے نہ۔ فرمائیں گے تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور یہاں تشریف فرما ہیں لوگ میرے حضور حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے میں فرماؤں گا میں ہوں شفاعت کے لیے پھر جب اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں فیصلہ کرنا چاہے گا ایک منادی پکارے گا کہاں ہیں احمد اور ان کی امت صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیں پچھلے ہیں اور ہمیں اگلے سب امتوں سے پیچھے آئے اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا اور سب امتیں عرصات محشر میں ہمارے لیے راستہ دیں گی۔''

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ اور ان کے ترجمہ پر خاص غور کیجیے پھر پوری عبارت کو دیکھیے کہ ترجمہ میں ہر لفظ کے مقابلہ میں لفظ ہے۔ مفردات کے لیے اردو میں مستعمل کلمات لائے گئے ہیں اور ترکیب میں کوئی جھول اور او چھا پن نہیں ہے۔ یہ عبارت ترجمہ اگر نہ ہوتی تو بھی مکمل ادائگی کرتی معنی کی۔ ترجمہ میں ایسی مطابقت ہے کہ بے کم و کاست اصل زبان کے الفاظ کا ترجمہ بھی ہو گیا، خود اردو زبان کے اسلوب کے اعتبار سے بھی سلاست، روانی، وضاحت، اختصار، جامعیت، درستی مطالب پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔

اسی طرح اس کتاب کے صفحہ نمبر ۵۸ پر دار قطنی کی ایک روایت درج ہے جس کا ترجمہ بھی آپ ہی نے فرمایا ہے: "قال قلت لعمر بن علی بن الحسین بن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم افیکم امامٌ تفترض طاعته تعرفون ذلک له من لم یعرف ذلک له فمات مات میتة جاهلیة فقال لا و اللّٰه ماذلک فینا من قال هذا فهو کاذب فقلت انهم یقولون إن هذه المنزلة کانت لعلی ثم للحسن ثم للحسین قال قاتلهم اللّٰه ویلهم ما هذا من الدین و اللّٰه ماهؤلاء الامتاء کلین بنا هذا مختصر.

ترجمہ: ''میں نے امام زین العابدین کے صاحب زادے امام باقر کے بھائی امام عمر بن علی سے پوچھا: آپ میں کوئی ایسا امام ہے جس کی طاعت فرض ہو آپ اس کا یہ حق پہچانتے ہیں، جو اسے بے پہچانے مر جائے جاہلیت کی موت مرے، فرمایا: خدا کی قسم ہم میں کوئی ایسا نہیں، جو ایسا کہے جھوٹا ہے، میں نے کہا: رافضی تو کہتے ہیں یہ مرتبہ مولیٰ علی کا تھا پھر امام حسن پھر امام حسین کو ملا، فرمایا: اللہ رافضیوں کو قتل کرے خرابی ہو ان کے لیے یہ کیا دین ہے خدا کی قسم یہ لوگ نہیں مگر ہمارا نام لے کر دنیا کمانے والے، والعیاذ باللہ عزوجل۔''

دیکھیے ہم نے جو خوبیاں ترجمے کی ذکر کی تھیں وہ یہاں پر مکمل صورت میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں اور الامن والعلی وغیرہ میں آپ نے کافی ترجمے کیے ہیں جو انشا اور ترجمہ کے بہترین نمونے ہیں کاش کوئی ان کو جمع کر کے کتاب تیار کر دے۔

## ترجمہ قرآن پاک:

آپ نے ترجمہ قرآن پاک میں تو اپنی قابلیت کا کمال ہی دکھایا ہے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن پاک کے ترجمہ کو شرعاً تفسیر کے درجہ میں ہی رکھا جاتا ہے۔ کیوں کہ وحی کا بدل اور خوبیاں دوسری زبان میں موجود نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مگر پھر بھی ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ اس میں اصل سے مکمل مطابقت پیدا ہو جائے۔

## امام احمد رضا کے ترجمہ کی خوبیاں:

(۱) اصل عبارت سے مکمل مطابقت

(۲) ہر لفظ کے مکمل مترادف کا وجود

(۳) اردو زبان کا ترقی کردہ اور مستعمل اسلوب

(۴) بلاغت اور بیان اور صرف ونحو کے مسائل کے مطابق معنی کا انتخاب

(۵) معتبر تفاسیر کے عربی ترجمہ کا اردو میں نقل

(۶) اسلامی عقائد وسیرت اور مسلمات کی رعایت



(۷) قرآن کی محکم آیات کی تعلیم کا لحاظ

(۸) اللہ تعالیٰ، انبیاے کرام، اولیاے کرام، صالحین کے مرتبہ کے مطابق کلمات کا انتخاب

(۹) اسی مختصر عبارت اور ترجمہ میں ذہن میں گردش کرنے والے سوالات کا جواب جو اس کے اسلوب سے ہی معلوم ہو جاتا ہے۔

(۱۰) راجح تفسیر اور مقبول تفسیر کا ترجمہ میں لحاظ

اب ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں، آپ کے ترجمہ قرآن پاک سے جن سے مندرجہ بالا خوبیوں کا آپ اندازا کر سکتے ہیں۔ ان مثالوں میں ان مواقع کو چھوڑ دیا گیا ہے جن کو بار ہا ہمارے سابقین لکھ چکے ہیں لہٰذا ان مثالوں کے ساتھ ان کو بھی شامل سمجھنا چاہیے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ترجمہ: راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔

آپ نے اَنْعَمْتَ کا ترجمہ احسان سے کیا ہے اردو میں انعام کیے پر حق بنتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق بغیر اس کی رحمت کے نہیں، اس کا جو کچھ انسان پر عطیہ ہے وہ کسی عمل کے حق پر نہیں، لہٰذا احسان ہی ہے اس کی ہر ہر نعمت۔

یوں تو اکثر محققین نے فرمایا ہے مگر امام احمد رضا نے اپنے اس ترجمہ میں متقدمین مفسرین کی رائے کو ترجیح دی ہے چناں چہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں انعمت کے ترجمہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ای مَنَنْتَ علیهم بالهدایة والتوفیق

عربی میں منة اردو میں اس کو احسان ہی کہا جاتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۳)

ترجمہ: اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے ان خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں پر عبدنا میں اضافت تشریف یعنی قربت اور عزت بڑھانے پر دلالت کرنے کے لیے ہے اور امر کا صیغہ فاتوا مخاطب کا عجز اور بے بس ہونے کے بیان کے لیے ہے ان دونوں باتوں کی طرف امام احمد رضا نے کیسا لطیف اشارہ فرمایا کہ عربی سے ناواقف اور بلاغت کے قواعد کے ناخواندہ شخص بھی اس راز کو پا لے۔ خاص بندے۔ ترجمہ کرکے اور۔ اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ۔ اس خاص اسلوب کے ذریعہ اگر اس میں لفظ ''تو'' نہ ہوتا تو یہ خوبی ظاہر نہ ہوتی۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۳۰)

ترجمہ: بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خوں ریزیاں کرے۔

یہاں پر "دم" خون کی جمع دماء کا لفظ لایا گیا ہے ظاہر میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے جو خونوں کو بہائے یعنی خون کی جمع خونوں مگر یہ جمع شاید ذوق پر گراں گزرے اس لیے امام احمد رضا فعل **یسفک** اور مفعول **دماء** کا ترجمہ تو کیا ہی ساتھ میں اس کے جمع ہونے کا بھی لحاظ کیا اور گراں لفظ سے بھی گریز کر لیا اور فرمایا خوں ریزیاں کرے فعل کا ترجمہ بھی ہو گیا اور خوب صورتی کے ساتھ مفعول کے جمع ہونے کا بھی ذکر ہو گیا۔

ہم نے بتایا کہ امام احمد رضا اردو ترجمہ میں تفسیر کی ان جہتوں کا انتخاب کرتے ہیں جو عام مسلمان کو کسی الجھن میں نہ ڈالے اور ساتھ ساتھ وہ کسی عظیم مفسر کی رائے بھی ہو۔ دیکھیے سورۃ الفتح کی اس مبارک آیت میں اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ○ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (سورۃ الفتح، آیت نمبر ۱۔۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

یہاں پر اکثر مترجمین نے لفظی ترجمہ کر کے اردو زبان کا لفظ گناہ کی نسبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی عربی میں ذنب کے مراتب ہیں جو منسوب الیہ کے اعتبار سے مراد لیے جاتے ہیں مگر اردو میں گناہ کو مذموم شمار کیا جاتا ہے۔ دوسرے عربی میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان کے مضاف کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے جو یہاں ہر ایک تاویل کے طور پر ہوسکتا ہے۔ اس لیے امام احمد رضا نے یہاں پر ایسا ترجمہ فرمایا جس سے آیت کے معنی کے ساتھ اصل مراد واضح ہوگئی کیوں کہ آیت فتح مکہ کی بشارت تھی اس بشارت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ گار ہونے کا اعلان کیسے ممکن تھا وہاں پر تو آپ کے صدقہ میں آنے والی برکتوں کے ذکر کا موقع تھا:

**معالم التنزیل** میں علامہ بغوی یہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر اگلوں پچھلوں کے گناہوں کی مغفرت آپ کی برکت سے ہوگی یہ مراد ہے۔ عبارت یہ ہے:

**وقال عطاء الخراسانی : ما تقدم من ذنبک یعنی ذنب ابویک آدم و حوّاء ببرکتک . وما تأخر ذنوب امتک بدعوتک**

ترجمہ: مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ الخ یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کا مرتبہ بڑا ہے آپ کی برکت سے آپ کے والدین اولین آدم وحوا کا کیا معاف کر دیا گیا اور آپ کی دعوت کی برکت سے آپ کی امت کے گناہ معاف کر دیے گئے۔ (تفسیر البغوی، ج۴، ص۲۲۳)

وَہُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَ ہُوَ اَہۡوَنُ عَلَیۡہِ (سورۃ الروم، آیت نمبر ۲۷)



ترجمہ: اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے۔

اس تفضیل کے صیغہ میں دو چیزوں کے درمیان فرق بتایا جاتا ہے اور اصل وصف میں دونوں کو مشترک مانا جاتا ہے جیسے **زیدٌ افضل من عمرو** یعنی زید اور عمرو فضیلت میں دونوں مشترک ہیں مگر زید زیادہ فضیلت والا ہے بہ نسبت عمرو کے۔

یہاں اگر ہم ظاہری عبارت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آخرت اور دنیا کے پیدا کرنے پر باری تعالیٰ قادر ہے، مگر پیدا کرنے سے لوٹانا آسان ہے جس کا مفہوم یہ ہوگا کہ پہلے پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے مشکل تھا یعنی دنیا بنانا مشکل تھا اور لوٹانا آسان ہے ظاہر ہے کہ اس وقت واجب تعالیٰ کے حق میں آسان اور مشکل کا اطلاق اس کی قدرت تامہ کاملہ کے خلاف ہے۔ اس پر دنیا بنانا اور لوٹانا دونوں ممکن واقع ہیں نہ کہ مشکل۔ تو بات یہ ہے کہ اس میں آسان اور مشکل کا تعلق اس کی قدرت سے نہیں بلکہ مخاطب کی فہم سے ہے۔ یعنی تمہارے لیے یہ سمجھنا آسان ہے کہ جب اس نے دنیا بنادی تو دوبارہ بھی بنا سکتا ہے قیامت قائم کر کے۔

اس باریک بات کی طرف امام احمد رضا نے ترجمہ میں اشارہ کر دیا اور آیت کی مراد قاری پر مکمل واضح ہوگئی اور مخاطب کے ذہن میں کوئی بھی تردد باقی نہ رہا۔

آپ نے دیکھا ان چند مثالوں کو، ان سے یقین ہونا چاہیے کہ امام احمد رضا نے اپنے ترجمہ میں قدیم مفسرین کی آرا، حدیث و کتاب اللہ کے ارشادات کا مکمل لحاظ اور زبان و بیان و بلاغت و فصاحت کا ہر اعتبار سے التزام کیا ہے۔ اور قرآن پاک کے مفہوم و مراد کی طرف بالکل سیدھا سچا راستہ دکھایا ہے اور حق یہ ہے کہ اہل علم کے لیے بھی اور عام لوگوں کے لیے بھی کنز الایمان سے بہتر ترجمہ موجود نہیں۔ اب ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔

قَالَ اَرَءَیۡتَ اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَۃِ (سورۃ الکہف، آیت نمبر ۶۳)

ترجمہ: بولا بھلا دیکھیے تو جب ہم نے اس چٹان کے پاس جگہ لی تھی۔

علمائے بلاغت نے فرمایا ہے کہ:

**أرأیت. الرؤیة هنا مستعارة للمعرفة التامة والمشاهدة الکاملة وهی استعارة تصریحیة تبعیة لأنها أجریت فی الفعل وقد حُذِف المشبه وأقیمَ المشبه به مقامه والاستفهام فی أرأیت للتعجب.** (اعراب القرآن للدرویش، ج۴، ص۵۱۷)

رویت سے مراد یہاں پر مکمل معرفت اور اعلیٰ درجہ کا مشاہدہ ہے اور از روے بلاغت یہ استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہے کہ فعل میں مستعمل ہے تو مشبہ کو حذف کیا گیا ہے اور مشبہ بہ قائم مقام ہے اور

مذکور ہے اور استفہام تعجب کے لیے ہے۔

اب پلٹ کر امام احمد رضا کے ترجمہ کو دیکھیے۔ تعجب اور مشاہدہ کی طرف کیسا لطیف اسلوب اختیار کیا ہے۔ بھلا دیکھیے تو، لفظ ''بھلا۔ دیکھیے۔ تو'' ان تینوں کلموں کے اتصال نے مکمل بلاغت اردو میں اتار دی اسے کہتے ہیں زبان شناسی۔ تو ہم پھر یہ کہیں گے کنزالایمان جیسا ترجمہ اب موجود نہیں۔

ہاں ان لوگوں کو ضرور یہ ترجمہ گراں گزرے گا جنھوں نے انبیاے کرام اور اولیاے عظام اور صحابۂ کرام کی عظمتوں کو تار تار کرنے کی قسم کھا رکھی ہے اور جنھوں نے اپنی خواہش سے دین بنایا ہے جو اپنی عقل کی کج رویوں سے ہٹنے کا سوچتے ہی نہیں۔ جنھوں نے بزرگوں کی تعلیم و تفسیر و تحقیق کو رد کرنے کا شیوہ بنا لیا ہے۔ ومن یضلل اللہ فماله من هاد خداے تعالیٰ جس کے نصیب گم راہی کر دے تو اسے کون راستہ دکھائے۔

والحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد واصحابہ اجمعین ۔ امین

☆☆☆





# کنزالایمان۔ضرورت وافادیت


**محمد شمشاد حسین رضوی (ایم۔اے)**

صدر المدرسین، مدرسہ شمس العلوم، گھنٹہ گھر بدایوں


اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ۱۳۳۰ھ میں قرآن مقدس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جو ''کنزالایمان'' کے نام سے موسوم ہے۔ دور حاضر میں ''کنزالایمان'' کی زبردست اشاعت ہو رہی ہے۔ ہر مکتبہ والے اس کو شائع کر رہے ہیں اور بازار میں ہدیہ کر رہے ہیں۔ ان گنت بار اس کی طباعت اس بات پر واضح دلیل ہے کہ عوام و خواص میں جو شرف قبولیت ''کنزالایمان'' کو حاصل ہے کسی اور ترجمۂ قرآن کو حاصل نہیں۔ کم پڑھے لکھے افراد بھی اس کو پڑھتے ہیں اور ارباب علم و کمال بھی۔ تنقید نگاروں نے بھی اس کا مطالعہ کیا اور ماہرین لسانیات نے بھی۔ مگر آج تک کسی صاحب علم و بصیرت نے اس کی طرف انگشت نمائی نہیں کی۔ کنزالایمان میں ترجمانی کی جو کیفیت، ادب و بیان کی جو لطافت، اسلوب کی جو چاشنی اور لب و لہجہ کا جو بانکپن پایا جاتا ہے وہ دل اور دماغ دونوں سے اپیل کرتا ہے اور دوسرے ذی علم افراد کو دعوت نظارہ دیتا ہے۔ اگر اس میں خامیاں ہوتیں تو اغیار بھی اس پر لب کشائی کرتے اور اپنے لوگ بھی دبے لفظوں میں خندہ زن ہوتے۔ میں بڑے وثوق سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ کنزالایمان ایک اچھا اور عمدہ قسم کا اردو ترجمۂ قرآن ہے۔ جس میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو کسی اچھے ترجمہ میں ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب کمال نے کنزالایمان کی انفرادی اور امتیازی خصوصیات و کمالات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ کنزالایمان میں اعلیٰ قسم کی ترجمانی کو دیکھتے ہوئے کسی صاحب بصیرت نے کہا...... ''قرآن مجید اگر اردو میں نازل ہوا ہوتا تو وہ کنزالایمان ہوتا۔'' یہ جملہ صرف اظہار وصف و کمال کا ایک قوی ذریعہ ہے اور پر تاثیر اسلوب ہے۔ اس جملہ کے توسط سے نہ تو کنزالایمان کو قرآن بتایا گیا اور نہ ہی اس کے ہم پلہ قرار دیا گیا۔ ہاں صرف یہ مقصد ہے کہ کنزالایمان میں واقعی طور پر قرآن کی صحیح ترجمانی پائی جاتی ہے اور اس میں زبان و بیان کی ایسی چاشنی پائی جاتی ہے کہ کنزالایمان جیسا کوئی اور ترجمۂ قرآن نہیں۔ نہ امام احمد رضا سے پہلے ایسا کوئی ترجمۂ قرآن تھا اور نہ ان کے بعد، حد تو یہ ہے کہ اس دور میں بھی کنزالایمان جیسا کوئی ترجمہ پایا نہیں جاتا۔ مگر نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری ہی جماعت کے کسی اہل علم و ادب نے اس جملہ کی صحت پر کلام کیا ہے اور اسے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس لیے مناسب تصور کرتا ہوں کہ اس جملہ کی

توضیح کردی جائے تاکہ کنزالایمان پر گفتگو کرنے کا راستہ بالکل صاف اور ستھرا ہو جائے اور ذہن وشعور سے کدورت وشبہات کا بادل چھٹ جائے۔

## جملۂ مذکورہ کی توضیح وتشریح:

یہ جملہ جس نے بھی ادا کیا، اس نے بہت کچھ سوچ سمجھ کر ادا کیا ہے۔ اس جملہ کا مقصد اور پس منظر کیا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن مقدس کی صحیح اور مکمل ترجمانی، زبان وبیان کی تاثیری کیفیت، اسلوب بیان کی کشش، اردو محاوروں، عام بول چال کے لفظوں اور جملوں کے استعمال نے اہل علم وادب کے دل ودماغ کو اپیل کی اور پھر انھوں نے اپنی اس داخلی کیفیت کا اظہار مذکورہ جملہ میں کردیا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس کی بنیاد پر یہ جملہ صفحۂ قرطاس کی زینت بن گیا۔ اس جملہ کا مقصد صرف کنزالایمان کی خوبیاں بیان کرنا ہے۔ میرا گمان غالب یہ ہے کہ جس نے بھی یہ جملہ کہا وہ کوئی کم پڑھا لکھا نہ تھا، بلکہ نہایت ہی قابل ترین انسان اور دانش ور تھا کہ اس نے یہ جملہ لکھ کر کنزالایمان میں مضمر تمام خوبیوں کو اجاگر کردیا اور اس کی معتد بہ حیثیات کا تعین بھی۔ یہ کوئی لغو اور مہمل جملہ نہیں بلکہ جدید اسلوب اور نادر ونایاب لب ولہجہ کا آئینہ دار ہے۔ علم منطق کے اعتبار سے یہ قیاس استثنائی کا ایک جز صغریٰ ہے۔ اس کے بالترتیب اجزا اس طرح ہوں گے......

صغریٰ - قرآن مجید اگر اردو میں نازل ہوا ہوتا تو وہ کنزالایمان ہوتا

کبریٰ - مگر قرآن مجید اردو میں نازل نہیں ہوا۔

نتیجہ - اس لیے کنزالایمان قرآن مجید نہیں۔

اس قیاس استثنائی سے جو نتیجہ نکلا وہ سو فی صد صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے۔ بالفرض اگر کوئی اس نتیجہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتا تو پھر اسے اس کی نقیضین یعنی کنزالایمان ہی قرآن مجید ہے، کو ماننا پڑے گا کیوں کہ نقیضین میں سے کسی ایک کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں اور ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ مانا جائے اور نہ ہی دونوں کو مانا جائے گا کہ ان دونوں صورتوں میں رفع نقیضین اور صدق نقیضین لازم آئے گا۔ اہل علم بہ خوبی جانتے ہیں کہ یہ دونوں محال ہیں، اب رہی یہ بات کہ کنزالایمان ہی قرآن مجید ہے یہ سراسر جھوٹ، لہٰذا ثابت ہوا کہ کنزالایمان قرآن مجید نہیں۔ یقین کے اجالے میں ہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ صغریٰ یعنی قرآن مجید اگر اردو میں نازل ہوا ہوتا تو وہ کنزالایمان ہوتا بالکل صحیح اور درست ہے۔ اس پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات کو بیان کرنے کا یہ اسلوب جدید بھی ہے اور نادر ونایاب بھی کہ اس میں دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف کنزالایمان ہی کے سلسلہ میں یہ اسلوب اپنایا بلکہ قرآن وحدیث میں بھی یہ اسلوب نظر آتا ہے اور نعتیہ شاعری میں بھی۔



(۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے......

لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (پ ۱۷، س: انبیاء ۲۲)

''اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے۔''

(۲) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں......

لو کان بعدی نبیا لکان عمر

''میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے''

(۳) استاذ زمن حضرت علامہ مولانا حسن رضا خاں بریلوی اپنی نعتیہ شاعری میں تحریر کرتے ہیں:

خدا کرنا ہوتا جو تحت مشیت
خدا بن کر آتا یہ بندہ خدا کا

استاذ زمن نے یہ شعر امام احمد رضا فاضل بریلوی کے سامنے پڑھا تو انھوں نے اس شعر کو پسند فرمایا اور خوشی کا اظہار کیا۔ بتایئے یہ طرز استدلال اگر غلط ہوتا یا اس سے کراہت کی بو آتی تو امام احمد رضا اور ارباب علم وادب اور دوسرے باذوق افراد اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیوں کرتے؟ اگر کنزالایمان کی مدح وستائش میں قیاس استثنائی پر مشتمل جملہ کہہ دیا گیا تو اس سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑی اور کیوں ارباب نکتہ داں چیں بجیں ہو گئے؟ اور مذکورہ جملہ پر منھ بسورنے لگے۔ کسی صاف شفاف اور علم وفن کی کسوٹی پر کھرا اترنے والے جملہ پر معترض ہونا کہاں کا انصاف ہے؟ اور یہ کیسی دانش وری ہے؟ اس اعتراض کو کیا کہا جائے، حق پسندی یا شہرت کی ہوس میں بڑا بول؟ حق تو یہ تھا کہ اس جملہ کی تحسین فرماتے، انھیں مبارک باد دیتے جن کے نوک قلم سے یہ معرکۃ الآرا جملہ نکل پڑا۔ خیر زمانہ کچھ کہے میں اس جملہ پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میری نگاہ میں اس سے بہتر اور جامع اسلوب کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

## کنزالایمان کی ضرورت:

اس مقام پر بنیادی طور پر یہ سوال ہوتا ہے کہ آخر کیا ضرورت تھی کہ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اردو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا، اگر اللہ تعالیٰ کے پیغامات اور قرآنی تعلیمات کو عام مومنین تک پہنچانا مقصد تھا تو یہ کام بہت پہلے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کر کے پورا کردیا تھا۔ جناب خلیق انجم لکھتے ہیں:

''اردو میں قرآن شریف کا پہلا ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین نے کیا یہ ترجمہ لفظی تھا

یعنی قرآن شریف کے ہر لفظ کا اس طرح ترجمہ کیا گیا کہ اردو فقروں کی ساخت ہی بدل گئی اس ترجمہ میں سلاست وروانی نہ ہونے کی وجہ سے اصل مفہوم سمجھنا مشکل تھا۔ شاہ رفیع الدین نے یہ ترجمہ ۱۷۷۶ء میں کیا تھا۔ تقریباً نو سال بعد یعنی ۱۷۸۵ء میں شاہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی عبد القادر نے بھی قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا یہ ترجمہ پہلے ترجمہ کے مقابلہ میں زیادہ سلیس، شگفتہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا تھا۔'' (فن ترجمہ نگاری، ص ۱۴)

یہ دونوں ترجمے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی پیدائش سے پہلے ہی شائع ہو چکے تھے اور ارباب علم اس کا مطالعہ کر رہے تھے۔ شاہ عبد القادر کے ترجمہ میں سلاست وروانی اور شگفتگی بھی پائی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ترجمے افادیت اور مقصدیت سے عاری نہ تھے بلکہ اس کا افادی پہلو روشن تھا اور مقصد بھی واضح تھا کہ جن لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا وہ یہی تو چاہتے تھے کہ قرآنی تعلیمات عام ہو جائیں اور لوگ ان قرآنی تعلیمات سے استفادہ بھی کر رہے تھے۔ اس پس منظر میں اس بات کی وضاحت اور بھی زیادہ اہم نظر آتی ہے کہ آخر کنز الایمان کی ضرورت کیا تھی؟ خود امام احمد رضا کے دور میں بھی قرآن مقدس کے کئی ایک ترجمے موجود تھے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں اور ترجمہ بھی ایسے ایسے افراد نے کیا تھا جو خود ماہر لسانیات اور اردو زبان وادب کے لیے سرمایۂ فخر وناز تھے۔ مثال کے طور پر ڈپٹی نذیر احمد ہی کو لے لیجیے کہ اردو ادب وتنقید میں ان کو کافی اہمیت حاصل تھی، ناول وافسانہ نگار تھے، زبان وادب کے تمام پہلوؤں پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ اردو محاوروں اور ضرب الامثال کا استعمال بھی کرتے تھے۔ گویا دوسرے لفظوں میں آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں...... نذیر احمد کو زبان وبیان پر مکمل عبور حاصل تھا، جدید اسالیب اور ایک ہی بات کو مختلف انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت بھی تھی۔ انھوں نے بھی قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کیا، ان کے ترجمہ میں سلاست، روانی، شگفتگی، اردو محاوروں اور خوب صورت جملوں کا استعمال پایا جاتا تھا۔ انھوں نے عام بول چال میں ترجمہ کر کے یہ کوشش کی کہ قرآنی تعلیم گھر گھر پہنچ جائے اور اہل وطن نے اس ترجمہ کو ہاتھوں ہاتھ بھی لیا کیوں کہ اس میں سلاست وروانی پائی جاتی تھی۔ روزمرہ کے الفاظ اور محاورے بھی استعمال کیے گئے تھے اس کے باوجود نذیر احمد نے ایسی غلطی کی جس کا انجام بھیانک ہوا، روزمرہ اور اردو محاوروں کے استعمال میں وہ اس طرح کھو گئے کہ انھیں اس بات کا اندازہ بھی نہ ہوا کہ ان محاوروں کا استعمال کس کے لیے کر رہے ہیں۔ خدا کے لیے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یا پھر ان برگزیدہ بندوں کے لیے جو پاک باز اور نیک طبیعت کے مالک تھے۔ میں اس کی ایک جھلک پیش کر رہا ہوں، آپ مطالعہ کریں اور اندازہ لگائیں کہ اس قسم کے جملوں کا استعمال کس حد تک درست ہے۔ خلیق انجم رقم طراز ہیں:



''قرآن کا ترجمہ مختلف مترجمین نے کیا، ان میں سب سے آسان اور روزمرہ کا ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد کا سمجھا جاتا ہے۔ موصوف شستہ اور بامحاورہ زبان لکھنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ امہات الامۃ لکھتے وقت بھی اسی صفت کو برت گئے اور برے پھنسے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راتوں رات مکہ سے باہر تشریف لے جانے کا تذکرہ یوں کیا: وہ راتوں رات سٹک گئے، یہ سٹک کا لفظ اگرچہ عوام کی بول چال میں استعمال ہوتا ہے، لیکن پیغمبر کی شان میں یہی لفظ ایک گستاخی سمجھا گیا اور اسی طرح کے الفاظ کی بنا پر ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمے کے خلاف عام جلوسوں میں تجویزیں پاس ہوئیں اور بہت شور ہوا۔'' (فن ترجمہ نگاری، ص ۸۹)

اس عبارت محولہ سے یہ ضابطہ نکل کر آیا کہ قرآن کا ترجمہ کرتے وقت مترجم صرف لفظوں کی خوب صورتی، جملوں کی شگفتگی، اسلوب کی رنگارنگی اور انداز نگارش کی قوس وقزح پر نظر نہ رکھے اور نہ ہی محاوروں اور روزمرہ کے الفاظ کے استعمال پر دھیان مرکوز کرے، بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ جملے اور محاورے کس کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں اور کیا یہ الفاظ ومحاورے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے مناسب ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو ایسے لفظوں اور محاوروں کو مسترد کر دینا چاہیے۔ اس ضابطہ کا فقدان نہ صرف ڈپٹی نذیر احمد کے یہاں پایا جاتا ہے بلکہ اردو زبان میں جس قدر بھی قرآنی تراجم موجود ہیں سب میں عام ہے ذیل میں چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) سر سید احمد خاں نے لکھا:

''اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے''

(۲) ڈپٹی نذیر احمد نے اس طرح لکھا:

''اللہ ان کو بناتا ہے''

(۳) فتح محمد جالندھری نے کیا گل کھلایا اسے بھی ملاحظہ کریں:

''ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے''

(۴) شیخ محمود حسن دیوبندی نے یوں ترجمہ کیا:

''اللہ جل شانہ ان سے دل لگی کرتا ہے''

ماہر لسانیات اور ارباب ذوق سے گزارش ہے...... ''ٹھٹھا کرتا ہے''، ''بناتا ہے''، ''ہنسی کرتا ہے'' اور ''دل لگی کرتا ہے'' جیسے جملوں پر غور کریں، میں مانتا ہوں کہ یہ ایسے الفاظ اور جملے ہیں جو روزمرہ میں بولے جاتے ہیں اور خاص وعام اپنے اپنے محاوروں میں استعمال کرتے ہیں، مگر ان محاوروں سے ذہن میں جو معانی ومفاہیم منعکس ہوتے ہیں، کیا وہ شان الٰہی کے لیے زیب دیتے ہیں؟ کیا کوئی بھی

مومن اور عشق کا مزاج رکھنے والا انسان اپنے اور سارے جہاں کے خالق و مالک کے لیے ان لفظوں کا استعمال کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ الفاظ بھی گستاخانہ کلمات ہیں جو قوتِ سماع پر گراں گزر رہے ہیں۔ اسی قسم کے بہت سے غیر محتاط اور غیر معتدل الفاظ و کلمات کے بطن سے یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ اب قرآن مقدس کا اردو ادب میں ایسا ترجمہ کیا جائے جو ایمان و یقین اور ادب و احترام، صدق و صفا اور خوش گوار ماحول کا آئینہ دار ہو۔ اب ایسے ترجموں کی قطعی کوئی حاجت نہیں جو ماحول، ذہنی فضا اور مزاج عشق میں تکدر پیدا کرے۔ اسی ضرورت و تقاضا نے کنزالایمان کو وجود بخشا اور اب وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے جو چیز کسی ضرورت کے تحت نمود پذیر ہوتی ہے، وہ اعلیٰ اور بے مثال ہوا کرتی ہے۔ اس میں ایسی خوبیاں ہوتی ہیں کہ ذوق جمال جن کے حسین لمس سے جھوم سا جاتا ہے، یقین مانیے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان میں یہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

## کنزالایمان کیسے وجود میں آیا:

اس سوال کی بھی ایک تاریخ اور پس منظر ہے چوں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کو علمی مصروفیات سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی، تصنیف و تالیف اور فتاویٰ نویسی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس لیے آپ کی توجہ اس طرف نہیں گئی مگر صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ نے اس ضرورت و افادیت کا احساس کیا اور اپنے دل میں مکمل عزم کر لیا کہ اس بارے میں امام احمد رضا سے وقت کا مطالبہ کیا جائے اور اس کام کے لیے انھیں آمادہ کر لیا جائے۔ صدرالشریعہ نے امام احمد رضا سے اس ضرورت کا تذکرہ کیا، انھوں نے بھی خندہ پیشانی سے اسے قبول کر لیا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت نے اس کے لیے دو وقتوں کا تعین فرمایا، دن میں قیلولہ کے وقت اور رات میں سونے سے قبل۔

اس بات سے ہر ایک فرد واقف ہے کہ ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں اور وہ بھی قرآن مقدس کا ترجمہ کرنا، کوئی بچوں کا کھیل نہیں، اس کے لیے جاں فشانی، زبردست محنت و عرق ریزی اور راتوں کو حلال کرنا پڑتا ہے اور پتہ ماری کی جاتی ہے تب کہیں جا کر ترجمہ کا عمل مکمل ہوتا ہے۔ ہر کس و ناکس قرآن مقدس کا ترجمہ کر لے ایسا نہیں ہو سکتا ہے ہاں اس کے لیے کچھ ذی علم اور باشعور افراد مخصوص ہوا کرتے ہیں۔ یہیں سے ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ ترجمہ کون کرے؟

## ترجمہ کون کرے؟

یہ سوال بہ ظاہر بہت ہی چھوٹا اور نہایت ہی سادا ہے مگر اس کا جواب تحقیق طلب اور خود میں گہرائی و گیرائی لیے ہوئے ہے۔ معنی خیز اور حیرت انگیز بھی ہے۔ میں اپنی ناقص معلومات سے چند باتیں عرض کر رہا ہوں شاید انھیں مخدوش عبارتوں میں اس کا جواب مل جائے۔

**اولاً:** قرآن مقدس کا ترجمہ وہ کرے جو قرآن فہمی اور منشاء الٰہی کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ قرآن فہمی



کے لیے چند بنیادی چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

قرآن کی زبان کا ذوق پیدا کرنا ایک ضروری امر ہے اور کسی بھی زبان کا ذوق برسوں کی مشق اور پتہ ماری سے پیدا ہوتا ہے۔ صرف تفسیروں کے پڑھنے اور لغت میں بتائے گئے الفاظ و معانی کے صرف مطالعہ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے اس زبان کا سارا کلاسیکی لٹریچر، اس کے اساتذہ کا کلام، اس کے قواعد و ضوابط، اصول و نظریات، اس کے علم نحو، علم صرف، علم معانی و بیان کا نہایت ہی ٹھوس اور گہرے مطالعہ کا ہونا ایک امر ناگزیر ہے۔ فصاحت و بلاغت، اس کی باریکیوں اور لطافتوں پر عبور کا ہونا بھی ضروری ہے چوں کہ قرآن مقدس جس وقت نازل ہو رہا تھا، وہ جاہلیت کا دور تھا۔ عربوں میں شاعری کا ذوق تھا اور اہل عرب اپنی زبان دانی پر ناز کر رہے تھے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات دل کو لگتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے ایام جاہلیت کے شاعروں خطیبوں کے کلام پر عبور ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ عربی زبان کے تلمیحات، تشبیہات اور استعارات پر بھی گہری نظر رکھنی چاہیے کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا کہ قرآن انھیں کی زبان میں نازل ہوا۔ زبان کے محاورے، ضرب الامثال بھی زبان کے ذوق کو پیدا کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ جب تک ان علوم و فنون پر درک تام حاصل نہیں ہوگا تو پھر زبان کا ذوق کیوں کر پیدا ہوگا۔ اس لیے قرآن فہمی کے بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، ادب عربی سے متعلق تمام علوم و فنون کو حاصل کرے اور ان علوم و فنون کے ذریعہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

**ثانیاً:** ترجمہ کرنے کی کوشش وہ کرے جس کے اندر یہ استعداد و صلاحیت ہو کہ وہ سیاق و سباق، اضافات و انسلاکات کے ذریعہ لفظوں کے معانی و مفاہیم کا تعین کر سکتا ہو۔ صرف لغتوں میں بتائے گئے لفظوں کے معانی پر اعتماد کلی نہ کرے کیوں کہ لفظوں کا پیکر نہایت ہی صاف و شفاف ہوا کرتا ہے جو ہر قسم کے سیاق و سباق سے شعاعوں کو قبول کرتا ہے اور پھر ان شعاعوں سے قاری و سامع کے دل و دماغ کو منور کرتا ہے۔ یہی فلسفۂ الفاظ ہے، جس شخص کے اندر سیاق و سباق سے معانی و نتائج کے اخذ کرنے کی صلاحیت، استعداد و قابلیت ہی نہیں وہ اس وادی میں قدم نہ رکھے تو بہتر ہے۔ اکثر مترجمین کے اندر اس صلاحیت کا فقدان تھا اس لیے ان کے قلموں نے لغزش کھائی اور علم و شعور، فن و ادراک کی کشتی بیچ بھنور میں آ کر ڈوب گئی جس کی وجہ سے اہل علم و ادب کے مابین اس کے ترجمہ کے خلاف ماحول بنا، کرب و اضطراب پیدا ہوا اور سماج و معاشرہ کے مسائل میں زبردست الجھنیں پیدا ہوئیں۔ کاش اگر مترجمین معنیاتی فلسفۂ شعور کو پیش نظر رکھتے تو یہ بے چینی پیدا نہ ہوتی مگر نامعلوم ان مترجمین نے کس زعم میں سیاق و سباق کا لحاظ نہ کیا اور قوم مسلم کو بے چین و مضطرب کر دیا۔ العیاذ باللہ۔

**ثالثاً:** ترجمہ وہ کرے جس کے اندر خلوص و للہیت، صدق نیت، طلب ہدایت اور قرآن کریم سے

اکتساب نور کا حوصلہ ہو کیوں کہ یہی وہ قرآن مجید ہے جس سے ہزاروں افراد ہدایت پا گئے اور ہزاروں کفر وضلالت کے دَل دَل میں پھنس کر رہ گئے اور موت وحیات کے کش مکش سے دوچار ہو گئے۔ صرف علوم عربیہ پر عبور ہی ترجمہ کرنے کے لیے ضروری نہیں بلکہ تائید ربانی بھی اس کے لیے ضروری امر ہے کہ الفاظ وہی ہوتے ہیں اور معانی ومفاہیم بھی وہی، دونوں کے مابین اٹوٹ رشتے بھی وہی، اس کے باوجود الفاظ قرآن سے صحیح معنی ومفہوم کا اخذ واستنباط خداے برتر وبالا کی تائید وتوفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مترجمین کے لیے ایسی صلاحیت واستعداد کا ہونا ضروری ہے جس سے تائید ربانی کا نزول ہو سکے۔ جن مترجمین میں ان صلاحیتوں کا فقدان تھا ترجمہ کرتے وقت ان کے دامن کا ایک ایک تار بکھر کر رہ گیا اور خود ان کی شخصیتیں بھی مجروح ہو گئیں۔

اب تک جو باتیں تحریر کی گئیں، وہ قرآن فہمی اور اس کے مسائل سے متعلق تھیں، لیکن مترجمین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا جا رہا ہے، اس کے اصول ومسائل الگ نوعیت کے حامل ہیں، جن سے آشنائی مترجمین کے لیے ضروری امر ہے۔ اسے سمجھے بغیر ترجمہ کا عمل پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ اصول ومسائل دو مرحلوں میں بیان کیے جا رہے ہیں۔

**مرحلۂ اولیٰ:** ترسیل ہے۔ ترسیل کا مطلب قلبی واردات، ذہنی کیفیات اور مافی الضمیر کو لفظوں کے روپ میں پیش کرنا ہے۔ اس کے لیے ذخیرۂ الفاظ کا وسیع تر ہونا ضروری ہے۔ ذخیرہ میں جس قدر وسعت ہوگی مترجمین کے لیے ترجمہ کا عمل اتنا ہی آسان اور سہل ہوگا کہ لفظوں کی کمی مفہوم کی ادائیگی میں زبردست خلل ڈالتی ہے۔ اصول وقواعد، نحو وصرف، استعارات وتلمیحات، تشبیہات وکنایات اور اسلوبیات سے واقفیت بھی ہونی چاہیے۔ روزمرہ کے الفاظ وبیان اور اردو کے اساتذۂ سخن کے کلام پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ اردو عسکری زبان ہے اس میں عربی وفارسی زبانوں کے الفاظ اور علاقائی بولیوں کے محاورے بھی پائے جاتے ہیں لہٰذا ایک مترجم کو اردو کے ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے کہ انھیں معلومات کے سبب ذخیرۂ الفاظ میں وسعت آتی ہے اور انسان ترسیلی امور کے انجام دہی میں کام یاب ہوتا ہے۔ ترسیل کے وقت مترجم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اصل متن کے الفاظ وعبارات کا صحیح صحیح ترجمہ کرے اور اس کے لیے لفظوں کے انتخاب میں اپنی پوری صلاحیت صرف کر دے اور یہ ضرور دیکھے کہ کس لفظ میں ترسیل کی قوت ہے؟ اور کس میں نہیں ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ لفظوں کا عمل حرکی نظام پر قائم ہے۔ جس لفظ میں یہ حرکت تیز تر ہوگی اسی قدر وہ دل اور دماغ سے اپیل کرے گا اور جہاں یہ حرکت نہیں ہوتی، وہ جمود وتعطل کا شکار ہو کر انتقال معانی میں مخل ہو جاتا ہے اور پھر ترجمہ کا عمل مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ تو بتایئے کہ اس قسم کے الفاظ ترجمہ کے عمل میں کیوں کر شامل کیے جا سکتے ہیں؟

**مرحلۂ ثانیہ:** ابلاغ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لفظوں کے ذریعہ جن معانی کو قاری وسامع کے دل و



دماغ تک پہنچانا ہے وہ پہنچے ہیں یا نہیں، اس بات کا پتا لگانا اور اس کی جانچ کرنا بھی مترجم کی ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مترجم مناسب الفاظ اور موقع ومحل کے اعتبار سے جملوں کا انتخاب کرے، کہیں استعارہ سے کام لے اور کہیں تشبیہ سے کام لے اور مناسب لب ولہجہ کو بروئے کار لائے۔ انداز بیاں بھی ایسا اختیار کرے جو آسان اور سہل ہو تا کہ ابلاغ میں خلل واقع نہ ہو۔ ابلاغ میں کام یابی ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس میں کچھ کوشش ہوتی ہے اور کچھ عطیۂ ربانی، برسوں ریاضت ومہارت کرنی پڑتی ہے تب کہیں ابلاغ میں کام یابی ملتی ہے یا پھر اس قدر ملکہ وقدرت ہو کہ انسان میں ابلاغ کی ساری توانائی حاصل ہو جائے۔

**مرحلۂ ثالثہ:** اس بات کا متقاضی ہے کہ ترجمہ میں جو الفاظ وجملے لائے جائیں، اسے ادب واحترام اور جذبۂ عشق سے سرشار ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذوات قدسیہ کے لیے مناسب بھی۔ ایسے الفاظ کا استعمال قطعی طور پر ممنوع قرار دیے جائیں جن سے بے ادبی اور گستاخی کا شائبہ ہو مگر بعض مترجمین نے اپنے ترجموں میں صرف محاوروں اور روزمرہ کے زبان کے استعمال پر زور دیا، انھوں نے اس بات پر دھیان نہیں دیا کہ ان محاوروں کا استعمال کہاں درست ہے اور کہاں درست نہیں؟

ان تمام گفتگو کو دھیان میں رکھ کر غور کریں کہ صرف امام احمد رضا بریلوی کی ہی ایسی ذات تھی جو صحیح معنی میں ترجمہ کے عمل کو انجام دے سکتی تھی۔ ان کی شخصیت میں ترجمہ کرنے کے تمام تر اصول و مسائل اور بنیادی ضرورتیں پائی جاتی تھیں، جہاں تک عربی زبان دانی اور قرآن فہمی کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں انھیں پوری مہارت اور مکمل عبور حاصل تھا۔ عربی زبان وادب تو ان کے گھر کی معلوم ہوتی تھی۔ آپ برملا عربی زبان میں گفتگو کر سکتے تھے اور لکھ سکتے تھے، فصیح بلیغ عربی بولنا یا لکھنا ان کی خصوصیت اور انفرادی شان تھی۔ ان کی تصانیف کا مطالعہ کر لیجیے آپ کو ان کی عربی دانی کا اندازا ہو جائے گا۔ عربی میں شاعری کرنا ان کی طبع میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ عربی زبان وادب میں ان کی مہارت کاملہ اور درک تام کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عربی خود ان کی اپنی مادری زبان معلوم ہوتی تھی۔ اس میں زور شور کے ساتھ بلاغت وفصاحت، علم معانی وبیان کے تقاضوں کی سرگرمی اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ عربی زبان کی طرف ان کا میلان ورجحان طبعی تھا، یہی وجہ ہے کہ تمام علمی نکات، فن کی باریکیاں اور دقائق لطیفہ اولاً ان کے ذہن وشعور پر منکشف ہوتے تھے، پھر بعد میں آپ انھیں اردو زبان یا فارسی زبان میں منتقل فرماتے تھے۔ اس موقع پر مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی درج ذیل عبارت پیش کر دینا مناسب وضروری سمجھتا ہوں، آپ رقم طراز ہیں:

''ان الابحاث العلمیہ تتجلی فی ذھنہ الثاقب اولاً بالعربیہ ثم یحولھا الی اللغۃ الاخرویہ. یعنی اولاً مباحث علمیہ ان کے روشن ذہن پر روشن

ہوتے ہیں پھر ثانیاً انھیں دوسری زبانوں میں پیش کرتے ہیں۔" (تقدیم۔قصیدتان رائعتان)

اس سے آپ اندازا لگا سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کو عربی ادب میں کس قدر مہارت تھی، مگر یہ بھی خیال رہے کہ یہ مہارت زبان کی صرف ایک یا چند جہات تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے تمام جہتوں پر محیط تھی، خواہ اس کا تعلق زبان کے نحو وصرف سے ہو یا فصاحت و بلاغت سے، معانی و بیان سے ہو یا صنائع لفظی سے، لسانیات سے متعلق ابحاث ہوں یا لفظیات سے، ہر پہلوئے زبان پر انھیں پورا اور مکمل عبور حاصل تھا جس کی وجہ سے ان کی ذات وشخصیت میں عربی ادب کا ذوق پایا جاتا تھا اور قرآن فہمی میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی۔ نہ آپ کی ولادت سے سو سال قبل اور نہ ہی اب تک کوئی ایسا پیدا ہوا جو قرآن فہمی میں ان کا ثانی ہونے کا دعویٰ کرے۔ اس اعتبار سے صرف اور صرف انھیں کو قرآن مقدس کا اردو ترجمہ کرنے کا حق حاصل تھا۔

جہاں تک اردو میں ترسیل وابلاغ کا سوال ہے، اس میں بھی آپ کو پوری قدرت حاصل تھی۔ لفظوں کا ایسا وسیع ذخیرہ آپ کی معلومات میں سمویا ہوا تھا کہ کسی معنی ومفہوم کو ادا کرنے کے لیے آپ کو لفظوں کا انتظار نہ کرنا پڑا بلکہ خود الفاظ تراکیب اور بندشیں آپ کی توجہ والتفات کی محتاج تھیں کہ کب لب کشا ہوں اور لفظوں کے پھول برسنے لگے، یہ صرف امام موصوف کی خدمت میں قصیدہ خوانی نہیں بلکہ اصل حقیقت کی ترجمانی ہے۔ ۱۱ر سو کتابوں، رسالوں پر مشتمل سرمایہ علم وفن کیا اس بات پر واضح ثبوت نہیں کہ اعلیٰ حضرت کی اردو دانی کا نہ کل جواب تھا اور نہ ہی آج ان کا کوئی جواب ہے۔ نظم ونثر دونوں میدانوں میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ حدائق بخشش اور ترجمۂ قرآن کنزالایمان کا مطالعہ کریجیے امام احمد رضا کی نظم نگاری اور نثر نگاری کا آپ کو بہ خوبی اندازا ہو جائے گا۔ لفظوں کا انتخاب، جملوں کی ساخت اور محاوروں کا برمحل استعمال ان کی نثر نگاری کا بین ثبوت ہے۔ ان کی زبان کی خوب صورتی کا یہ عالم تھا کہ ان کی زبان کوثر وتسنیم میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو ہم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ قرآن کریم کا اردو میں ترجمہ کرنے کا صرف انھیں کا حق تھا۔ طبع آزمائی کوئی بھی کرے اس پر پابندی عائد نہیں کی جا سکتی ہے مگر اس میدان میں کھرا وہی اترتا ہے جو اس میں اترنے کا مستحق ہوا کرتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کی شخصیت میں یہ نمایاں خصوصیت پائی جاتی ہے کہ انھوں نے ترجمۂ قرآن میں جو لفظ اور جو جملہ استعمال کیا، ادب واحترام کے ساتھ کیا۔ ان کے الفاظ میں نہ تو کرخت آوازیں شامل ہیں اور نہ ہی مکروہ اصوات کا شائبہ ہی گزرتا ہے، کیوں کہ انھوں نے ترجمہ کا کام نہ تو نام و نمود کے لیے اور نہ ہی شہرت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر بلکہ انھوں نے خدا کے پیغامات اور قرآنی تعلیمات کے خوب صورت پیرائے میں لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی اور عشق وایمان کا پہرا بٹھا کر یہ کام انجام دیا۔ اسی لیے ان کے ترجمہ سے نہ تو شان الٰہی پر کوئی فرق پڑا اور نہ ہی شان رسول صلی اللہ علیہ



وسلم میں کسی قسم کی سوے ادبی ہوئی، حالاں کہ دوسرے مترجمین کا دامن اس قسم کے منفی جذبات سے عاری نہیں۔ ان مترجمین میں صرف امام احمد رضا بریلوی ہی ایسے مترجم ہیں جن کا قلم وتحریر ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ اسی لیے میرا دعویٰ ہے کہ صرف امام احمد رضا ہی قرآن کا صحیح اور اچھا ترجمہ کر سکتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے صرف انھیں کا اس کے لیے انتخاب فرمایا تھا۔

**یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے:**

قرآن مقدس کا اردو میں ترجمہ کرنا کس قدر دشوار اور مشکل کام ہے اس بات کا اندازا خود بھی آپ کو ہو گیا ہوگا۔ مگر اس مشکل ترین کام کو انجام دینے کے لیے، امام احمد رضا نے جو وقت قیلولہ اور سونے سے قبل کا وقت نکالا۔ اس پر زبردست حیرت ہو رہی ہے اور میں نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ آخر ایسا کیوں کیا گیا۔ جہاں اس کے لیے احادیث اور تفسیروں، لغتوں کا مطالعہ ضروری ہے مگر امام موصوف نے اس مطالعہ کی پرواہ کیے بغیر حضرت علامہ صدرالشریعہ کو ترجمہ لکھانا شروع کر دیا۔ شعور ودانش کی ساری سرحدیں یہیں پر ختم ہو جاتی ہیں کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں، مگر ایسا ہی ہوا ہے اس لیے اسے جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا ہے۔ اس مقام پر میں صرف دو باتیں پیش کر رہا ہوں جن کے مطالعہ سے حیرت واستعجاب کا یہ طلسم ٹوٹ سکتا ہے۔

**اول:** یہ کہ اعلیٰ حضرت کے ذہن وفکر اور شعور وادراک میں وہ تمام علوم وفنون جو معدات کی حیثیت رکھتے ہیں جمع تھے اور من کل الوجوہ مستحضر بھی اور جب ذہن وفکر میں کلی استحضار ہوتا ہے تو اس شے کے وجود میں کیا دیر لگتی ہے جس کے لیے یہ استحضار ذہنی ہوتا ہے بالکل بعینہٖ یہ صورت ترجمۂ قرآن کی تھی اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس مختصری مدت میں اتنا اہم اور مشکل کام کو انجام دے دیا اور طبع نازک پر ذرا بھی گرانی محسوس نہیں کی، یہ ترجمہ قطرہ قطرہ مل کر ایک سمندر کی شکل میں نمودار ہوا جس کا نام ''کنزالایمان'' رکھا گیا۔

**دوم:** اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ان دیکھی قوت تھی جو امام احمد رضا سے یہ ترجمہ کرا رہی تھی۔ یہ فضل ربی ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور بے حساب دیتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو کنزالایمان کرشمۂ قدرت ہے، عطیۂ ربانی ہے اور کیوں نہ ہو کہ خود امام احمد رضا کی ذات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے تو پھر کنزالایمان پر اس کے انطباق میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو سمجھ میں آنے والی ہیں اور حیرت واستعجاب کی کیفیت کا ازالہ کرنے والی ہیں۔

**کنزالایمان اور اس کا افادی پہلو:**

''کنزالایمان'' واقعی کنزالایمان ہے جو ذہن وفکر میں عشق وایمان کی تازگی لاتا ہے اور دلوں میں لطافت ونزاکت اور روحوں میں بالیدگی لاتا ہے، اسے پڑھیے قرآنی ہدایات کے جلوے آپ محسوس

کریں گے اور تاریک قلب وجگر میں انوار وتجلیات بکھر جائیں گے۔ سلاست وروانی، سادگی، لفظوں کی شگفتگی اور پرکشش جملوں کا تنوع، محاوروں کے برمحل استعمال سے جو رنگا رنگی فضا تیار ہوتی ہے۔ کنزالایمان میں یہی فضا اور خوش گوار ماحول دیکھنے کو ملتا ہے۔ شروع سے آخر تک کنزالایمان میں کچھ اسی قسم کی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ ارباب ذوق جس کا اندازا لگا سکتے ہیں۔

حضرت علامہ بدرالدین علیہ الرحمہ کنزالایمان کی انفرادی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے جو تحریر کرتے ہیں ان کا ذکر اس مقام پر مناسب تصور کرتے ہیں، موصوف لکھتے ہیں:

(۱) دور حاضر میں اردو کے شائع شدہ ترجموں میں صرف ایک ترجمہ کنزالایمان ہے جو قرآن کا صحیح ترجمان ہے۔

(۲) جو تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے۔

(۳) جو اہل تفویض کے مسلک کا عکاس ہے۔

(۴) اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا مؤید ہے۔

(۵) زبان کی روانی اور سلاست میں بے مثل ہے۔

(۶) عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے۔

(۷) قرآن کریم کے اصل منشا ومراد کو بتاتا ہے۔

(۸) آیات ربانی کے انداز خطاب کو بتاتا ہے۔

(۹) قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشان دہی کرتا ہے۔

(۱۰) قادر مطلق کی ردائے عزت وجلال میں نقص وعیب کا دھبا لگانے والوں کے لیے شمشیر براں ہے۔

(۱۱) حضرات انبیا کی عظمت وحرمت کا محافظ ونگہ بان ہے۔

(۱۲) علما ومشائخ کے لیے حقائق وصداقت کا امنڈتا ہوا سمندر ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۳۶۶)

یہ کل دوازدہ خصوصیات ہیں جو کنزالایمان میں پائی جاتی ہیں۔ یہ کل خصوصیات نہیں بلکہ ان میں تو ان گنت اور بے پناہ انفرادی امتیازات ہیں، اس کی ہر ایک خصوصیت پر سیر حاصل بحث کی جاسکتی ہے کہ عملی اور نظری دونوں اعتبار سے اس پر گفتگو کرنے کی گنجائش ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان امتیازات کا انکشاف ہر ایک پر نہیں ہوتا، جن کا جس قدر دامن علم وفکر وسیع ہوتا ہے اتنا ہی وہ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اگر کوئی عام قاری ہے جو ان خصوصیات کا اندازا نہیں لگا سکتا ہے تو میں ان کے تعلق سے کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم انھیں کنزالایمان کے مطالعہ سے ہدایت وارشاد اور عشق وایمان کی طراوت ضرور محسوس ہوگی اور پھر وہ بھی اس بات کے اعتراف میں لیت ولعل سے کام نہ لیں گے کہ کنزالایمان واقعی طور پر ایمان کا خزانہ اور علم وعرفان کا چشمۂ سیال ہے جو ۱۳۳۰ھ میں منصۂ شہود پر آیا، جو اس وقت سے



اب تک شائع ہوتا رہا ہے اور ان گنت ہاتھوں میں پہنچ کر قبولیت کی منزل کو چھوتا ہوا دکھائی پڑ رہا ہے۔ جس طرف دیکھیے کنزالایمان کی دھوم ہے۔ جس قدر مضامین، مقالے اس کے تعلق سے شائع ہو چکے ہیں شاید ہی کسی اردو ترجمہ کے لیے لکھے گئے ہوں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی جائے اور کنزالایمان میں پائے جانے والے تمام تفردات کا علیٰ وجہ الکمال ذکر کیا جائے۔

چلتے چلتے مضمون کے اختتام پر کچھ باتیں اور بھی عرض کیے دیتا ہوں جن سے مضمون میں خوب صورتی اور کشش آ سکتی ہے۔ بات کنزالایمان کی تھی اور اب بھی ہے کہ اہل علم وادب اور صاحب بصیرت نے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کو ہاتھوں ہاتھ لیا، آنکھوں سے لگایا اور اسے دلوں میں جگہ دی کیوں کہ اس میں کچھ خوبیاں ہی ایسی ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی قلب ودماغ کا جھکاؤ اسی کی طرف دکھائی پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو الفاظ، جملے اور عبارتیں لائی گئی ہیں ان میں عشق ومحبت، صدق وصفا اور قلبی کیفیات سموئی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں فکر ونظر، شعور وادراک کے عکوس وآثار بھی ہیں جو لفظ جس موقع پر استعمال ہوا ہے اس میں سب سے بڑا ہاتھ صرف اور صرف طبعی تناسب کا ہے کہ اس طبعی مناسبت سے نہ تو اس لفظ کو جدا کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی لفظ کا اضافہ۔ وہ نگینہ کی مانند ہے کہ جب تک وہ لفظ اس مقام پر ہے اس کی خوب صورتی میں کوئی کمی نہیں، اس کو الگ کرتے ہی یا اس میں تسہیل کے طور پر کوئی اضافہ بھی طبعی مناسبت میں نقص پیدا کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ میں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کے ترجمہ کو ہی لے لیجیے کہ اوروں نے اس کا ترجمہ کیا...... ''ہمیں سیدھی راہ دکھا'' مگر میرے اعلیٰ حضرت نے ترجمہ فرمایا...... ''ہمیں سیدھا راستہ چلا'' فرض کر لیجیے کہ ''چلا'' کو ترجمہ کی صف سے ہٹا لیا جائے تو بتایئے اس کی جگہ کون سا لفظ لایا جا سکتا ہے؟ ''دکھا'' تو لا نہیں سکتے کیوں کہ یہ تبدیلی خود امام احمد رضا نے کر دی۔ اس کے لیے کوئی ایسا لفظ لایئے جو چلا کے مقام رفیع پر فٹ ہو جائے۔ ذخیرۂ الفاظ کو کھنگال لیجیے، لفظوں کی ورق گردانی کر لیجیے۔ علاقائی بولیوں کو بھی ٹٹول لیجیے۔ میں پورے طور پر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس مقام پر لفظ ''چلا'' سے زیادہ موزوں کوئی اور لفظ نہیں ہو سکتا۔ کنزالایمان کی اسی خصوصیت کے سبب یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا نے جو لکھ دیا وہی مناسب اور انسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس میں کسی رد وبدل کے قائل نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی جواز و امکان ہے۔ اسی لیے کنزالایمان اردو ادب کا ایک عظیم شاہ کار ہے کہ اردو نثر میں اس سے بڑا اور کوئی شاہ کار اب تک دیکھنے کو نہیں ملا۔ میری اس تحریر کو مبالغہ آرائی اور بے جا مدح وستائش پر محمول نہ کیا جائے کہ یہ حقیقت ہے۔ اس میں کذب ودروغ یا لاف وگزاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ کنزالایمان سلامت رہے۔ اس کی لطافتوں رعنائیوں کو سلام اور اس کی خوب صورت ترتیب وتدوین کو ہزاروں سلام۔ یہ وہ خورشید تاباں ہے کہ ہزار پابندیوں کے باوجود ان کی تابانیاں مدھم نہیں ہو سکتی۔

# عظمتِ کنزالایمان

مولانا محمد منشا تابش قصوری مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (پ۳۰/البروج)

"بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے لوح محفوظ میں"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمودہ کتب وصحائف میں قرآن مجید ہی وہ واحد بابرکت اور عظیم ترین کتاب ہے جو اول سے آخر تک جیسے سید عالم نبی مکرم، نور مجسم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ویسے ہی ہر قسم کے تغیر وتبدل سے بالکل محفوظ ومامون ہے۔

جب کہ دیگر آسمانی کتابیں زبور، تورات، انجیل اور صحائف اپنی اصلی اور صحیح حالت میں کہیں بھی موجود نہیں۔ محفوظ ہونا تو بڑی بات دنیا بھر کی کسی بھی یونی ورسٹی، دارالمطالعہ، لائبریری یا عجائب گھر میں کوئی بھی نہیں پائی جاتی اور جو کتاب مقدس (نیا عہد نامہ، پرانا عہد نامہ) سے متعارف ہے اس کے نام سے ہی واضح ہے کہ یہ خدائی نام نہیں، یہ مصنوعی اور ایجاد بندہ ہے۔

قرآن مجید از خود اپنی شان وشوکت اور رفعت ومنزلت پر ایسے ناقابل تردید دلائل پیش کرتا ہے جسے عقل کے پجاری کو بھی تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

قرآن مجید سید عالم، نبی مکرم خاتم الانبیا والمرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کا ایسا زندہ معجزہ ہے جو قیامت تک تازہ رہے گا اور اپنے فیوض وبرکات سے نوازتا رہے گا۔ قرآن کریم ہی وہ منفرد اور ممتاز کتاب ہے جو چھوٹے، بڑے، بوڑھے، بچے، مرد، عورت، غلام، آزاد، فقیر، امیر، بادشاہ اور وزیر تک کو حفظ ہوئی، اس خدائی کلام کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں پائی جاتی جس کا پوری دنیا میں ایک بھی حافظ ہو۔ یہ بات از خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی صحیح، درست خدائی کتاب ہوتی تو ممکن تھا کہ اسے بھی کوئی خوش نصیب یاد کر لیتا۔ مگر سوائے قرآن مجید کے کوئی آسمانی کتاب اب کہیں بھی نہیں پائی جاتی تو اسے کوئی یاد کرے تو کیسے؟

اس کے برعکس آج بھی پوری دنیا کے تمام مسلم اور غیر مسلم ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں حفاظ کرام موجود ہیں جن کے سینے قرآن مجید کے خزینے بن چکے ہیں۔

عیسائی، یہودی اور دیگر کفار ومشرکین جو اپنے نظریے اور عقیدے کے مطابق جنھیں مذہبی کتابیں سمجھتے ہیں، انھیں پڑھتے اور پڑھاتے بھی ہیں باوجود اس کے ان کا کوئی حافظ نہیں ملتا یہ بات بھی



قرآن مجید کی عظمت پر شاہد وعادل ہے۔ نادر اور عجائبات میں یہ چیز بھی بڑی معنی خیز اور حیران کن ہے کہ کئی ایسے بھی قرآن کریم کے حافظ پائے گئے ہیں جو اس پر ایمان وایقان بھی نہیں رکھتے مگر جب اس کی تلاوت میں متوجہ ہوئے تو ان کے سینوں میں بھی اس مقدس وپاکیزہ کلام نے گھر کر لیا۔

الغرض قرآن مجید کی زیارت، سماعت اور تلاوت کار ثواب، اس پر عمل دین ودنیا اور آخرت کی کامیابی وکامرانی اور سرفرازی کا وسیلہ وذریعہ ہے۔ ہر مسلمان کے ایمان کی تقویت کا باعث ہے مگر اس کے معانی ومطالب ترجمہ وتفسیر کے بغیر استفادہ استفاضہ نہایت مشکل ہے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اپنے اپنے دور میں اہل علم وقلم نے ہر زبان میں تراجم وتفاسیر سے مطالب ومقاصد کو واضح کرنے کی مساعی جمیلہ فرمائیں۔

## کنزالایمان مع خزائن العرفان:

برصغیر پاک وہند میں بھی قرآن کریم کے بیسیوں ترجمے اور تفاسیر اردو زبان میں لکھی گئیں اور لکھی جاتی رہیں گی مگر اس وقت جو ترجمہ اور تفسیر پیش نظر ہے۔ یہ اپنی بے شمار خوبیوں کے باعث آسمان شہرت پر آفتاب ومہتاب کی طرح چمک رہا ہے۔ کلام الٰہی کی ترجمانی محض کسی کے جلیل القدر عالم وفاضل اور عربی داں ہونے کی مرہون منت نہیں بلکہ یہ سعادت اسے ہی حاصل ہو سکتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور رحمت، نیز نبی اکرم، رسول اعظم، حضور پر نور جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ہو۔ وہی خوش بخت انسان، ایمان افروز، روح پرور، ادب واحترام پر مشتمل ترجمہ کر سکتا ہے اور جنھوں نے صرف عربی دانی کے زعم پر ترجمہ کی کوشش کی وہ ادب واحترام کے تقاضے پورے نہ کر سکے۔

اس سلسلہ میں مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا شہرۂ آفاق ترجمہ جو کنزالایمان کے تاریخی نام سے موسوم ہے۔ یہ جملہ آداب شان الوہیت اور عشق ومحبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دال ہے اس عدیم المثال ترجمہ کو پاک وہند میں ان گنت ادارے اعلیٰ سے اعلیٰ اقسام پر شائع کر رہے ہیں۔ ایک سروے رپورٹ کے مطابق "کنزالایمان مع تفسیر خزائن العرفان" دیگر تمام تراجم کے مقابل ۷۰ رفی صد زیادہ شائع ہو رہا ہے جب کہ دوسرے جملہ ترجمے اجتماعی طور پر ۳۰ رفی صد تک چھپ رہے ہیں۔ یہ خبر کنزالایمان کی بے حد مقبولیت ومحبوبیت پر دلالت کرتی ہے۔

## امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ:

مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات قطعاً محتاج تعارف نہیں۔ اس وقت برصغیر پاک وہند کے جملہ مشائخ عظام، علمائے کرام میں سب سے زیادہ شہرت کے مالک ہیں۔ ان کی یہ تمام تر محبوبیت ومقبولیت عاشق رسول انام علیہ التحیۃ والسلام کے ناطے سے ہے

اس لیے کہ انھوں نے اپنے علوم وفنون سے عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اور مسلک حق اہل سنت و جماعت کی اس شان سے تحریری، تقریری تبلیغ فرمائی کہ انھیں علمائے عرب و عجم نے بالاتفاق مجدد دین وملت کے بلند تر منصب سے نوازا۔ آپ نے پچاس سے زائد علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں صرف فتاویٰ رضویہ ۳۵ر جلدیں (جدید) ترجمہ وتخریج سے چھپ کر عالم اسلام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

اس دور میں سب سے زیادہ کتابیں جس عظیم شخصیت پر لکھی گئیں اور لکھی جارہی ہیں وہ آپ ہی کی ذات والا برکات ہے۔ دنیا کے متعدد ممالک کی یونی ورسٹیوں سے جدید علوم کے فضلا صاحبان علم وقلم نے آپ کے مختلف علوم وفنون پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اور یہ سلسلہ بدستور بڑی تیزی سے جاری ہے۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی ۱۸۵۶ء/۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸ر جون ۱۹۲۱ء/ ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو جمعۃ المبارک کی اذان سنتے ہی کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے واصل بہ حق ہوئے، بریلی شریف (بھارت) میں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ کے سالانہ عرس مبارک پر لاکھوں عقیدت مند حاضر ہوتے ہیں۔

نکل کے صحن گلستان سے دور دور گئی
یہ بوئے گل بھی کہیں قید رہنے والی ہے

**صدر الافاضل علیہ الرحمہ:**

حضرت صدر الافاضل، فخر الاماثل، مولانا علامہ مفتی سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ وہ بلند مرتبت شخصیت ہے، جنھوں نے تحریک پاکستان کو کامیابی وکامرانی سے ہم کنار کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ بنارس سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء کا انعقاد آپ کا وہ تاریخی کارنامہ ہے۔ جس میں برصغیر پاک و ہند کے پانچ ہزار سے زائد علمائے اہل سنت اور مشائخ عظام نے شرکت فرمائی۔ آج بھی آپ کے ارشد تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ دینی، مذہبی، مسلکی، ملکی، رفاہی، سیاسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ پاک و ہند میں اَن گنت سنی مدارس آپ کے علمی فیضان کی یادگار ہیں۔

آپ نے اپنے علم وعمل اور پر نور قلم سے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں اطیب البیان اور الکلمۃ العلیہ بڑی مقبول ہیں۔ خصوصاً امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے ترجمہ کنزالایمان پر ایمان افروز، روح پرور اور ہزار ہا خوبیوں سے مرصع تفسیر بہ نام خزائن العرفان لکھ کر ایسا شاہ کار کارنامہ سرانجام دیا جس سے دنیا ہمیشہ مستفید و مستفیض ہوتی رہے گی۔ میرا ایمان گواہی دیتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شہرت و مقبولیت کا باعث یہ پر نور تفسیر بھی ہے جو کنزالایمان کے حواشی کی صورت میں ترجمہ کے حسن و



جمال میں اضافہ کر رہی ہے۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے ایسے ایسے قابل ترین تلامذہ پیدا فرمائے جو اپنی علمی و قلمی خدمات کے باعث بے حد مقبول ہوئے۔

جن میں حضرت حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ، صاحب تفسیر نعیمی اور نور العرفان، مفتی اعظم پاکستان حضرت استاذ الاساتذہ حضرت مولانا الحاج مفتی ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی قادری اشرفی صاحب فتاویٰ نوریہ و بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (اوکاڑہ)، استاذ المحدثین حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی، بانی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو (لاہور)، تاج العلما حضرت علامہ مفتی محمد عمر صاحب نعیمی، بانی دار العلوم (کراچی)، یہ چند اسمائے گرامی تبرکاً درج کیے ہیں اگر تفصیلاً لکھے جائیں تو ایک نئی کتاب مرتب ہو جائے۔

صاحب تفسیر خزائن العرفان مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۸ء کو مرادآباد (بھارت) میں وصال فرمایا وہیں آپ کا مزار پر انوار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

☆☆☆

## فقیہ اور صوفی

"صوفی کو فقیہ کی ضرورت ہے، فقیہ صوفی کا محتاج نہیں یہی سیدنا غوث اعظم نے فرمایا اگر چہ صوفی کا مرتبہ فقیہ سے بلند ہو اور بعض صوفیا فقیہ اسے کہتے ہیں کہ عارف یعنی صوفی بھی ہو۔ تو وہ فقیہ جو صوفی بھی ہو اس کا مرتبہ صوفی محض سے بلند ہے۔"

**حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ**

(سراج العوارف، ترجمہ حضرت سید امین میاں برکاتی، مشمولہ اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۵۷)

## اعتراف

ہالینڈ کے مستشرق پروفیسر جے۔ ایم۔ ایس بلیان نے جب امام احمد رضا کی نگارشات کا مطالعہ کیا تو حیران ہو کر کہہ اٹھے:

"امام احمد رضا یقیناً ایک عظیم فاضل تھے، ان کی وسعت مطالعہ اور قوت استدلال نہایت ہی اثر انگیز ہے۔ مغربی دنیا میں ان کا تعارف اور ان کی پذیرائی ہونی چاہیے۔"

**پروفیسر جے۔ ایم۔ ایس بلیان**

(مکتوبات مسعودی، طبع کراچی، ص ۳۵۶)

# کنز الایمان اور دیو بندی تراجم کا موازنہ

مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ

کسی بھی زبان کے مفہوم و معانی کو دوسری زبان میں منتقل کرنا جتنا مشکل کام ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں خصوصاً قرآن مجید کا ترجمہ تو اس لحاظ سے اور بھی زیادہ مشکل ہے کہ ایمان و اسلام کی تفصیلات اور شریعت کے احکام کا وہ اصل ماخذ بھی ہے اس لیے ترجمہ میں ذرا بھی لغزش ہوئی تو نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کا مدعا فوت ہو کر رہ جائے گا بلکہ بسا اوقات اسلام کے بجائے کفر ہوگا۔ اس لیے قرآن مجید کے ترجمہ کے سلسلے میں صرف اردو اور عربی زبان کی واقفیت کافی نہیں بلکہ مفہوم کی صحیح تعبیر پر قدرت ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی کی دینی بصیرت، تفاسیر کا گہرا مطالعہ، ذات باری تعالیٰ کے بارے میں صحیح تصور اور ذات نبوی علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ غایت عشق و عقیدت اور والہانہ جذبہ واحترام کا تعلق بھی نہایت ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز جن کا قلب عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ اور جن کا ذہن بصیرت دینیہ کا خزینہ ہے، ان کے ترجمۂ قرآن یعنی کنز الایمان کے ایک ایک لفظ سے ایمان وایقان کی شعاعیں روشن ہیں جو تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے بالکل مطابق ہے۔ جس میں خدائے ذوالجلال کی عزت وجلال کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔ اور جس میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حرمت و عظمت کی پوری پوری رعایت کی گئی ہے بہ خلاف اس کے دیو بندی مولوی جن کے قلوب ایمان سے خالی ہیں، جو خدائے ذوالجلال کی ردائے عزت وجلال میں نقص وعیب کا دھبا لگاتے ہیں اور جو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں کھلم کھلا گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں وہ زبان اردو کے محقق اور عربی ادب کے مبصر کہے جانے کے باوجود قرآن مجید کے ترجمہ میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے اور وہ کتاب الٰہی جس کی ایک ایک آیت ایمان و اسلام کا درس دیتی ہے اس کے ترجمہ میں بے شمار کفریات بکتے چلے گئے۔ ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل مثالیں ملاحظہ کیجیے:

پارہ ۲ رکوع اول میں ہے وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ

دیو بندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں:

''اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس کے



لیے تھا کہ ہم کو (یعنی اللہ کو) معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔''

مولوی اشرف علی تھانوی نے عربی اردو ڈکشنری میں العلم کا ترجمہ جاننا اور معلوم ہونا پڑھا تھا بس اس کے مطابق آیت کریمہ میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ ''ہم کو یعنی اللہ کو معلوم ہو جائے'' لکھ دیا لیکن اتنا نہ سوچ سکے کہ ''معلوم ہو جائے'' کا محاورہ اس کے لیے استعمال کیا جائے گا جس کو پہلے معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا ازلی و ابدی طور پر جاننے والا ہے پھر اس کے بارے میں ''معلوم ہو جائے'' کا کیا مطلب؟ ..... اور کنز الایمان میں آیت مذکور بالا کا ترجمہ یوں لکھا گیا:

''اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔''

یعنی کنز الایمان میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ ''دیکھیں'' لکھا گیا ہے۔ اب رضوی اور تھانوی ترجمہ کا موازنہ کرنے سے ہر انصاف پسند پر بالکل عیاں ہو گیا کہ دیو بندیوں کے حکیم الامت نے قرآن کی ترجمانی نہیں کی ہے بلکہ عربی کی اردو بنائی ہے، جس سے خدائے تعالیٰ کا نہ جاننا یعنی جاہل ہونا لازم آتا ہے اور اعلیٰ حضرت نے کنز الایمان میں قرآن مجید کی صحیح طور پر ترجمانی کی ہے۔

پارہ ۴ رکوع ۵ میں ہے وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ

اس آیت کریمہ کا ترجمہ شیخ دیو بند مولوی محمود حسن نے اس طرح لکھا ہے:

''اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو۔''

اور کنز الایمان میں اعلیٰ حضرت نے یوں ترجمہ فرمایا:

''اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔''

یعنی شیخ دیو بند نے اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں یہ لکھ دیا کہ خدائے تعالیٰ کو لڑنے والوں اور ثابت رہنے والوں کا علم نہیں جو قرآن کی منشا کے بالکل خلاف ہے ..... اور اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن کی منشا کے عین مطابق ہے کہ: خدائے تعالیٰ کو غازیوں اور صبر والوں کا علم تو ہے لیکن ابھی امتحان اور آزمائش باقی ہے۔

پارہ ۹ رکوع ۲ میں ہے فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ

ابو الاعلیٰ مودودی جو ائمہ کرام اور مجتہدین عظام کو اپنے آگے طفل مکتب سمجھتے ہیں اس آیت کریمہ کا ترجمہ اپنی کتاب ''تفہیمات'' حصہ اول صفحہ ۱۳۴ میں یوں رقم طراز ہیں:

''سو اللہ کی چال سے تو وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جن کو برباد ہونا ہے۔''

اس ترجمہ میں مودودی نے خدائے قدوس کے بارے میں ''چال'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو اردو زبان کے بہت بڑے ادیب کہے جاتے ہیں اور جنھوں نے بہ زعم خویش مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے لیے بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں صرف اتنا کہنا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے مصنفین کی ''چال'' سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔ اب کنزالایمان کا ترجمہ پڑھیے اور اس کی خوبی کی داد دیجیے۔

اعلیٰ حضرت نے آیت مذکور بالا کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے:

''تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔''

مولوی عبدالشکور کاکوروی اپنے ماہ نامہ النجم مورخہ ۱۱ر جون ۱۹۳۷ء میں یوں رقم طراز ہیں کہ:

''نبی کریم نے فرمایا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (پارہ ۱۶ر رکوع ۳)

یعنی میں تمہاری طرح ''ایک معمولی انسان'' ہوں اگر تم میں اور مجھ میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں تمہارے پاس خدائے تعالیٰ کا پیام لایا ہوں۔''

اس ترجمہ میں کاکوروی نے افضل الخلق سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کو عام لوگوں کی طرح ''ایک معمولی انسان'' لکھ کر اپنی رسول دشمنی کو آشکارا کیا ہے اور قرآن کریم کی کھلم کھلا تحریف بھی کی ہے اس لیے کہ آیت کریمہ میں ہرگز کوئی ایسا لفظ نہیں ہے کہ جس کا ترجمہ ''ایک معمولی انسان'' کیا جائے۔
اب کنزالایمان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

اس ترجمہ میں اللہ کے پیارے نبی کی عظمت کا لحاظ کرنے کے ساتھ قرآن کے ہر لفظ کی بھی پوری رعایت کی گئی ہے جیسا کہ واضح ہے۔

پارہ ۱۶ر رکوع ۱۶ر میں ہے وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى اس آیت کریمہ کا ترجمہ مولوی عاشق الٰہی دیوبندی نے اس طرح لکھا ہے:

''اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے۔''

اس ترجمہ میں عاشق الٰہی دیوبندی نے حضرت آدم علیہ السلام کو گمراہ ٹھہرایا حالاں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام بعثت سے پہلے بھی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ تفسیر عزیزی پارہ عم صفحہ ۲۲۱ر میں ہے: انبیا قبل از بعثت نیز از ضلال وکفر اصلی وطبعی معصوم ومحفوظ اند ...... لیکن دیوبندی مترجم نے بلا کھٹک حضرت آدم علیہ السلام کو گمراہ لکھ دیا۔ اب کنزالایمان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔''



اس ترجمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے علوئے مرتبت کا لحاظ کرنے کے ساتھ لفظ فَغَوٰى کا صحیح ترجمہ کیا گیا ہے جس کی تائید تفسیر کی مشہور کتاب جمل کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے: قولہ فغوی ای ضل عن مطلوبہ وھو الخلود فی الجنۃ

پارہ ۱۷ر رکوع ۶ر میں ہے فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اس آیت کا ترجمہ شیخ دیوبند مولوی محمود حسن نے اس طرح لکھا ہے۔

''پھر (یونس نے) سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔''

اور فتح محمد جالندھری نے یوں لکھا ہے:

''اور (یونس نے) خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے۔''

اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں شیخ دیوبند اور جالندھری نے حضرت یونس علیہ السلام پر یہ اتہام لگایا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو نہیں پاسکتا اور نہ میری پکڑ کی طاقت رکھتا ہے، یعنی ان مترجمین کے نزدیک حضرت یونس علیہ السلام، خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اصل میں شیخ دیوبند اور جالندھری نے یہ سمجھا کہ آیت کریمہ کا لفظ ''نقدر'' القدرۃ سے مشتق ہے، بس بغیر سوچے سمجھے قرآن کی منشا کے خلاف اس کی اردو بنادی حالاں کہ یہ ''نقدر'' القدر سے مشتق ہے۔ کنزالایمان میں آیت مذکور کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

''تو گمان کیا (یونس علیہ السلام نے) کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔''

اعلیٰ حضرت کا یہ ترجمہ قرآن کی منشا کے عین مطابق ہے اور حضرت یونس علیہ السلام پر کسی قسم کا اتہام لگانے سے پاک ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے: ''آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو!'' اور اعلیٰ حضرت نے کنزالایمان میں اس طرح ترجمہ فرمایا ہے: ''تم فرماؤ اے کافرو!'' ...... ان دونوں ترجموں پر غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ تھانوی صاحب کے ترجمہ سے نہ تو اللہ رب العزت کی حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر برتری ظاہر ہوتی ہے اور نہ حضور کے مخاطبین پر حضور کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے کنزالایمان کے ترجمہ میں دونوں پہلو کی پوری رعایت کی گئی ہے اس لیے کہ آمر یعنی حکم فرمانے والا خدائے تعالیٰ ہے اور مامور یعنی جن کو حکم دیا جا رہا ہے وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہیں تو رضوی ترجمہ کا لفظ ''تم'' بتا رہا ہے کہ آمر مامور سے برتر و اعلیٰ ہے اور لفظ ''فرماؤ'' پتہ دے رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام مخاطبین کے لیے فرماں روا بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اسے کہتے ہیں ترجمہ...... اور تھانوی صاحب نے ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ

عربی کی اردو بنائی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اس طرح دعا مانگتے رہو۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے اس دعائیہ جملہ کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔

''بتلا دیجیے ہم کو سیدھا راستہ۔''

اور اعلیٰ حضرت نے اس طرح ترجمہ فرمایا ہے۔

''ہم کو سیدھا راستہ چلا۔''

یعنی مولوی اشرف علی تھانوی گویا اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کر رہے ہیں کہ اب تک ہمیں سیدھا راستہ نہیں معلوم ہو سکا لہٰذا اے اللہ! ہم کو سیدھا راستہ بتلا دیجیے۔ اور اعلیٰ حضرت بارگاہِ خداوندی میں اس طرح دعا مانگ رہے ہیں کہ اے رب کریم! ہم تیرے فضل و کرم سے سیدھا راستہ پا چکے ہیں اب تو ''ہم کو سیدھا راستہ چلا'' اور مسلمان کے لیے یہی دعا لائق و مناسب ہے۔ اور تھانوی صاحب کی دعا تو کافروں کی دعا ہے۔

دیوبندی تراجم اور کنزالایمان کی مذکورہ بالا چند مثالوں سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ دیوبندی ترجمے قرآن کریم کی منشا کے خلاف ہیں اور اغلاط سے پر ہیں بلکہ اسلام کے بجائے کفر کا درس دیتے ہیں، اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا ترجمہ جو ''کنزالایمان'' کے نام سے شائع ہے قرآن کی منشا کے عین مطابق ہے جس میں خدائے قدوس اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی عزت و عظمت کا پورا پورا لحاظ کرنے کے ساتھ قرآن کے ہر ہر لفظ کی پوری رعایت بھی کی گئی ہے۔ **فللّٰہ الحمد**

☆☆☆

## نجات

''اہل شریعت کی صورت اور اہل طریقت کی سیرت اختیار کرو تا کہ آخرت میں نجات حاصل ہو۔''

**حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ**

(سراج العوارف، ترجمہ حضرت سید امین میاں برکاتی، مشمولہ اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۵۳)



**روبرو**

# محقق رضویات پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری سے گفتگو

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کے سیکریٹری جنرل ہیں اور ماہ نامہ/ سال نامہ معارف رضا کراچی کے مدیر ہیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تحقیقی کاموں سے شغف رکھتے ہیں۔ فی الوقت کراچی یونی ورسٹی میں شعبۂ پٹرولیم ٹیکنالوجی میں چیئرمین ہیں اور سائنس آرٹس اور اسلامی علوم کی فیکلٹی کے ممبر ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء) کی زیر نگرانی ''کنزالایمان اور دیگر معروف اردو قرآنی تراجم'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند لی۔ مقالۂ ڈاکٹریٹ کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ علمی کاموں کی بنیاد پر متعدد گولڈ میڈل سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ رضویات پر پہلا مقالہ ۱۹۸۷ء میں لکھا اور تا حال علمی موضوعات پر خامہ فرسائی کر کے رضویات کے گلستاں میں خوش بو بکھیر رہے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا میں شمولیت اختیار کی نیز ادارہ کی ۲۵ رسالہ تاریخ بھی مرتب کی جو مطبوع ہے۔ اچھوتے اور البیلے موضوعات منتخب کرتے ہیں اور تحریر میں استدلال کا رنگ غالب ہے۔ پروفیسر موصوف سے بوساطت حضرت سید وجاہت رسول قادری صدر نشیں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرویو کی درخواست کی گئی جسے آپ نے شرف قبولیت عطا کیا اور یہ انٹرویو ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ادارہ موصوف کا اور حضرت سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی کا ممنون ہے۔ انٹرویو سے متعلق امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی نے راقم سے اظہار فرح و مسرت فرمایا ہے۔ (مرتب)

**سوال (۱):** اپنے احوال و کوائف مختصراً بیان فرمائیں۔

**جواب:**

**نام:** پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ابن شیخ حمید اللہ قادری رضوی حشمتی (م ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء)

**پیدائش:** ۳ر اپریل ۱۹۵۵ء، ملیر گوٹھ، کراچی

**تعلیم:**
B.Sc. (Hons.) & M.Sc. in Geology, 1975 & 1976 with 1st class 1st position
M.A Islamic Studies in 1986, 1st class 3rd position
Ph.D. Islamic Studies in 1993, supervisor, Prof. Dr. Muhammad Masood Ahmad

**ملازمت:** جامعہ کراچی میں شعبۂ ارضیات میں ۱۹۷۸ء تا ۲۰۰۳ء خدمات، ۲۰۰۳ء تا حال استاد و

چیئرمین شعبۂ پیٹرولیم ٹیکنالوجی

**موجودہ حیثیت:** پروفیسر و چیئرمین۔ BPS-21

**اعزازی خدمت:** بہ حیثیت سیکریٹری جنرل ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۸۵ء تا حال۔ مدیر، ماہ نامہ ''معارف رضا'' کراچی

**قلمی خدمات:** ۲۵ رسال سے معارف رضا کا ایڈیٹر، سال نامہ مجلہ معارف رضا

۸ رسال سے ماہ نامہ ''معارف رضا'' کی ادارت

مقالات برائے مجلہ امام احمد رضا کانفرنس: ۱۲ رعدد

مقالات برائے ماہ نامہ معارف رضا: ۲۲ رعدد

مقالات برائے سال نامہ معارف رضا: ۱۸ رعدد

دیگر تصنیفات و تالیفات: ۲۵ رعدد

دیگر موضوعات پر مقالات: ۱۰ رعدد

مقدمات و پیش لفظ و تقاریظ: ۱۵

**اساتذۂ کرام:** حضرت مفتی تقدس علی خاں (م ۱۹۸۸ء)، حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (م ۱۹۹۷ء)، مفتی محمد ظفر علی نعمانی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی (م ۲۰۰۸ء)، مولانا صاحب زادہ علم الدین قادری علیمی (م ۱۹۸۶ء)، مولانا غلام رسول کشمیری قادری نوری (۱۹۹۴ء)، حضرت مولانا مفتی نصراللہ خاں افغانی، صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری

**بیعت کا شرف:** خط کے ذریعہ ۱۹۶۱ء میں احقر کو مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بیعت کیا۔ آپ کے دستخط کے ساتھ شجرہ احقر کے پاس محفوظ ہے۔

**سندِ اجازۃ:** مفتی محمد ظفر علی نعمانی، مولانا محمد شفیع قادری (م ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء)، مولانا فیض احمد اویسی، الشیخ یوسف ہاشم الرفاعی، سید وجاہت رسول قادری

**سلسلۂ رضویہ کا فروغ:** ۱۹۹۴ء سے سلسلۂ قادریہ رضویہ حامدیہ تقدسیہ میں بیعت لینے کا آغاز کیا۔ ہر ماہ کی دوسری اتوار کو احقر کے گھر پر حلقۂ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

**سوال (۲):** کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کی عالمی سطح پر مقبولیت کے اسباب و علل کیا ہیں؟

**جواب:** عالمی سطح پر مقبولیت کی اول وجہ یہ ہے کہ عوام اہل سنت کی تعداد دیگر فرقوں کے مقابلے میں ابھی بھی زیادہ ہے اس لیے کنز الایمان مارکیٹ میں زیادہ فروخت ہوتا ہے۔ البتہ اس کے فروغ میں یا اس کی اشاعت میں کسی تنظیم یا ادارہ کا کوئی خاص کردار نہیں۔ ہم سواد اعظم ضرور ہیں لیکن دیگر فرقے والے تیزی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ کنز الایمان کی اگلے ۲۰۔۲۵ سال میں اگر مقبولیت



برقرار رکھنا ہے تو اہل سنت کے اداروں اور تنظیموں کو فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔ اب اہل سنت کے اردو تراجم خاصی تیزی کے ساتھ سامنے آرہے ہیں۔ یہ عمل کنز الایمان کی مقبولیت پر منفی اثر ڈالے گا۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل سنت و جماعت صرف کنز الایمان کے ترجمہ اور ترجمانی پر متفق رہے تاکہ ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' لوگوں کی صحیح رہ نمائی کرتا رہے۔ کنز الایمان کی مزید مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں اس ترجمہ کو سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے اہل کاروں کو تحفتاً پہنچایا جائے۔

**سوال (۳):** اشاعت حق و فروغ اہل سنت کے سلسلے میں کنز الایمان کے عالم گیر اثرات پر آپ کی کیا رائے ہے؟

**جواب:** بلاشک و شبہہ ''کنز الایمان'' ایمان کا خزانہ ہے۔ آج دلیل کے لیے ہر کوئی قرآن کے حوالے سے گفتگو کرتا ہے۔ اردو داں طبقہ جو عربی نہیں جانتا اس کے لیے کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ایک عظیم ماخذ ہے اور رہ نما بھی ہے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد کی سو فی صد کنز الایمان نمائندگی کرتا ہے اس لیے فروغ اہل سنت ممکن ہی نہیں جب تک اس کی دلیل قرآن سے نہ دی جائے، اور ترجمہ کے لیے کنز الایمان کا سہارا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ اہل سنت و جماعت کے علما کے کئی تراجم سامنے آچکے ہیں لیکن جتنی وضاحت کے ساتھ عقائد اہل سنت کی ترجمانی اور نمائندگی کنز الایمان سے ہوتی ہے اور کسی ترجمۂ قرآن سے نہیں۔ احقر کی استدعا یہ ہے کہ علمائے اہل سنت کنز الایمان کی موجودگی میں اپنی علمی صلاحیتیں ترجمۂ قرآن کے بجائے دور حاضر کے معاشرتی، معاشی، اقتصادی، طبی مسائل کو حل کرنے میں صرف کریں اور کنز الایمان سے رہ نمائی حاصل کریں اور تشریحات کے لیے ''فتاویٰ رضویہ'' سے مدد لیں۔

**سوال (۴):** آپ نے یونی ورسٹی سطح پر Ph.D کے لیے کنز الایمان کو موضوع تحقیق بنایا اس کے محرکات کیا تھے؟

**جواب:** ۱۹۸۲ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے وابستگی ہوئی پھر اچانک چاروں طرف سے آوازیں سنائی دیں کہ کنز الایمان پر پابندی نامنظور نامنظور۔ اسی دوران چند بڑی بڑی کانفرنسوں میں جانے کا اتفاق ہوا جن میں کثیر تعداد میں علما کے علاوہ عوام اہل سنت شریک ہوئے۔ لمبی لمبی شعلہ بیانی والی تقاریر سنیں، اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی سالانہ ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۴ء کی کانفرنسوں میں کنز الایمان کے حوالے سے مقالے پڑھے گئے مگر احقر کو کوئی ٹھوس کام ان دو سالوں میں نظر نہ آیا۔ اچانک دل میں خیال آیا کہ مجید اللہ، جیولوجی میں تو تم Ph.D نہ کر سکے، چلو اسلامیات میں Ph.D کرلو اور کنز الایمان پر مقالہ لکھو۔ اس خیال کا اظہار احقر نے

حضرت شمس بریلوی، حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد، تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خاں، سید ریاست علی قادری اور کئی اکابر سے کیا۔ سب نے حمایت کی اور دعا دی۔ مگر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے کہا کہ پہلے آپ ایم۔اے اسلامیات کریں پھر یہ کام کر سکیں گے۔ احقر نے فوراً ایم۔اے اسلامیات میں پرائیوٹ رجسٹریشن کرایا۔ دو سال تک کنزالایمان اور دیگر کتب پڑھنے کا خوب موقع ملا۔ ۱۹۸۶ء میں احقر نے جامعہ کراچی سے فرسٹ کلاس تھرڈ پوزیشن میں ایم۔اے اسلامیات کی سند حاصل کی اور فوراً ہی شعبۂ اسلامیات پہنچ کر اپنے آپ کو پی۔ایچ۔ڈی کے لیے انرول کروایا۔ احقر کو اس وقت جوش تھا، ہوش نہ تھا۔ مجھے داخلہ صرف ایم۔فل میں دیا گیا۔ بہت پریشانی ہوئی کہ احقر تو Ph.D. کرنا چاہتا ہے، یہ مجھے صرف ایم۔فل کی ڈگری دے رہے ہیں۔ آپ یقین کریں کہ ایک میٹنگ اس سلسلے میں یونی ورسٹی کے بورڈ کی ہوئی اور اسی میں یہ طے پایا گیا کہ غلطی سے ایم۔فل لکھ دیا گیا تھا، مجید اللہ قادری کو داخلہ Ph.D. میں دیا گیا ہے۔ الحمد للہ ۱۹۹۳ء میں احقر کو Ph.D. کی سند حاصل ہوئی۔

تھیسس کو عموماً پاکستان کے باہر ایکسپرٹ کو بھیجا جاتا ہے۔ ایک تھیسس امریکا گیا تھا، دوسرا ساؤتھ افریقا مگر ساؤتھ افریقا والے ایکسپرٹ نے منع کر دیا۔ پھر یہ تھیسس حیدرآباد سندھ کی ایک معروف علمی شخصیت کو بھیجا گیا۔ دونوں غیر تھے، دونوں نے کچھ ترمیم کرنے کے لیے ضرور سفارش کی مگر Ph.D. دینے کے لیے بھرپور سفارش کی۔ زبانی امتحان بھی اغیار میں سے ایک ایکسپرٹ نے لیا۔ الحمد للہ ۱۹۹۳ء کو Ph.D. کی سند حاصل ہوئی مگر مقالہ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔

**سوال (۵)**: کنزالایمان کے کن کن گوشوں پر یونی ورسٹی سطح پر کام کیا جاسکتا ہے۔ نیز کیا امکانات ہیں؟

**جواب**: احقر نے کنزالایمان کا دیگر اردو تراجم کے ساتھ اجمالی تقابل کیا ہے۔ اس کے دیگر پہلوؤں پر مزید کام کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

۱۔ کنزالایمان کا ہر معروف اردو ترجمے کے ساتھ علاحدہ علاحدہ تفصیلی تقابل کیا جاسکتا ہے۔
۲۔ فن ترجمہ کے حوالے سے کام کیا جاسکتا ہے۔
۳۔ اردو یا دینی ادب کے حوالے سے کام کیا جاسکتا ہے۔
۴۔ صرف سائنسی موضوعات پر مشتمل آیات کا بھی تقابل کیا جاسکتا ہے اور احقر یہ دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ کوئی بھی اردو مترجم سائنس داں نہیں تھا سوائے امام احمد رضا کے، اس لیے ان آیات کی روشنی میں تقابل ضروری ہے تاکہ قرآن سے سائنسی قوانین حاصل کیے جاسکیں۔
۵۔ صرف ونحو کے حوالے سے بھی اردو تراجم کا تقابل کیا جاسکتا ہے۔

**سوال (۶)**: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے اب تک فروغ کنزالایمان کے لیے کس



طرح کے اقدامات کیے اور مستقبل کے لیے کیا پلان تشکیل دیا گیا؟

**جواب**: ادارہ کا سب سے بڑا کام یہی ہے کہ کنزالایمان پر جب پابندی لگائی گئی تھی، اس ترجمۂ قرآن پر لکھے گئے مقالات کو شائع کیا اور جہاں تک ممکن ہوا، اہل علم وقلم تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ درجنوں مقالات کنزالایمان کے حوالے سے لکھوائے گئے جو سالنامہ معارف رضا اور ماہ نامہ معارف رضا کی زینت بنے۔ احقر کے Ph.D. تھیسس کے علاوہ بھی کنزالایمان کے حوالے سے مندرجہ ذیل مقالات شائع ہو چکے ہیں:

۱۔ قرآن، سائنس اور امام احمد رضا
۲۔ قرآن کریم، امام احمد رضا اور سائنسی مصطلحات
۳۔ علوم قرآن اور ملتِ اسلامیہ
۴۔ کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات
۵۔ اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ
۶۔ سائنس، ایمانیات اور امام احمد رضا

**سوال (۷)**: کنزالایمان کی تصحیح کتابت سے متعلق علامہ محمد عبدالمبین نعمانی (المجمع الاسلامی مبارک پور) اور اشاعت کنزالایمان سے متعلق رضا اکیڈمی ممبئی کی خدمات پر اپنے تاثرات بیان فرمائیں۔

**جواب**: کنزالایمان کو آج ۱۰۰ رسال مکمل ہو گئے ہر زبان وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اردو زبان تو ویسے ہی مجموعہ زبان ہے اس کے اندر بھی بہت تبدیلیاں آئیں بالخصوص پاکستان میں اردو زبان کے اندر انگریزی زبان کے الفاظ اب کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں جس کے باعث اردو داں عوامی طبقہ پچھلے سو سال کی اردو زبان کو بہت سخت زبان سمجھتا ہے اور اس کو جب کنزالایمان یا کوئی کتاب ۵۰ رسال قدیم کی دی جائے تو قاری کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے یہ ہی صورت حال اردو ترجمہ کنزالایمان کے ساتھ بھی ہے کہ آج کا اردو داں طبقہ آسان اور آج کے دور کی مصطلحات میں ترجمۂ قرآن پڑھنا چاہتا ہے اس لیے علامہ محمد عبدالمبین نعمانی کی کاوشیں قابل ستائش ہیں کہ انھوں نے کنزالایمان کے وہ الفاظ جو اب روزمرہ مستعمل نہیں ہیں ان کی جگہ حاشیہ میں آسان الفاظ لکھ دیے ہیں۔ یقیناً رضا اکیڈمی بھی قابل مبارک باد ہے کہ انھوں نے اس کی اشاعت کا بندوبست کیا اسی جگہ میری ایک اور گزارش ہوگی کہ یہ ترجمۂ قرآن لاکھوں کی تعداد میں شائع کروائے جائیں اور تمام جامعات، کالجوں اور اسکولوں کے اساتذۂ کرام کو تحفتاً پیش کیے جائیں تمام تر رقم اس ترجمہ پر صرف کی جائے۔ پھر اس کے مثبت نتائج چند سالوں میں سامنے آئیں گے۔

**سوال (۸)**: ترجمہ کنزالایمان میں جو علاقائی الفاظ استعمال ہوئے کیا انھیں کنزالایمان کے محاسن میں شمار کیا جائے گا؟

**جواب**: دنیا میں شاید کوئی زبان ایسی ہو جس میں دیگر زبانوں کی آمیزش نہ ہو یہ ہی

صورت حال کنزالایمان کے ترجمہ میں بھی ہے امام احمد رضا نے نہ صرف پورے برصغیر پاک و ہند میں بولے جانے والے محاورات اور الفاظ کا استعمال کنزالایمان میں کیا ہے بلکہ ساتھ ہی دیگر زبانوں بالخصوص ہندی، سنسکرت، عربی، فارسی، پشتو وغیرہ زبانوں کے الفاظ کا استعمال بھی کیا یہ خوبی اس بات کی بھی غمازی کرتی ہے کہ امام احمد رضا خطے کی تمام زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے اور ان زبانوں پر خاصہ عبور رکھتے تھے اس لیے جہاں مناسب خیال کیا دیگر زبانوں کے الفاظ استعمال کر کے کنزالایمان میں حسن پیدا کیا۔

**سوال (۹)**: کنزالایمان کے بعد متعدد علما نے قرآن مقدس کے اردو میں ترجمے کیے اس تناظر میں آپ کیا کہیں گے؟

**جواب**: کیا کسی چیز کی تاحیات پائیداری کے باوجود اس جیسی دوسری چیز بنانے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ میرے خیال میں پھر دوبارہ کسی چیز کو اس جیسی بنانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بعض قدرتی معاملات ایسے ہیں کہ قدرت اس شاہ کار کو صرف ایک دفعہ بناتی ہے۔ یا ایک دفعہ دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ خلافت راشدہ جیسی سلطنت دوبارہ مشکل ہے اگر چہ لوگوں نے کوشش کی اور آج بھی کر رہے ہیں مگر خلافت راشدہ اول اور آخر ہجرت کے ۴۰ رسال کے بعد ختم، البتہ ان خلافت راشدہ کے ۴۰ رسالہ دور سے ہم آج بھی ہدایت کی روشنی حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس جیسی خلافت قائم نہیں کر سکتے، احقر کے نزدیک کنزالایمان کی بھی صورت حال تقریباً یہی ہے کہ اس کو ان شاء اللہ تا قیامت ایسا ہی مقام حاصل رہے گا جو اسے آج اور سو سال قبل تھا اور مفسرین کرام اس ترجمہ سے رہ نمائی حاصل کرتے رہیں گے البتہ جو ترجمہ کرنے کی کوشش کریں گے یا جنھوں نے کوشش کی ہے وہ قطعاً کام یاب نہ ہو سکے۔ البتہ ترجمۂ قرآن کا فریضہ انجام دے کر انھوں نے اپنی عافیت کا ضرور ضرور بندوبست کر لیا اور اللہ تعالیٰ ان کی محنت کا ان کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ مگر ایمان کا خزانہ صرف ایک جگہ ہی مل سکتا ہے لہٰذا تمام اہل سنت کے علما اور اہل قلم کو چاہیے کہ اسی خزانے سے دولت حاصل کریں اور اپنی توانائیاں دیگر علمی کام نیز تصانیف و تالیفات پر صرف کریں۔

**سوال (۱۰)**: آپ کا مقالۂ ڈاکٹریٹ ''کنزالایمان اور معروف قرآنی تراجم'' ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے دیدہ زیب انداز میں ۱۹۹۹ء میں شائع کیا اس کے کیا اثرات سامنے آئے اور اس پر کس طرح کے تاثرات اہل علم نے دیے؟

**جواب**: اگر آپ حقیقت پوچھیں تو اہل قلم نے بہت زیادہ پذیرائی نہ فرمائی۔ ممکن ہے کہ اہل قلم کے پاس وقت نہ ہو کہ اس پر اپنے تاثرات قلم بند کرتے یا ممکن ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد اس میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی ہو جس پر وہ کلام کر سکتے یا پھر یہ تھیسس ہی ہمارے اہل قلم کے نزدیک کسی



پذیرائی کے لائق نہ ہو۔ البتہ چند اغیار کی طرف سے احقر کو ان کے تاثرات ملے جو ملے جلے تھے۔ ایک عجیب و غریب یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک اہل سنت کے ہی قلم کار تھے۔ انھوں نے ضد میں آ کر اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ کے عنوان سے .Ph.D کی سند حاصل کی اور اس میں چند معروف تراجم کو شامل کیا جس میں انھوں نے کنزالایمان کو چوتھے نمبر پر جگہ دی جب کہ تقابل کے لیے صرف ۵ ر ترجمے استعمال کیے گئے تھے۔

**سوال (۱۱)**: ڈاکٹر صابر سنبھلی نے ایک تفصیلی مقالہ ''کنزالایمان کا لسانی جائزہ'' تحریر فرمایا جس کی اشاعت بالاقساط سہ ماہی افکار رضا ممبئی میں ہوئی اس پر اظہار خیال فرمائیں؟

**جواب**: محترم صابر سنبھلی صاحب ماہر لسانیات ہیں اس لیے انھوں نے اپنے طویل مقالے میں کنزالایمان کی لسانیات کو بہت خوب نبھایا ہے اور صاحب فن حضرات کی نظر سے جب یہ گزرا ہوگا تو انھوں نے یقیناً اس کی لسانیات کو سراہا ہوگا۔

**سوال (۱۲)**: قارئین یادگار رضا کے لیے صد سالہ جشن کنزالایمان پر آپ کا کیا پیغام ہے۔

**جواب**: احقر اپنے آپ کو اس قابل ہرگز نہیں سمجھتا کہ قوم کے نام کوئی پیغام دے البتہ احقر نوجوان طبقہ کو یہ نصیحت کرنا چاہے گا کہ زندگی میں ایک دفعہ قرآن کریم کا ترجمہ ضرور ضرور پڑھیں اور وہ بھی صرف اور صرف کنزالایمان، اگر وہ اپنے ایمان کا تحفظ چاہتے ہیں۔ ان بچے، بچیوں سے پر زور اپیل کروں گا، جو اسکول، کالج اور جامعات میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں کہ وہ اس ترجمۂ قرآن کو ضرور پڑھیں اور غور سے پڑھیں۔ ان کو ہر ہر مضمون کے بنیادی اصولوں کی نشان دہی اس سے حاصل ہوگی۔ وہ چاہے سائنسی علوم ہوں یا معاشرتی علوم ہوں، وہ اعتقادی علوم ہوں یا طبی علوم ہوں۔ ان کو اللہ رب العزت کے اس کلام میں بنیادی اصولوں کی نشان دہی ضرور ملے گی اور طالب علم یاد رکھیں کہ آج کے انسان کی کوئی تھیوری بدل سکتی ہے مگر قرآن کے اصول نہیں بدل سکتے۔ اس لیے قرآن سے آگہی حاصل کریں اور کنزالایمان کی خوبی یہ ہے کہ دنیائے مترجم میں صرف امام احمد رضا واحد مترجم قرآن ہیں جو بہ یک وقت عالم دین، ماہر علوم طب، ماہر علوم معاشیات، ماہر علوم سائنس، ماہر علوم نجوم و فلک، سب ہی کچھ ہیں۔ جب کہ بعض مترجم صرف اور صرف ڈکشنری کی مدد سے کیے گئے ترجموں کے صانع ہیں۔ امام احمد رضا نے ترجمہ کرتے وقت ہر آیت میں پوشیدہ علم کو سمجھتے ہوئے مصطلحات استعمال کی ہیں جو ان کے ترجمے کی خوبی بھی ہے۔

احقر آخر میں غلام مصطفیٰ رضوی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے کہ انھوں نے موقع فراہم کیا کہ اپنی آواز دوسروں تک پہنچا سکوں۔ ☆☆☆

# عہد رضا میں وابستگان رضا کی صحافتی خدمات

**مولانا عبدالسلام رضوی**

مدرس جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج، بریلی شریف

یہ بات ''دو اور دو چار'' کی طرح واضح اور مسلّم ہے کہ صحافت ترسیل وتبلیغ کا ایک اہم، موثر اور کام یاب ترین طریقہ ہے۔ اس کے ذریعہ آدمی ایک ہی مقام پر بیٹھے بیٹھے دور دراز کے سیکڑوں ہزاروں آدمیوں تک اپنے نظریات پہنچا دیتا ہے۔ ان کے ذہنوں میں انقلاب کی روح پھونک دیتا ہے، ان کے اندر کسی کے لیے حمایت اور دوسرے کے لیے مخالفت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔ ایک مقام پر ہونے والے واقعات وحالات سے ان کو آگاہ کر دیتا ہے۔

لہٰذا وابستگان رضا نے بھی اس اہم اور کام یاب ذریعۂ ترسیل وتبلیغ سے بے اعتنائی نہیں برتی بلکہ انھوں نے جہاں تدریس وتعلیم کے ذریعہ علوم دینیہ کی اشاعت کی اور ان کو فروغ دیا، وعظ وتقریر، تصنیف وتالیف کے ذریعہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی، ان کو تصلب بخشا، اعمال صالحہ کی ترغیب دی، رسوم قبیحہ سے آگہی بخشی، غلط نظریات ومعتقدات کا رد وابطال کیا، ماضی کی زریں تاریخ سے لوگوں کا رشتہ جوڑے رکھا اور مناظرات کے ذریعہ اہل باطل کی سرکوبی وبیخ کنی کی وہیں ان امور کی انجام دہی کے لیے طریقہ صحافت کو بھی اختیار فرمایا، خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولانا محرم علی چشتی صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور کو ان کے ایک مکتوب کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بہ قیمت وبلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔''
>
> (فتاویٰ رضویہ، دوازدہم، ص ۱۳۲)

چناں چہ بریلی شریف میں اس کے مطابق عمل بھی ہوا کہ ماہ نامہ ''الرضا'' جاری کیا گیا جس نے سالوں تک خدمت دین انجام دی۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

مجھے اس مضمون میں عہد امام احمد رضا (ولادت: ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء- وصال: ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) میں آپ کے وابستگان کی صحافتی خدمات کا ذکر کرنا ہے۔ مجھے کم وقتی اور محدود تلاش وجستجو کے نتیجہ میں عہد رضا میں وابستگان رضا کی جن صحافتی خدمات یعنی ان کے جاری کردہ یا زیر ادارت جن اخبارات ورسائل کا علم ہوا وہ مندرجہ ذیل ہیں:



(۱) ماہ نامہ ''الرضا'' بریلی شریف

(۲) ماہ نامہ ''السواد الاعظم'' مرادآباد

(۳) ''الاسلام'' گجراتی افریقہ

(۴) ماہ نامہ ''تحفۂ حنفیہ'' پٹنہ

(۵) ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرت سر

(۶) ہفت روزہ ''اہل فقہ'' امرت سر

(۷) ہفت روزہ ''دبدبہ سکندری'' رام پور

(۸) ماہ نامہ ''انجمن نعمانیہ ہند'' لاہور

(۹) ''روز افزوں'' بریلی شریف

اب لف ونشر مرتب کے طور پر ان کا تعارف اور جاری کنندگان یا مدیران کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وابستگی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

## ماہ نامہ ''الرضا'' بریلی شریف:

ماہ نامہ ''الرضا'' کا اجرا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات مبارکہ میں ہوا۔ اس کا پہلا شمارہ ماہ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ کو منظر عام پر آیا۔ ایڈیٹر اعلیٰ حضرت کے بھتیجے حضرت مولانا محمد حسنین رضا صاحب ابن حضرت استاذ زمن تھے علیہم الرحمۃ والرضوان۔ اور اہتمام کی خدمت حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے سپرد تھی۔ سالانہ زر تعاون دو روپے تھا۔

''الرضا'' کے سرورق پر جو عبارت طبع ہوتی تھی وہ اس رسالہ کا جامع تعارف ہے۔ اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

> ''شریعت نبوی کا حامی، طریقت مصطفوی کا مددگار، اخلاق محمدی کا سکھانے والا، کفر وشرک سے بچانے والا، اصول معاشرت بتانے والا، اسلام کا سچا ہم درد، مسلمانوں کا بہترین رہ نما، تمدنی، اخلاقی، تاریخی مضامین کا دل کش مجموعہ جو بہ تعین تاریخ ووقت اپنے دارالاشاعت بریلی محلہ سوداگران، بہ ادارت خادم الطلبہ محمد حسنین رضا خاں شائع ہوتا ہے۔ مطبع اہل سنت وجماعت بریلی میں بہ اہتمام مولوی امجد علی صاحب۔''

اس میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے مرتبہ ''ملفوظات اعلیٰ حضرت'' قسط وار شائع ہوتے تھے۔ ''فقہیات'' مستقل عنوان تھا جس کے تحت فتاویٰ رضویہ سے فتاویٰ منقول ہوتے تھے۔

اعلیٰ حضرت کی کئی کتابیں پہلی بار ماہ نامہ ''الرضا'' ہی میں طبع ہوئیں، ''النہی الاکید'' قسط

وارچھپی۔ (۱) ''معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین'' صفر اور ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء کے دوشماروں میں شائع ہوئی (۲) ''فوز مبین'' کے بارے میں حضرت مولانا حسنین رضا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''فوز مبین'' بہ اقساط شائع ہوتی رہی۔ جب ''الرضا'' بادسموم کے جھونکوں سے ختم ہوا تو کتاب کی طباعت بھی بند ہوگئی۔ (۳)

اس کتاب کے تقریباً ۹۶ر صفحات اعلیٰ حضرت کی حیات میں ماہ نامہ ''الرضا'' میں شائع ہوئے۔ (۴) ایک قسط ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ کے شمارہ میں بھی شائع ہوئی۔ (۵)

''الرضا'' جلد اول ماہ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کے مشترکہ شمارہ میں ''ضروری اطلاع'' کے عنوان سے اعلیٰ حضرت کی ایک تحریر شائع ہوئی تھی جس میں خادمانِ اسلام وسنت کو اخلاص و للٰہیت کی ہدایت وتاکید کی گئی ہے۔ اس مبارک تحریر کو یہاں پر نقل کیا جارہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

برادرانِ اہل سنت کو اطلاع۔ فقیر کے پاس شکایتیں گزریں کہ بعض صاحب باوصف بے علمی دنیا طلبی کے لیے وعظ گوئی کرتے ہوئے اکنافِ ہند میں دورہ فرماتے ہیں اور یہاں سے اپنا علاقہ انتساب بتاتے ہیں جس کے سبب فقیر سے محبت رکھنے والے حضرات دھوکہ کھاتے ہیں۔ اس شکایت کے دفع کو یہ سطور مسطور۔

یہاں بحمدہٖ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دین کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احباب علماے شریعت، نہ برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعت دین وحمایت سنت میں جلب منفعتِ مالی کا خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ ہاں اگر بلا طلب اہل محبت سے کچھ نذر پائیں رد نہ فرمائیں کہ اس کا قبول سنت ہے۔ یہاں سے نسبت ظاہر فرمانے والے صاحبوں کے پاس فقیر کی دستخطی مہری سند علمی یا اجازت نامہ طریقت ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ زبانی دعوے پر عمل پیرا نہ ہوں۔ والسلام۔ فقیر احمد رضا۔''

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر کے بعد ''اعلان'' کے عنوان سے مدیر ''الرضا'' حضرت مولانا حسنین رضا صاحب نے پچاس علماے کرام کے اسماے گرامی ذکر کیے ہیں اور ان کے بارے میں لکھا ہے:

''ان کا علاقہ اعلیٰ حضرت مدظلہ سے خصوصیت کے ساتھ ہے۔ ان سے جو بفضلہٖ تعالیٰ علم میں کامل ہیں مسائل پوچھے جائیں اور ان کا بیان بھی سن کر فیض پائیں۔''

ماہ نامہ ''الرضا'' میں اس دور کے اکابر علماے کرام مثلاً حضور برہان الملت، حضور



صدر الافاضل وغیرہ کے مضامین عالیہ شائع ہوتے تھے۔ شروع صفحات میں نعتیہ کلام بھی شامل ہوتا تھا۔ دین وسنت کا یہ سچا خادم کب بند ہوا اس کی تحقیق نہیں لیکن کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ ''الرضا'' حیات اعلیٰ حضرت میں یا وصال شریف کے بعد زمانہ قریب ہی میں بند ہوگیا تھا۔

اعلیٰ حضرت کے وصال شریف کے لگ بھگ چھ سال کے بعد حضرت حجۃ الاسلام کی سرپرستی میں ماہ نامہ ''یادگار رضا'' کا اجرا عمل میں آیا۔ پہلا شمارہ ربیع الاول شریف ۱۳۴۵ھ کو شائع ہوا۔ ادارت کے فرائض قاضی احسان الحق نعیمی بہرائچی نے انجام دیے۔ چھ ماہ کے بعد مفتی ابرار حسن تلہری کو ایڈیٹر اور مولانا ابوالفرح محمد علی آنولوی کو نائب ایڈیٹر منتخب کیا گیا۔ یہ دونوں حضرت حجۃ الاسلام کے قابل فخر تلامذہ میں سے تھے۔ یادگار رضا حضور جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے اہتمام اور جماعت رضاے مصطفیٰ بریلی کے مالی تعاون سے تقریباً چار سال تک جاری رہا۔ (۶)

**ماہ نامہ ''السواد الاعظم'' مراد آباد:**

ماہ نامہ ''السواد الاعظم'' صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ماہ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ میں مراد آباد سے جاری فرمایا۔ اس کے ایڈیٹر آپ کے تلمیذ رشید حضرت مفتی محمد عمر صاحب نعیمی علیہ الرحمہ تھے۔ (۷)

''السواد الاعظم'' متحدہ ہندوستان (ہند، پاک، بنگلہ دیش) کا مشہور ومعروف اور بڑا باوقعت ماہ نامہ تھا۔ اس ماہ نامہ نے عقیدہ، عمل، احقاق حق وابطال باطل اور سیاست غرضیکہ ہر جہت سے قوم مسلم کی عظیم الشان خدمت انجام دی۔ ملک کے ہنگامہ خیز حالات میں بھی سچی راہ نمائی کا حق ادا کیا۔

یہاں نمونہ کے طور پر ''السواد الاعظم'' میں شائع شدہ حضور صدر الافاضل کا ایک مضمون نقل کیا جاتا ہے جس کا عنوان ''دعوت عمل'' ہے۔ اس مضمون سے معلوم ہوگا کہ یہ ماہ نامہ کس قدر اہم ومفید اور مسلمانوں کا کس درجہ بہی خواہ اور ہم درد تھا اور اس سے حضور صدر الافاضل کی ملکی حالات پر وسیع وغائر نظر، سیاسی تدبر، پیش بینی ودوراندیشی اور قوم مسلم کے حق میں آپ کے درد وسوز کا بھی پتہ لگتا ہے۔

اس مضمون میں آپ نے ملکی وسیاسی حالات کے پیش نظر علما ومشائخ کو عملی طور پر سیاست میں حصہ لینے کی دعوت دی ہے اور سیاسی معاملات وملکی نظم سے علما ومشائخ کے اغماض کو اہل اسلام کے حق میں نقصان دہ بتایا ہے۔ یہ مضمون اگرچہ ۱۹۳۰ء میں یعنی آزادیِ ہند سے پہلے لکھا گیا تھا لیکن آج بھی اس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور آج بھی یہ ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ مضمون درج ذیل ہے:

''میں عرض کروں گا کہ علماے دین اور پیشوایانِ اسلام اب قدم اٹھائیں، گوشہ تنہائی سے نکلیں، اس لیے نہیں کہ انھیں جاہ ومنصب ملے، اس لیے نہیں کہ حکومت کا مزا حاصل کریں، فقط اس لیے کہ دین کی حفاظت ہو، اسلام اور مسلمانوں کے مفاد

کے خلاف پیش آنے والی تجاویز کو روک سکیں اور مسلمانوں کے مستقبل کو خطرے سے محفوظ رکھ سکیں۔

جو قانون ایک دفعہ پاس ہو جاتا ہے پھر اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر اسمبلی میں علما کا بھی کوئی عنصر ہوتا تو ''سارده قانون'' پاس نہیں ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں کے ممبر پہلے ہی روز بیدار کر دیے جاتے۔ لیکن قانون پاس ہونے کے بعد جو کوششیں کی گئیں وہ اس وقت تک نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔

طبقۂ علما کا سیاسیات اور ملکی نظم کی طرف سے اغماض کرنا مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہے۔ اس وقت گول میز کانفرنس اجلاس کر رہی ہے۔ ہندوستان کے لیے دستور حکومت تجویز ہو رہا ہے۔ ہر فرقے کے نمائندے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ سب نے اپنے مطالبات کا ایک ایک مسودہ مرتب کر لیا ہے۔ ہر ایک اپنے مقاصد کا ایک نقشہ اپنی نظر کے سامنے رکھتا ہے لیکن ہمیں شکایت ہے اور بجا شکایت ہے کہ ہمارے طبقۂ علما نے آج تک اس کی طرف التفات نہ کیا۔ جو جو مسودے تجویز ہوئے ان پر نظر نہ ڈالی اور یہ نہ دیکھا کہ اسلام اور مسلمین پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اور اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی فلاح اور مذہب کی حفظ و حرمت کے لیے کیا امور ضروری ہیں جن کا موجودہ تجویزوں میں اضافہ ہونا چاہیے اور کون چیزیں قابل اعتراض ہیں جن کی مدافعت لازم ہے۔ ہندوستان کے تمام طبقۂ علما اس سرے سے اس سرے تک ساکت و خاموش ہیں۔ انھوں نے اس پر نظر ہی نہیں ڈالی۔ کیا حیثیت دین سے یہ ضروری امر نہیں؟

گزشتہ کو چھوڑیے۔ آئندہ کے لیے مستعد ہو جایے۔ اور جلد تر ایک نظر ڈالیے کہ دنیا کیا کر رہی ہے، مسلمانوں کے مستقبل کے لیے کیا تجویزیں در پیش ہیں، ان کے کیا نتائج ہوں گے، ضروریات کا اقتضا کیا ہے، پہلے جو کچھ رائے ہو اس سے ایک اجتماعی شکل میں اپنے نمائندوں کو باخبر کیجیے۔ پچھلی غفلت قابل افسوس ہے لیکن ابھی اور غفلت رہی تو کام قبضہ سے باہر ہو جائے گا۔ جس طرح ممکن ہو صورت حالات پر اطلاع پانے کے بعد ایک مسودۂ تجاویز مرتب کیجیے اور خواہ جلسوں میں یا ڈاک کے ذریعہ سے اس پر دوسرے علما کی رائیں حاصل کر کے ایک نقشۂ عمل مرتب فرمایے۔ کونسلوں کی کارروائیوں کو بھی دیکھیے اور ممبران کونسل کو جس امر میں توجہ دلانے کی ضرورت ہو انھیں زور کے ساتھ توجہ دلایے۔ یہ بھی دیکھیے کہ ڈسٹرکٹ اور پرسنل



بورڈوں میں کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو جلد سے جلد مستعد ہو جانا چاہیے اور اگر جماعت علما اس طرح میدان عمل میں آ گئی تو ان شاء اللہ العزیز اسلام اور مسلمین کی بڑی حمایت ہو سکے گی۔

ستم ہے کہ جاہل عالم نما عالم بن کر میدان میں آئیں اور ان کی تعداد سے دنیا کو دھوکہ دیا جائے اور ان کی خود رائی اور نفس پرستی کو علما کی رائے قرار دیا جائے۔ اور علما کا پورا طبقہ ساکت و خاموش بیٹھا یہ سب کچھ دیکھا کرے۔ نہ اس کے منھ میں زبان ہو نہ زبان میں حرکت، نہ ہاتھ میں قلم نہ قلم میں جنبش۔ اب آپ کا یہ تقاعد زہد و انکسار کی حد سے گزر کر غفلت و تکاسل کے دائرے میں آ گیا ہے اور اس انداز سکوت سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

اب آپ اس عقیدے کو چھوڑ دیجیے کہ آپ کے فرائض ایک مجلس میں وعظ کہہ کر، یا ایک حلقہ میں درس دے کر، یا ایک خلوت خانے میں فتویٰ لکھ کر ادا ہو جاتے ہیں اور آپ کو اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور بدخواہان اسلام تخریب کے لیے کیا کیا تدابیر عمل میں لا رہے ہیں۔ یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اُٹھیے اور اپنے فرض کو ادا کیجیے۔''(۸)

تحریک خلافت و تحریک ترک موالات کے طوفانی دور میں ''السواد الاعظم'' نے اعلیٰ حضرت کے موقف کی بھرپور ترجمانی کی اور اس کا مدلل دفاع کیا اور تحریک ترک موالات کے دوران مخالفین کی طرف سے اعلیٰ حضرت پر جو الزامات لگائے گئے ''السواد الاعظم'' میں وہ الزامات اور اعلیٰ حضرت کی طرف سے ان کا جواب شائع کیا گیا تاکہ لوگوں پر ان الزامات کی حقیقت واضح ہو جائے اور وہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ جو الزامات لگائے گئے وہ یہ تھے:

(۱) نینی تال میں لفٹیننٹ گورنر سے ملاقات کی۔
(۲) گورنمنٹ کی خوشی کے لیے اس کے حسب منشا فتویٰ لکھا۔
(۳) گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں۔(۹)

اعلیٰ حضرت نے ان الزامات کا ایک جواب دیا جو سب پر بھاری ہے۔ آپ نے فرمایا:

''ان کا جواب اس سے بہتر میرے پاس کیا ہے لعنة اللّٰه علی الکذبین جس نے ایسا کیا ہو اس پر قیامت تک اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے نیک بندوں کی لعنت ہو۔''(۱۰)

تقسیم ہند کے بعد لاہور پاکستان سے بھی پندرہ روزہ ''سواد اعظم'' نکالا گیا۔(۱۱) جس کے

مدیر حضرت مولانا حکیم غلام معین الدین نعیمی ہوئے۔ آپ حضور صدرالافاضل کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔ (۱۲)

## سرکار اعلیٰ حضرت کے ساتھ حضور صدرالافاضل کی وابستگی:

حضور صدرالافاضل اعلیٰ حضرت کے خلیفہ تھے۔ اعلیٰ حضرت قصیدہ ''الاستمداد'' میں تلامذہ و خلفا کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

میرے نعیم الدین کو نعمت
اس سے بلا میں سماتے یہ ہیں

حضور صدرالافاضل کو آپ سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی۔ ۱۳۱۹ھ میں اعلیٰ حضرت سے آپ کی پہلی ملاقات ہوئی اور اس کے بعد سے آپ کا یہ معمول رہا کہ جب تک اعلیٰ حضرت حیات رہے آپ پابندی کے ساتھ ہر پیر اور جمعرات کو ہفتہ میں دو دن اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے تھے۔ آپ نے خود فرمایا:

''یہ میرا معمول تھا کہ اعلیٰ حضرت کے آستانے کے سفر کے لیے میرا جو بستر تھا وہ کبھی کھلا ہی نہیں۔ میں لازمی ہر پیر اور جمعرات کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جاتا تھا۔'' (۱۳)

اعلیٰ حضرت کے دل میں بھی صدرالافاضل کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید معین الدین نزہت کا وصال ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ جمعۃ الوداع کے دن ہوا۔ اس وقت اعلیٰ حضرت بھوالی میں قیام پذیر تھے۔ وہیں آپ کو اطلاع پہنچی۔ آپ نے صدرالافاضل کو جو تعزیت نامہ ارسال فرمایا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت آپ سے کس درجہ محبت فرماتے تھے۔ دعاے مغفرت وکلمات تسلی کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''یہ پرملال کارڈ روز عید آیا۔ میں نماز عید پڑھنے تینی تال گیا ہوا تھا۔ شب کو بے خواب رہا تھا اور دن کو بے خور وخواب۔ اور آتے جاتے ڈانڈی میں چودہ میل کا سفر، دوسرے دن بعد نماز صبح سو رہا۔ سو کر اٹھا تو یہ کارڈ پایا۔ (اس کے بعد تاریخی مادوں کے تعلق سے لکھا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں) اسی روز سے مولانا مرحوم کا نام تابقاے حیات ان شاء اللہ تعالیٰ روزانہ ایصال ثواب کے لیے داخل وظیفہ کر لیا۔ وہ ان شاء اللہ بہت اچھے گئے مگر دنیا میں ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی۔ مولیٰ تعالیٰ آخرت میں زیر لواے سرکار غوثیت ملائے۔ آمین اللّٰہم آمین (تاریخی مادے سپرد قلم کرنے کے بعد فرماتے ہیں) شب عید کی بے خوابی اور دن کو بے خور وخواب، اور



دوہرے سفر کا پیچ وتاب، اس کے سبب کل شام تک حالت ردی رہی۔ میں قابل حاضری ہوتا تو سرے سے چل کر مزار کی زیارت اور آپ کی تعزیت کرتا۔'' ''مصطفیٰ رضا'' کل بریلی گئے ہیں میں نے کہہ دیا ہے کہ تعزیت کے لیے حاضر خدمت ہوں۔ کل شام تک طبیعت کی بہت غیر حالت نے اس نیاز نامہ میں تعویق کی۔ اور آج اتوار تھا لفافہ نہ مل سکتا تھا۔ اب حاضر کرتا ہوں۔ والسلام مع الاکرام۔ سب احباب کو سلام۔ فقیر احمد رضا، شب پنجم شوال المکرم ۳۹ھ۔ از بھوالی'' (۱۴)

## اخبار ''الاسلام'' افریقہ:

یہ اخبار گجراتی زبان میں حضرت مولانا احمد مختار صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ نے ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۸ء میں افریقہ سے جاری فرمایا تھا۔ (۱۵)

حضرت مولانا احمد مختار صاحب میرٹھی (ولادت ۱۲۹۴ھ، وفات ۱۳۵۷ھ دمن پرتگیز) نے مدت العمر تبلیغ وارشاد میں گزاری۔ برصغیر ہند کے علاوہ افریقہ، جزائر، انڈونیشیا میں تبلیغی مراکز قائم کیے۔ اور ہزاروں غیر مسلموں کو داخل اسلام کیا۔ برما کا سفر کیا تو وہاں ایک اسکول قائم کیا۔ ماڈے میں اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک درس گاہ کی بنیاد ڈالی۔ ڈربن میں عورتوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔ قومی اور ملکی معاملات میں آپ کو خصوصی دلچسپی تھی۔ حجاز مقدس میں سعودی خاندان نے برسر اقتدار آنے کے بعد مدینہ منورہ میں جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں ازواج مطہرات وصحابۂ کرام کے مقابر متبرکہ کی توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع کیا تو عالم اسلام میں نجدیوں کے اس اقدام سے ہل چل مچ گئی۔ ۱۹۲۴ء میں مسلمانان بمبئی نے سلطان سعود اول کو اس جرأت سے باز رکھنے کے لیے آپ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا۔ حضرت سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست لاہور اور مولانا فضل اللہ مالک علیمیہ بک ڈپو بمبئی آپ کے رفقاے وفد تھے۔ (۱۶)

آپ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے بڑے بھائی تھے۔ (۱۷)

## اعلیٰ حضرت کے ساتھ وابستگی:

آپ سرکار اعلیٰ حضرت کے اجلۂ خلفا میں سے تھے۔ ماہ نامہ ''الرضا'' کے تعارف میں گزرا کہ حضرت مولانا حسنین رضا خاں نے اپنی یادداشت سے پچاس علماے کرام کے اسماے گرامی ''الرضا'' میں شائع کیے تھے۔ اور ان کے بارے میں لکھا تھا کہ:

''ان حضرات کا علاقہ اعلیٰ حضرت مدظلہ سے خصوصیت کے ساتھ ہے۔ ان حضرات سے جو بفضلہ تعالیٰ علم میں کامل ہیں مسائل پوچھے جائیں اور ان کا بیان بھی سن کر فیض پائیں۔'' اس فہرست میں آپ کا اسم گرامی بھی اس طرح مذکور ہے: ''جناب مولانا، الحاج، مولوی احمد مختار صاحب صدیقی، نمبر

۲۳۶ محلہ مشائخان میرٹھ۔ عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان، مجاز طریقت۔'' (۱۸)

آپ کے بھائی خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے بھی متعدد مقامات سے کئی اخبارات جاری فرمائے لیکن یہ سب عہد رضا سے بعد کے ہیں۔

**ماہ نامہ ''تحفۂ حنفیہ'' پٹنہ:**

ماہ نامہ ''تحفۂ حنفیہ'' حضرت مولانا قاضی عبدالوحید صاحب صدیقی حنفی فردوسی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ میں پٹنہ صوبہ بہار سے جاری فرمایا۔ اس کا تاریخی نام ''مخزن تحقیق'' اور لقب ''تحفۂ حنفیہ'' رکھا گیا۔ ادارت کے فرائض حضرت مولانا مفتی ابوالمساکین محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی علیہ الرحمہ کے سپرد تھے۔

''تحفۂ حنفیہ'' کا نصب العین یہ تھا کہ وہابیت، دیوبندیت، نیچریت بالخصوص ندویت کے فتنوں کی سرکوبی کی جائے اور مسلمانوں کو ان تحریکوں کی ضلالت وگم راہی سے بچایا جائے۔ چناں چہ اس کے سرورق پر یہ عبارت مرقوم ہوتی تھی ''حمایت اسلام وتائید شرع واصحاب سنت، ونکایت بدعت و تہدید ارباب ضلالت وبطالت۔''

جب پٹنہ میں ندویوں کا سالانہ اجلاس ہوا اور اس میں یہ تاثر دیا گیا کہ ندوہ کے مخالف صرف مولانا عبدالقادر بدایونی، خواجہ عبدالصمد سہسوانی اور مولانا احمد رضا بریلوی ہیں۔ ورنہ تمام علما ومشائخ ندوہ کے حامی ہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی کوشش کی گئی۔ تو قاضی صاحب علیہ الرحمہ اہل ندوہ کے مکروفریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے میدان میں آئے اور آپ نے اس شرانگیز پروپیگنڈے کی اس طرح تردید کی کہ ندوہ کی مخالفت میں ڈھائی سو سے زائد علما ومشائخ کے خطوط شائع کیے اور یہ ثابت کردیا کہ ندوہ کے مخالف چند علمائے مذکور ہی نہیں بلکہ سواد اعظم اس تحریک کا مخالف ہے۔

اسی موقع پر آپ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ندوہ کی تردید اور اس کے شر سے اہل اسلام کی حفاظت کے لیے ایک اخبار جاری کیا جائے۔ چناں چہ آپ نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں پہلی بار خط لکھا اور اس میں اپنے اس ارادہ کا ذکر کیا۔ آپ رقم طراز ہیں:

''ناصر ملت مصطفویہ، حامی مذہب حنفیہ، جناب مولانا الاجل، مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مدظلہ العالی، تسلیم۔ محض غائبانہ اخوت اسلامی وحمایت مذہب حنفیہ کی جہت سے یہ خط لکھ رہا ہوں اور مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی کو بھی لکھ رہا ہوں۔ جلسۂ ندوہ سے میں سخت بیزار ہوں اور شاید حضور اس کے مخالف ہیں۔ لہٰذا موافقت فی المخالفۃ وحمایت مذہب حنفیہ کی جہت سے لکھتا ہوں کہ ایک اخبار تردید مذہب باطل ومخالفت ندوہ میں نکالنے والا ہوں۔ آپ سرپرستی کریں۔ مذہب حنفیہ کو حق سمجھتا



ہوں اور ندوہ کو باطل، اگر آپ لوگ آمادہ ہوں تو ''ندوۂ حنفیہ'' پٹنہ میں بفضلہٖ قائم کروں۔ خادم عبدالوحید صدیقی۔ ۹رذی قعدہ ۱۳۱۳ھ۔''

''تحفۂ حنفیہ'' نے حمایت اسلام وتائید سنت اور اماتت بدعت وضلالت کے سلسلہ میں زمانہ دراز تک غیر معمولی اور موثر ترین خدمات انجام دیں۔ اس کی برکت سے ندوہ کا زور ٹوٹا اور بہت مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت کی بہت سی تصنیفات بھی اس ماہ نامہ کے ذریعہ منظر عام پر آئیں۔ چناں چہ اس کے شمارہ دس جلد ایک میں اعلیٰ حضرت کی مبارک تصنیف ''سل السیوف الهندية على كفريات بابا النجدية'' پہلی بار ڈھائی سو کی تعداد میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ایک سلسلہ جاری ہوگیا اور مطبع حنفیہ سے اعلیٰ حضرت کی ستر کتابیں شائع ہوئیں۔ آپ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' بھی پہلے تحفۂ حنفیہ ہی میں شائع ہوا جو محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو شروع ہوکر ماہ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ میں اختتام کو پہنچا۔ (۱۹)

اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ومعتمد علیہ حضرت مولانا محمود جان صاحب جام جودھ پوری علیہ الرحمہ اپنی تصنیف ''ذکر رضا'' میں دربار اعلیٰ حضرت تک اپنی رسائی کے بیان کے ضمن میں ''تحفۂ حنفیہ'' کی وقعت وافادیت کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

''قلب حزیں میں مدت دراز سے یہ خیال نہایت استحکام کے ساتھ تھا کہ جب تک مرشد کامل، جامع الفضائل نہ ملے گا بیعت نہ کروں گا۔ مثل مشہور ہے ''جوئندہ یابندہ'' طلب صادق درکار، پس یار آید درکنار۔ ناگاہ رسالہ حادی دین وملت، ماحی شرک و بدعت، تحفۂ حنفیہ جو پٹنہ عظیم آباد سے ماہ بہ ماہ بہ اہتمام حامی سنت، ماحی بدعت جناب مولوی ابوالمساکین محمد ضیاء الدین صاحب متوطن پیلی بھیت مدظلہم ہندوستان وغیر ہندوستان کو اپنے بحر فیض سے سیراب کرتا تھا نظر فقیر سے گزرا۔ چوں کہ رسالہ دین کا سچا خدمت گار اور دل چسپ مضامین اور تحقیقات مذہبی کا خزانہ تھا لہٰذا میں اس کو منگوانے لگا اور نہایت ذوق وشوق سے من اولہا الی آخرہا اس کا مطالعہ کرکے اعلیٰ اعلیٰ مضامین سے مستفیض ہوتا تھا۔ اسی رسالۂ راہ برحق میں اس امام اہل سنت، غواص بحر حقیقت کی فضیلت وجلالت علوم دیکھتے دیکھتے دل نے کامل یقین دلایا کہ اس زمانے میں ایسا کامل مرشد ملنا حیطۂ امکان سے باہر ہے۔'' (اس کے بعد موصوف نے بریلی کی حاضری اور اعلیٰ حضرت سے بیعت ہونے اور اسی وقت خلافت پانے کا حال لکھا ہے۔)

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے ندویوں کی سرکوبی کے لیے ''تحفۂ حنفیہ'' ہی جاری نہیں

کیا بلکہ اور بھی کئی خدمات جلیلہ انجام دیں جو بلاشبہہ سنہرے حروف میں لکھنے کے لائق ہیں۔ آپ نے وسیع پیمانے پر اپنے مشن کو پھیلانے کے لیے احباب اہل سنت کے مشورے سے ۱۳۱۵ھ ہی میں ایک مجلس کی بنیاد ڈالی جس کا تاریخی نام ''مجلس عالی حمایت سنت محمدی'' (۱۳۱۵ھ) رکھا۔ جس کے صدر مولانا فتح محمد مقرر ہوئے اور حکیم یوسف حسن صاحب مہتمم اور خود اس کے نائب مہتمم نامزد ہوئے۔ اس تنظیم کے ساتھ ہی ایک مطبع بھی قائم فرمایا جس کا تاریخی نام ''مطبع اعوان اہل سنت و جماعت'' (۱۳۱۵ھ) رکھا۔ ان دونوں کے قیام کے بعد ہی ''تحفۂ حنفیہ'' کا اجرا عمل میں آیا تھا۔ ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا جس کا نام مدرسہ حنفیہ رکھا گیا۔ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ میں اس کا افتتاح ہوا۔ افتتاحی جلسہ کی صدارت شاہ محمد کمال صاحب رئیس اعظم پٹنہ نے کی اور حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علم دین کے موضوع پر شاندار تقریر فرمائی۔ حضرت مولانا فضل حق بدایونی علیہ الرحمہ (تلمیذ حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادی علیہ الرحمہ) کو صدر مدرس رکھا۔ کچھ دنوں کے لیے حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب الوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسند صدارت کو زینت بخشی۔ ندوہ کے رد و ابطال میں پٹنہ اور کلکتہ میں کئی عظیم الشان اجلاس بھی منعقد کیے جن میں اس عصر کے اعاظم علما و مشائخ نے شرکت فرمائی۔ سرکار اعلیٰ حضرت بھی ان میں تشریف فرما ہوئے۔ (۴۰)

ندوہ شکنی کے لیے حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے اہل سنت نے جو عظیم قربانیاں پیش کیں ان کے بارے میں حضرت مولانا ابوالمساکین ضیاءالدین پیلی بھیتی تحریر فرماتے ہیں:

> ''علمائے کرام نے ندوہ کے رد میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔ تحریری رد میں بھی کامل حصہ لیا۔ قریب دو سو کے کتابیں اور رسالے تصنیف فرما کر مفت تقسیم کیے۔ ایک ہزار کے قریب اشتہاروں کی اشاعت کی۔ جلسوں کی روداد یں طبع کرا کے شہر در شہر پہنچائیں۔ مصارف کا اندازا ایک لاکھ سے اوپر کا ہے۔ پچاس ہزار روپے سے اوپر تو شخص واحد یعنی حضرت مولانا قاضی عبدالوحید رئیس پٹنہ نے خاص اپنی ذات سے خرچ کیے۔ ایسے اہم کار دینی میں مال کی کوئی حقیقت نہ سمجھی۔'' (۴۱)

فتنۂ ندوہ کی سرکوبی میں حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے وہ پر خلوص جد و جہد کی اور آپ کی خدمات کے وہ مبارک ثمرات برآمد ہوئے کہ سرکار اعلیٰ حضرت نے آپ کے لیے ''ندوہ شکن ندوی فگن'' کا خطاب تجویز فرمایا تھا۔ (۴۲)

## قاضی صاحب کی اعلیٰ حضرت کے ساتھ وابستگی:

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ سرکار اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اور انتہائی جاں نثار تھے۔ حمایت سنیت اور اہل باطل کے رد و ابطال میں آپ کے رفیق اور آپ کی تعلیمات کے مخلص و پر جوش مبلغ تھے۔



اعلیٰ حضرت کو بھی حضرت قاضی صاحب سے گہرا قلبی تعلق تھا۔ آپ ان کی دینی خدمات کے بڑے مداح اور قدر دان تھے۔

برادر زادۂ اعلیٰ حضرت، مولانا حسنین رضا صاحب ابن حضرت استاذ زمن علیہم الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

> ''قاضی صاحب مرحوم اعلیٰ حضرت کی محبت میں عشق کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کو بھی قاضی صاحب مرحوم سے انتہائی محبت ہو گئی تھی، مگر اس چرخ گردوں کے نیچے دو دوستوں کو زیادہ دنوں تک جمع رہتے نہیں دیکھا۔ قاضی صاحب مرحوم جوانی ہی میں رحلت فرما گئے۔ اعلیٰ حضرت کو ان کے انتقال کا بڑا صدمہ ہوا انھیں دینی خدمات کے سلسلہ میں اکثر یاد فرماتے تھے۔'' (۴۳)

جب حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے حضرت علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب ''المعتقد المنتقد'' کی طباعت کا ارادہ کیا تو آپ کے پاس جو مطبوعہ نسخہ تھا اور اغلاط سے پر تھا اس کی تصحیح کے لیے آپ نے اعلیٰ حضرت سے رجوع کیا۔ آپ نے اس کی تصحیح بھی فرمائی اور حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے مشورے پر اس کی شرح بھی لکھی جو ''المعتمد المستند'' کے نام سے موسوم ہے۔

اعلیٰ حضرت نے خطبۂ شرح میں اس امر کا ذکر فرمایا اور حضرت قاضی صاحب کی دینی و ملی خدمات کا بھی بیان فرمایا۔ آپ رقم طراز ہیں:

> ''تَوَجَّهَ اِلٰی طَبْعِهٖ طَبْعُ مَنْ تَوَجَّهَ اللّٰه تعالٰی بِتِیْجَانِ الْخَیْرَات ۔ وَجَعَلَهٗ مُوَفَّقًا بَلْ وَقْفًا مَوْقُوْفًا عَلٰی فِعَالِ الْمَبَرَّات ۔ فَكُلَّمَا عَادَ عَلَی السَّدَادِ شِدَّة ۔ اَمَدَّ وَاَعَدَّ لِسَدِّهَا عُدَّة ۔ وَهُوَ الْوَحِیْدُ الْفَرِیْد ۔ حَامِی السُّنَن ۔ مَاحِی الْفِتَن ۔ مولانا القاضی عبدالوحید ۔ الْحَنَفِیُّ الْفِرْدَوْسِیُّ الْعَظِیْم ابادی ۔ اَیَّدَهُ اللّٰهُ وَاَیَّدَهٗ بِالْاَیْدِیْ وَالْاَیَادِیْ ۔ وَجَعَلَ تَصْحِیْحَهٗ اِلٰی هٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِیْف ۔ فَلَمْ یَسَعْنِیْ اِلَّا امْتِثَالُ اَمْرِهِ الْمُنِیْف ۔ (۴۴)

اس اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ ''المعتقد المنتقد'' کی طباعت کی طرف اس کی طبیعت متوجہ ہوئی جسے اللہ تعالیٰ نے بھلائیوں کے تاج پہنائے۔ اور اس کو اعمال خیر کی توفیق بخشی۔ بلکہ اس کو امور نیک پر ایسا آگاہی رکھنے والا بنایا کہ اس کی زندگی انہی کے لیے وقف ہے۔ تو جب بھی راہ راست پر کوئی شدت آئی اس نے مدد کی۔ اور اس کی روک تھام کے لیے ساز و سامان مہیا کیا۔ وہ ہیں یگانہ، یکتا، حامی سنن، ماحی فتن، مولانا قاضی عبدالوحید حنفی فردوسی عظیم آبادی۔ اللہ انھیں ہمیشہ رکھے اور اپنی قدرتوں

اور نعمتوں سے ان کی مدد فرمائے اور انھوں نے اس کتاب کی تصحیح کی ذمہ داری اس عبد ضعیف کے سپرد کی۔ تو میرے لیے ان کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

اعلیٰ حضرت کئی بار حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے وطن بھی تشریف لے گئے تھے۔ پہلا سفر حضرت قاضی صاحب کی دعوت پر ان جلسوں میں شرکت کے لیے تھا جو قاضی صاحب اور ان کے احباب نے ندوہ کی طرف سے پٹنہ میں ہونے والے اجلاس کے رد و ابطال میں منعقد کیے تھے۔ یہ اجلاس ۷/رجب ۱۳۱۸ھ میں منعقد ہوئے تھے۔ (۲۵)

دوسری بار پٹنہ جانے کی یہ صورت ہوئی کہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت حاجی لعل محمد خاں صاحب علیہ الرحمہ اور قاضی صاحب نے کلکتہ میں بھی اہل ندوہ کے رد میں شان دار اجلاس منعقد کیے۔ یہ اجلاس ۲۱/تا ۲۶/شعبان ۱۳۱۹ھ میں منعقد ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی ان جلسوں میں شرکت فرمائی اور کلکتہ ہی سے قاضی صاحب کی دعوت پر پٹنہ تشریف لائے۔ اس سفر میں قاضی صاحب نے اپنی اہلیہ محترمہ کو اعلیٰ حضرت کے دامن کرم سے وابستہ کرایا۔ (۲۶)

اور پٹنہ کا تیسرا سفر آپ نے اس وقت فرمایا جب کہ قاضی صاحب کے سفر آخرت کا وقت قریب آ گیا تھا۔ ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو بہار یونی ورسٹی، مظفر پور بہار نے اس سفر کا حال یوں بیان کیا ہے:

''اعلیٰ حضرت کو جب قاضی صاحب کی شدید علالت کی اطلاع ملی تو آپ عازم پٹنہ ہوئے۔ ۱۸/ربیع الاول ۱۳۲۶ھ کو آپ کا ورود مسعود ہوا۔ فوراً قاضی صاحب کے پاس پہنچ کر ان کی مزاج پرسی کی۔ دیر تک ان کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ وقت موعود آ پہنچا۔ ۱۹/ربیع الاول شب چہار شنبہ کو دو بجے قاضی صاحب نے کمال فرح و سرور کی حالت میں قفس عنصری کو چھوڑا۔ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی کے بیان کے مطابق حضرت محدث سورتی نے قاضی صاحب کو غسل دیا۔ اور اعلیٰ حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر خاص میں یہ دونوں حضرات اترے۔ اس حقیر (مولانا ضیاء الدین) اور شاہ بغدادی نے جنازہ چارپائی سے اٹھا کر ان دونوں صاحبان کو دیا۔ قبر میں رکھنے کے بعد امام احمد رضا نے مرحوم کے چہرے سے پردہ ہٹا کر فرمایا کہ ''حضرت دیکھیے! دین کی سچی مدد کرنے والوں کی بعد وفات حالت حیات سے بڑھ کر پاکیزہ ہو جاتی ہے۔'' پکی درگاہ موضع جھلی شریف ضلع پٹنہ میں حضرت شیخ شہاب الدین عرف پیر جگجوت کے مزار کے داہنی جانب قاضی صاحب مدفون ہوئے۔ یہ جگہ پٹنہ شہر سے پانچ میل پورب میں واقع ہے۔'' (۲۷)



اعلیٰ حضرت کے اس سفر کی تصدیق قاضی عبد الودود کی خود نوشت سوانح (میں کون ہوں میں کیا ہوں، صفحہ ۴) سے بھی ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''قاضی عبد الوحید کی وفات ۱۹/ربیع الاول ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ ان کے مرض الموت میں بریلوی صاحب ہمارے یہاں آئے تھے۔ اور ان کے چہارم کے بعد واپس گئے تھے۔''

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ پٹنہ صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ لیکن ان کے نام کے ساتھ ''عظیم آبادی'' کا لفظ دیکھ کر وہ لوگ جو حقیقت سے واقف نہیں ہیں الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں لہذا یہ وضاحت مفید رہے گی کہ پٹنہ شہر کو پہلے ''عظیم آباد'' کہا جاتا تھا۔ اسی قدیم نام کی نسبت سے آپ کو عظیم آبادی لکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحب کو اپنی رضا و غفران کی نعمتوں سے نوازے اور آپ کے مراتب کو بلند فرمائے۔ آمین۔

**ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرت سر:**

ہفت روزہ ''الفقیہ'' فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد شریف صاحب کوٹلوی علیہ الرحمہ نے جاری فرمایا تھا۔ (۲۸) تاریخ اجرا ۷/جولائی ۱۹۱۸ء ہے۔ اس کے ایڈیٹر حضرت مولانا حکیم ابو الریاض معراج الدین علیہ الرحمہ تھے۔ ہر ماہ کی ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸/تاریخوں میں امرت سر سے شائع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہوتی تھی ''ہندوستان بھر میں اہلسنۃ والجماعۃ کا واحد آرگن'' ۲۱/اگست ۱۹۴۲ء کے شمارہ میں سالانہ زر تعاون چار روپے مرقوم ہے۔ (لیکن اعلیٰ حضرت کے دور میں سالانہ قیمت تین روپے تھی جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا) (۲۹) پہلے اس کا وقفۂ اشاعت پندرہ یوم تھا۔ ماہ جون ۱۹۲۲ء سے ہفت روزہ ہوا۔ (۳۰)

یہ اخبار نظریہ قیام پاکستان کا ایسا پرزور حامی تھا کہ تقسیم ملک اور قیام پاکستان سے پہلے ہی اس پر امرت سر کے ساتھ لفظ پاکستان کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ چناں چہ ''الفقیہ'' بابت ۲۱/اگست ۱۹۴۲ء کے ٹائٹل پر ''الفقیہ امرت سر پاکستان'' مکتوب ہے۔

یہ ہفت روزہ اپنے دور میں اہل سنت و جماعت کا مشہور و معروف اور گراں قدر اخبار تھا۔ عقائد و معمولات اہل سنت کی تائید و اشاعت اور فرق ہائے باطلہ رافضی، وہابی، قادیانی اور چکڑالوی کا رد و ابطال اس کے اصل اغراض و مقاصد تھے۔ سرورق پر اس طرح اغراض و مقاصد درج ہیں:

(۱) اہل اسلام عموماً اور احناف کی خصوصاً حمایت کرنا۔
(۲) فرق ہائے جدیدہ کے اعتراضات کا دنداں شکن جواب دینا۔
(۳) اسلامی و ملکی خبروں کی اشاعت۔

(۴) گورنمنٹ اور رعایا کے حقوق کی نگہداشت۔ (۳۱)

جناب سید صابر حسین شاہ بخاری قادری تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ہفت روزہ سنی صحافت میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اسے علما کی حمایت حاصل تھی۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اس پر تقریظ لکھی۔ جو سنی صحافت کی حوصلہ افزائی کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔'' (۳۲)

اعلیٰ حضرت نے اس ہفت روزہ کا مالی تعاون بھی فرمایا اور ایک شرط کے ساتھ آئندہ بھی اس تعاون کے جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ حضرت مولانا مقبول احمد مصباحی لکھتے ہیں:

''الفقیہ امرت سر'' اخبار کا اجرا ہوا۔ اخبار کے مدیر نے امام احمد رضا سے اس کی اعانت و ترقی کے لیے اپنی نگہ عنایت کو منعطف کرنے کی درخواست کی۔ امام احمد رضا نے اپنے اہل خانہ سے بارہ افراد کو اس کا سالانہ ممبر بنادیا اور تین روپے سالانہ فی کس کے حساب سے ۳۶؍روپے ارسال کردیے۔ اور یہ صراحت بھی تحریر فرمادی کہ ''ہمارا یہ تعاون اخبار کے ساتھ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اخبار خالص اسلامی فکر و عقیدہ اور اہل سنت کے عقائد کی ترجمانی کرتا رہے گا۔ جوں ہی اس میں فرق آئے گا احمد رضا قلم کے ساتھ ساتھ اپنا ہاتھ بھی کھینچ لے گا۔'' (۳۳)

''احمد رضا قلم کے ساتھ ساتھ اپنا ہاتھ بھی کھینچ لے گا'' یہ جملہ بتارہا ہے کہ اعلیٰ حضرت قلمی طور پر بھی اس اخبار کا تعاون فرماتے تھے۔ یا تو اس طور پر کہ اپنی تحریر کے ذریعہ مسلمانان اہل سنت کو اس کی طرف ملتفت فرماتے ہوں یا بایں طور کہ آپ کی تحریریں اس کی زینت بنتی ہوں۔

اس میں ممتاز اہل قلم کے مفید اور اہم مضامین شائع ہوتے تھے۔ شمارہ ۲۸؍مارچ ۱۹۳۰ء میں مرزا قادیانی کے رد میں حضرت قاضی فضل احمد صاحب علیہ الرحمہ کا مضمون چھپا جس میں آپ نے قادیانی کے بہ قلم خود الہامات اور پیش گوئیوں کا جائزہ لیا اور حقائق و واقعات کی روشنی میں ان کا صاف جھوٹا ہونا ثابت کیا۔ (۳۴)

۱۹۳۴ء میں ایک قادیانی نے ایک چار ورقی کتابچہ شائع کیا جس کا عنوان تھا ''علمائے سوء کے کارنامے'' حضرت قاضی فضل احمد صاحب نے جواب میں مضمون لکھا۔ عنوان تھا ''مرزائی بیدادی علما کے خارنامے بہ جواب علمائے سوء کے کارنامے'' یہ مضمون ''الفقیہ'' میں قسط وار شائع ہوا۔ (۳۵)

## اعلیٰ حضرت کے ساتھ وابستگی:

حضرت مولانا محمد شریف صاحب علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے خلیفہ و مجاز طریقت تھے۔ آپ کوٹلی لوہاران (پنجاب) کے باشندے ہیں۔ فقہ میں آپ کو امتیازی شان حاصل تھی



اس لیے ''فقیہ اعظم'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔

اعلیٰ حضرت کے عہد میمون ہی میں بعض بے علم محض دنیا طلبی کے لیے وعظ گوئی کرتے اور اطراف ہندوستان میں دورے کرتے اور بارگاہ اعلیٰ حضرت سے اپنی نسبت ظاہر کرتے جس کی وجہ سے محبین اعلیٰ حضرت ان کے دھوکہ میں آجاتے۔ اعلیٰ حضرت کو اس امر کا علم ہوا تو آپ نے ماہ نامہ ''الرضا'' بابت ربیع الآخر و جمادی الاولی ۱۳۳۸ھ میں ایک اعلان چھپوایا۔ یہ اعلان ماہ نامہ ''الرضا'' کے تعارف میں مذکور ہو چکا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی مدیر ماہ نامہ ''الرضا'' حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی یادداشت کے مطابق پچاس علمائے کرام کے اسمائے گرامی لکھے اور ان کے بارے میں لکھا کہ ''ان حضرات کا علاقہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ہے۔ ان سے جو بفضلہ تعالیٰ علم میں کامل ہیں مسائل پوچھے جائیں اور ان کا بیان بھی سن کر فیض پائیں'' اس فہرست میں حضرت مولانا محمد شریف صاحب کا اسم گرامی بھی ہے جو اس طرح مرقوم ہے ''جناب مولانا مولوی محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاران مغربی ضلع سیال کوٹ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔''

## ہفتہ وار اخبار ''اہل فقہ'' امرت سر:

یہ اخبار ماہ جمادی الآخر ۱۳۲۴ھ میں جاری کیا گیا۔ (۳۶) ہر جمعہ مبارک کو شائع ہوتا تھا۔ ایڈیٹر حضرت مولانا غلام احمد اخگر علیہ الرحمہ تھے۔ آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کی نگرانی میں امرت سر ہی میں تعلیم حاصل کی۔ آپ ایک اچھے عالم و فاضل تھے۔ (۳۷) سب ایڈیٹر حکیم علی محمد صاحب تھے۔ (۳۸) سالانہ قیمت دو روپے اور فی شمارہ چھ پائی تھی۔ امرت سر سے غیر مقلدین کا ایک ہفتہ وار اخبار ''اہل حدیث'' نکلتا تھا جس کے ایڈیٹر مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرت سری تھے۔ ''اہل فقہ'' دراصل اسی کا رد و جواب تھا۔

راقم کو ''اہل فقہ'' جلد اول اور جلد دوم کے چند شمارے دست یاب ہوئے۔ انھی کی روشنی میں مذکورہ اور آئندہ معلومات بہم ہوئیں۔ (۳۹) ان شماروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار ''اہل فقہ'' کا مطمح نظر معتقدات اہل سنت کا احقاق، علم فقہ کی حمایت، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقاہت و فضائل کا بیان، تقلید کا اثبات اور فرق ضالہ خصوصاً غیر مقلدین کا رد اور ان کے مکائد و مفاسد سے اہل اسلام کو آگاہ کرنا تھا...... میرے مطالعہ میں جو شمارے آئے ان میں سے کوئی بھی ایسا نظر نہ آیا جو گم راہ فرقوں کے رد کی اہم و عظیم خدمت سے خالی ہو۔

مراسلات، مسائل فقہیہ، ری ویو (تبصرہ بر کتب) اسلامی خبریں اور اصلاح رسوم قبیحہ، مستقل عنوان تھے۔ مراسلات میں ماہر اہل قلم کے مفید ترین مضامین شائع ہوتے تھے۔

اور اداریہ تو غیر مقلدین بالخصوص مدیر اخبار ''اہل حدیث'' مولوی ثناء اللہ امرت سری کی

ہفوات وخرافات کے رد ہی کے لیے وقف تھا۔ اہل حدیث کی غلط بیانی، اہل حدیث کی بے بسی، یا رسول اللہ، بئس للظلمین بدلا، اجتہاد وتقلید، یہ چند اداریوں کے عنوانات ہیں۔

اخبار اہل فقہ سے پہلے مدیر ''اہل حدیث'' احناف کے بارے میں خوب ہرزہ سرائی کرتا تھا لیکن اخبار ''اہل فقہ'' نے اس کے تمام کس بل نکال دیے اور اس کی ایسی بولتی بند ہوئی کہ اس کے ہم مذہب ایڈیٹر ''اخبار شحنۂ ہند'' نے اس کی خاموشی پر اس کو خوب ملامت ونفریں کی اور اہل فقہ کا جواب دینے کے لیے اپنے تعاون کی پیش کش کی۔

مدیر ''اہل فقہ'' مولوی غلام احمد صاحب اخگر جلد اول شمارہ چھ شوال ۱۳۲۴ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۰۶ء کے اداریہ میں بہ عنوان ''اجتہاد اور تقلید'' صفحہ نمبر ۳ پر لکھتے ہیں:

''اخبار ''اہل فقہ'' قریباً ساڑھے تین ماہ سے جاری ہے۔ اس نے نہ صرف علم فقہ کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے بلکہ اس امر کا تہیہ کر لیا ہے کہ وقتاً فوقتاً مخالفین کو دنداں شکن جوابات دیے جائیں گے۔ چناں چہ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ اس خادم ملت پرچہ نے اب تک علم فقہ کی کہاں تک خدمت کی ہے۔ ''اخبار اہل حدیث'' جو اس سے پہلے صرف مضامین پر اکتفانہ کرتا تھا بلکہ دوسرے لوگوں کے نام سے اشتہارات شائع کر کے حنفیوں کی دل آزاری پر تلا رہتا تھا، اجراے اخبار کے دن سے اپنی روش سے باز آنے کی طرف مائل تھا۔ اور اس کا ایڈیٹر ہمارے دوستوں سے کہا کرتا تھا کہ ہم اہل فقہ کی کسی بات کا جواب نہ دیں گے۔

جواب نہ دینے کی وجہ صرف یہی نہ تھی کہ اب پہلے کی طرح میدان خالی نہ تھا بلکہ جو کچھ لکھتے اس کا جواب اس طرف سے تیار ملنے کی امید تھی۔ بلکہ کچھ قافیہ بھی تنگ ہو رہا تھا۔ مگر چند ہفتے ہوئے کہ ایڈیٹر اخبار ''شحنۂ ہند'' میرٹھ نے ایڈیٹر اخبار ''اہل حدیث'' کو لکھا تھا کہ ''اہل فقہ'' میں بخاری کی احادیث پر جو زور شور سے جرح ہو رہی ہے ''اہل حدیث'' اس کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ ایڈیٹر ''شحنۂ ہند'' نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اس سے جواب نہیں بن پڑتا تو ایڈیٹر شحنۂ ہند سے ملتجی ہو جائے وہ اسے جواب لکھ کر روانہ کر دے گا۔ وہ اپنے ''ایڈیٹوریل'' میں درج کرا دے۔

''شحنۂ ہند'' اور ''اہل حدیث'' کے اس باہمی سمجھوتہ کے بعد بعض دوستوں نے ہمیں کہا کہ اہل حدیث کے ایڈیٹر سے انھوں نے سنا کہ ''اہل فقہ'' کے مضامین کا جواب بڑے زور شور سے ''اہل حدیث'' میں درج ہوگا۔ ہم نے یہ سمجھا تھا کہ بازاروں میں جو اس قدر لاف زنی کی جارہی ہے ضرور کچھ اثر رکھتی ہوگی۔ غالباً



ایڈیٹر ''شحنۂ ہند'' میرٹھ نے کوئی اعلیٰ درجہ کا مضمون ''اہل فقہ'' کے جواب میں لکھ کر دفتر ''اہل حدیث'' میں بھیج دیا ہوگا کیوں کہ یا تو ''چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند'' یا اب مخمور چوہے کی طرح لاف گزاف۔ بہر حال کوئی نہ کوئی بات ہوگی۔ اب ہم منتظر تھے کہ جلدی جمعہ کا دن آوے تو اس بے نظیر مضمون کے مطالعہ سے سرور حاصل ہو جس کی قبل از وقت اتنی دھوم ہے۔ مگر جب مضمون نکلا تو بے ساختہ زبان سے نکلا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

ایک دوسرے مقام پر ایڈیٹر ''اہل حدیث'' کی تعلّیوں کا جواب دیتے ہوئے اس کی بعض جہالتوں کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو شرم وغیرت دلاتے ہیں:

''اخبار اہل حدیث کے ایڈیٹر نے مدرسوں کی سندات پیش کر کے مطالبہ کیا ہے کہ ہم بھی مدرسوں کی سندات پیش کریں۔ واضح ہو کہ میں نے امرت سر میں اساتذہ سے تعلیم پائی۔ اور میرے والد مرحوم موجود تھے۔ انھوں نے کوشش وجاں فشانی سے مجھے کچھ نہ کچھ تعلیم دلائی۔ میں اپنے والد مرحوم کی سرپرستی میں تھا نہ مجھے روٹیوں کی فکر تھی کہ ان کی تنگی کے باعث کان پور و دیو بند کی خاک چھانتا۔ بایں ہمہ مجھے دعویٰ نہیں کہ میں کچھ جانتا ہوں۔ کیوں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ انا خیرٌ کے دعوے نے ابلیس کو لعنتوں کا مستحق ٹھہرایا۔ اسی واسطے کسی بزرگ نے فرمایا ہے ؏

خودستائی پیشۂ شیطاں بود

ایڈیٹر صاحب! آپ سندوں کو تہہ کر کے کسی ردی خانہ میں پھینک دیجیے یا ان کو شہد لگا کر چاٹ لیجیے۔ یہاں تو قابلیت درکار ہے نہ کہ اسناد۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ

''آدمی را بہ چشم عبرت نگر''

جب کہ آپ بہ قول حکیم غلام رسول صاحب یَـعْـدِر کو بـعـدر پڑھا کرتے ہیں۔ اور سہو کاتب کا عذر پیش کرتے ہیں۔ تو فرمایے آپ کی سندیں کس کام کی۔ براے خدا دیو بند اور کان پور کے مدرسوں کو بدنام نہ کیجیے۔ کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ ایسی سندیں حاصل کر کے لفظ صحیح نہیں پڑھ سکتے۔

ہاں یہ تو فرمایے کہ ما لکم علیہن من عدۃ سے بیوہ کو عدت سے آزاد کرنے کا اجتہاد آپ نے دیو بند کے مدرسے سے سیکھا تھا یا کان پور کے مدرسے سے۔ شرم، شرم، شرم۔

جناب عالی اپنی قابلیت پیش کیجیے اور ''اہل فقہ'' کے مضامین کا جواب دیجیے۔ صرف سندیں دیکھنے سے آپ کے نام لیوا خوش نہیں ہو سکتے۔ جواب سے دل کیوں چراتے ہیں؟'' (۴۰)

اخبار ''اہل فقہ'' میں ان خرافات کا بھی دنداں شکن جواب دیا جاتا جو اعلیٰ حضرت کے تعلق سے اخبار ''اہل حدیث'' میں شائع کی جاتیں۔ یہاں نمونۂ صرف ایک مضمون نقل کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے دوسرے حج و زیارت کے موقع پر مخالفین نے یہ افواہ اڑائی کہ انھیں مقید کر دیا گیا۔ اور پنجاب کے کچھ اخبارات نے اس کو شائع بھی کیا۔ محبانِ اعلیٰ حضرت نے حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب الہ آبادی مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے اس سلسلہ میں رابطہ کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ خبیثوں کا خبیث جھوٹ ہے۔ اس جھوٹ کا رد بھی شائع کر دیا گیا مگر اس کے باوجود اعلیٰ حضرت کی واپسی کے بعد مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے اخبار ''اہل حدیث'' میں کچھ لایعنی باتیں لکھیں۔ اس کے رد وابطال میں اخبار ''اہل فقہ'' نے جناب قاری غلام رسول صاحب (کراچی) کی ایک تحریر شائع کی جس کا عنوان تھا ''ایڈیٹر اہل حدیث و مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی'' وہ لکھتے ہیں:

''ناظرین اہل حدیث بہ خوبی جانتے ہوں گے کہ ایڈیٹر صاحب ''اہل حدیث'' کے کسی پرچہ میں یا غالباً دس اگست کے پرچہ میں حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں جس کی عبارت بلفظہ درج کی جاتی ہے۔

''مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مکہ شریف سے وطن میں آ گئے ہیں لیکن آج تک خاں صاحب نے مواخذۂ مکہ کی تکذیب نہیں کی۔ اور نہ کر سکتے ہیں۔ جب تک مولوی صاحب خود تکذیب نہ کریں کسی دوسرے ایرے غیرے کی بات کا اعتبار نہیں۔ فقط''

نہ معلوم ایڈیٹر صاحب کو ان سے ذاتی خصومت ہے یا کیا۔ واللہ اعلم کہ کس عنایت سے ایڈیٹر صاحب نے اس شہسوار میدان احیائے سنت، وغضنفر بیابان اماتت کفر و بدعت کی بہ عافیت وصحت وطن میں آنے کی خبر بھی تحریر کی۔ غالباً مولانا صاحب کے نظر بند کیے جانے کی خبریں سن کر ہمارے حضرات اہل حدیث پھولے نہ سماتے ہوں گے لیکن جب بہ عافیت وصحت وطن لوٹ آنے کی خبر شنید میں آئی اور شائع کرنا پڑی تو کچھ نہ کچھ خوئے غیر مقلدیت ظاہر کرنا پڑی۔ بہ جز اس کے اور کیا کہہ سکتے تھے کہ مولانا صاحب نے آج تک اس خبر کی تکذیب نہ کی اور نہ کر سکتے ہیں۔ واہ رے تعصب۔ مگر ایڈیٹر صاحب نے خلاصۂ واقعہ مولانا صاحب کا آج تک نہ لکھا



بلکہ اس آخری لفظ میں بھی تعصب کو نہ چھوڑا؟ باوجودیکہ دیگر اخبارات و رسائل نے بہ خوبی تکذیب و تردید کی مثل تحفۂ حنفیہ و معزز وطن و اہل فقہ، وغیرہ۔

چناں چہ مولوی حکیم حافظ محمد عبدالحمید صاحب فرخ دہلوی ایڈیٹر ''سلطان الاخبار'' و ''بمبئی پنچ بہادر'' نے اپنے اخبار بمبئی پنچ بہادر میں جو ہفتہ وار شائع ہوتا ہے مولانا صاحب فاضل بریلوی کے متعلق مضمون شائع کیا ہے۔ وہ خود مولانا صاحب کے کلام ہی کا خلاصہ ہے ایڈیٹر ''پنچ بہادر'' صاحب صفحہ ۴ ر کالم ۳ ر میں اول سرخی میں یہ مصرع مرقوم فرماتے ہیں ؏

''باطل است آنچہ مدعی گوید''

مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے متعلق جو پنجاب کے اخبارات میں افواہیں اڑی تھیں کہ علم غیب کی بدولت وہ نظر بند کر دیے گئے ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ہم خود بے چین تھے۔ اس لیے ہم مولانا صاحب ممدوح کی خدمت میں گئے۔ باوجودیکہ ان کے خلاف پنجابی اخبارات کے حوالہ سے ''پنچ بہادر'' میں بھی مضمون شائع ہو چکا تھا مگر وہ ہم سے بہ اخلاق و کرم پیش آئے۔ اس واقعہ کے متعلق انھوں نے فرمایا کہ یہ سب دشمنوں کا افترا ہے جب میری تحریر کا جواب نہیں دے سکتے تو جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے بدخبریں اڑاتے ہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا: میرے رسالہ علم غیب کے متعلق مکہ معظمہ میں غوغا ضرور ہوا تھا اور شریف صاحب نے بازپرس بھی کی تھی مگر میں نے اپنی تحریر کو بہ خوبی ثابت کر دیا۔ اس پر شریف وجد میں آ گئے اور غصہ کے ساتھ مخالفوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اللہ یعطی وھؤلاء یمنعون (اللہ دیتا ہے اور یہ لوگ مانع ہوتے ہیں) اس پر مخالفین شرمندہ ہوئے اور پھر طرح طرح کے شگوفے کھلانے لگے۔ فقط۔

یہ ہے پورا سچا واقعہ فاضل بریلوی صاحب کا۔ اور کہاں مواخذہ کیے جانے و مقید و نظر بند کیے جانے کا نا قابل ثبوت طومار۔ فافھم (۴۱)

## ایڈیٹر اخبار ''اہل فقہ'' کی اعلیٰ حضرت کے ساتھ وابستگی:

ایڈیٹر اخبار ''اہل فقہ'' حضرت مولانا غلام احمد صاحب اخگر علیہ الرحمہ کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے لیکن اخبار کے مشمولات اور اداریوں سے واضح طور پر ثابت ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے ہم عقیدہ و ہم مسلک تھے۔ آپ سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اور آپ کے بڑے مخلص اور پرجوش

حامی تھے۔ آپ نے ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے ساتھ ''تحریک انسداد ارتداد'' میں بھی حصہ لیا تھا۔

آپ نے ''اہل فقہ'' جلد دوم ۳ / رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ کی اشاعت کے اداریہ میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف کے جلسۂ دستار بندی کا خود اپنا آنکھوں دیکھا حال رقم کیا ہے۔ یہ جلسے تین دن جمعہ، شنبہ، یک شنبہ میں ہوئے تھے۔ اور ہر دن دو مجلسیں ہوئیں۔ ایک دن میں دوسری شب میں۔ ''اہل فقہ'' میں تینوں دن کی مفصل رپورٹ سپرد قرطاس کی گئی ہے لیکن یہاں صرف دو دن کی روداد نقل کی جاتی ہے۔ کہ ہمارا مقصود اسی سے متعلق ہے۔ اس مضمون سے مدیر ''اہل فقہ'' کی اعلیٰ حضرت کے ساتھ محبت وعقیدت و نیاز مندی اور ربط وتعلق ثابت ہوتا ہے۔ خود ان کے علم وفضل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ زمانۂ اعلیٰ حضرت میں منظر اسلام کے احوال بھی معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس دور میں دینی جلسوں کا مزاج کیا تھا اور ان کے آغاز واختتام کے اوقات کیا تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بریلی میں کچھ عرصہ سے اہل سنت و جماعت کا ایک مدرسہ زیر اقتدار اعلیٰ حضرت، حامی سنت، ماحی بدعت، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع و اصول، حضرت مولانا، الحاج محمد احمد رضا خاں صاحب الملقب بہ عبدالمصطفیٰ دام برکاتہم جاری ہے۔ اس مدرسہ کا نام منظر اسلام ہے۔ اور عام طور پر ''مدرسہ اہل سنت و جماعت'' کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۱،۱۲،۱۳/ شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ کو بہ مقام بریلی مسجد بی بی جی صاحبہ میں اس مدرسہ کے طلبا کی دستار بندی کا جلسہ ہوا۔ اگرچہ جلسہ کی خوبیاں صرف دیکھنے پر منحصر تھیں، اور جو لطف جلسہ کے حاضرین کو حاصل ہوا وہ سامعین کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ تاہم بالاختصار جلسہ کے حالات درج اخبار کیے جاتے ہیں۔

۱۱/ شعبان المعظم یوم جمعہ اس عظیم الشان جلسہ کا پہلا دن تھا۔ اس روز دور دراز مقامات کے علمائے کرام جو مدعو تھے آنا شروع ہوگئے تھے۔ صبح کے سات بجے جلسہ کا افتتاح ہوا۔ جناب مولانا الحاج حامد رضا خاں صاحب خلف الرشید عالی جناب فاضل بریلوی مدظلہ نے اپنے بیان فیض ترجمان سے اس مبارک جلسہ کا افتتاح فرمایا اور مختصر حالات مدرسہ خدا بیان فرمانے کے بعد درود شریف پڑھایا گیا۔ اس کے بعد صاحب زادہ فاروق رضا طال عمرہٗ نے قرآن شریف کا ایک رکوع تلاوت کیا۔ صاحب زادہ صاحب کی صغر سنی، اس پر قرآن شریف کا اعلیٰ اصول قراءت وتجوید کے ساتھ پڑھنا مدرسہ کی اعلیٰ تعلیم کا نقشہ کھینچ رہا تھا۔ ان کے بعد اس ترتیب سے علمائے کرام نے وعظ بیان فرمائے۔



(۱) مولانا مولوی فضل حق صاحب پیلی بھیت

(۲) مولانا مولوی محمد عبدالسلام صاحب جبل پوری

نماز جمعہ کے بعد اگرچہ کوئی اعلان نہیں کیا گیا تھا کہ جلسہ ہوگا بلکہ کہہ دیا گیا تھا کہ بعد نماز مغرب جلسہ شروع ہوگا۔ مگر لوگوں نے بعد نماز اصرار کیا کہ ضرور اس وقت بھی وعظ ہو۔ اس لیے مجبوراً پھر جناب مولانا مولوی فضل حق صاحب پیلی بھیتی ممبر پر تشریف لائے۔ اور دیر تک اپنے موثر بیان سے حاضرین کو مستفیض فرماتے رہے۔'' اس کے بعد نیاز مند کو ارشاد ہوا۔ حسب الارشاد بزرگان دین کے اس خاکسار نے فرق ہائے ضالہ کی تردید اور مدرسہ کی ضرورت کو ظاہر کیا'' اور نماز عصر کے لیے جلسہ برخاست ہوا۔

نماز مغرب کے بعد مولانا جناب مولوی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب (چھچھوند ضلع اٹاوہ) نے عمدہ وعظ فرمایا۔ ان کے بعد عالی جناب، معلی القاب، صاحب زادہ محمد احمد اشرف میاں صاحب (کچھوچھہ شریف) نے وعظ فرمایا۔ وعظ کیا تھا رحمت کا دریا تھا جو امڈا چلا آرہا تھا۔ رات کے گیارہ بج گئے مگر نہ تو مولانا کا بیان ختم ہوا اور نہ ہی حاضرین کو سیری حاصل ہوئی۔ مگر دیر ہوجانے کے باعث جلسہ برخاست کرنا پڑا۔

(یک شنبہ کے جلسہ کا حال اس طرح بیان کیا ہے) یک شنبہ کے دن کا جلسہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اگرچہ گزشتہ دنوں کے جلسوں میں بھی مسجد کا وسیع صحن پر ہوتا تھا مگر آج کچھ ایسی کثرت ہے کہ قبل از شروع جلسہ ہی لوگوں سے تمام صحن بھر گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آج کے دن حضرت مولانا بالفضل اولیٰنا، حامی سنت، ماحی بدعت حضرت مولانا، حاجی، محمد احمد رضا خاں صاحب دام برکاتہم کا وعظ ہونے والا تھا۔

سب سے پہلے ہمارے لائق دوست مولانا ابوالمنظور حکیم محمد عبدالماجد صاحب بدایونی نے اپنی خوش بیانی سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ ان کے بعد مولانا حافظ محمد اسمٰعیل صاحب نے وعظ فرمایا۔

ان کے بعد حضرت مولانا صاحب تشریف لائے۔ آپ نے نصوص قطعیہ سے حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فضائل بیان فرمائے۔ اور ان اشقیا کی زور سے تردید کی جو معاذ اللہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو شیطان کے علم سے کم درجہ قرار دیتے ہیں۔ نیز ایسے ملعونوں سے ہر مسلمان کو علاحدہ رہنے کی ہدایت

فرمائی۔ حضرت مولانا صاحب کے مبارک وعظ کا نقشہ کھینچنا تو ہمارے امکان سے باہر ہے۔ اس کا لطف صرف حاضرین کے حصہ میں تھا۔ ایک صاحب منشی خلیل الرحمٰن تمام فرق ضالہ کو حق پر سمجھتے تھے انھوں نے حضرت مولانا صاحب کے دست مبارک پر تجدید ایمان کی اور گیارہ آدمی ان سے بیعت ہو کر داخل سلسلہ ہوئے۔

آپ کے وعظ کے بعد جناب مولانا حسن رضا صاحب نے مدرسہ کی رپورٹ سنائی۔ اور مدرسہ کی ایک ضروری غرض سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ کہ غربائے اہل سنت کے لڑکوں کو اردو میں دینیات کی تعلیم اور صنعت وحرفت سکھائی جاوے۔ مدرسہ اپنی قلیل آمدنی کے باعث اس اہم کام کو شروع نہیں کر سکتا۔ اگر ہم دردانِ مدرسہ توجہ فرماویں تو درحقیقت اس تجویز میں کام یاب ہونے پر مدرسہ مسلمانوں کے لیے ازحد مفید ثابت ہوگا، اس کے بعد طلبائے فارغ التحصیل کو علوم کی سندیں عطا کی گئیں اور انعامات تقسیم کیے گئے۔ (دستار بندی کا حال لکھنے کے بعد لکھتے ہیں)

دستار بندی کی رسم ادا ہونے کے بعد حضرت فاضل بریلوی دام برکاتہم نے مدرس اعلیٰ کو مبارک باد دی کہ ان کی حسن سعی نے عمدہ نتائج پیدا کیے۔ اس کے بعد شب کو آخری اجلاس تھا مگر نیاز مند بہ حکم حضرت فاضل ممدوح (یعنی اعلیٰ حضرت) بدایوں چلا گیا۔ اس لیے اس جلسہ کو خود نہ دیکھ سکا۔ بدایوں سے واپس آنے کے بعد جلسہ کے حالات معلوم ہوئے۔ کہ بعد نماز مغرب نعت خوانی ہوئی اور علی الترتیب جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب و جناب مولانا فاخر الہ آبادی، و حضرت صاحب زادہ محمد اشرف صاحب کا وعظ ہوا اور جلسہ بڑی کام یابی کے ساتھ ختم ہوا۔ (اس کے بعد مذکورہ علما کے علاوہ دیگر شریک جلسہ علمائے کرام کے اسمائے گرامی مذکور ہیں اور ترقی مدرسہ کے لیے دعا ہے۔)

### ہفت روزہ ”دبدبۂ سکندری“ رام پور:

”دبدبۂ سکندری“ رام پور ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں جاری ہوا۔ قیمت فی شمارہ دو آنہ تھی۔ اور سالانہ زر تعاون اس طرح تھا۔ والیانِ ریاست سے پچاس روپے، امرا و بزرگان قوم و وطن سے بارہ روپے، عام شائقین سے چھ روپے اور ساداتِ کرام و علمائے عظام سے چار روپے۔ ”دبدبۂ سکندری“ نے بفضلہٖ تعالیٰ بڑی لمبی عمر پائی۔ ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں جاری ہوا اور ہم نے جس شمارے سے یہ معلومات حاصل کی ہیں وہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ/ ۵ نومبر ۱۹۴۵ء کا شمارہ اور جلد نمبر ۸۳ ہے۔ یعنی اس وقت سن قمری کے حساب سے اس کو جاری ہوئے بیاسی سال ہو گئے تھے۔ آگے نہیں معلوم کہ کب



تک جاری رہا...... اس کے مالک و مدیر جناب شاہ محمد فضل حسن صابری علیہ الرحمہ تھے۔ (۴۲)

جناب شاہ محمد فضل حسن صابری صاحب چودھویں صدی ہجری کے مشہور صحافی تھے۔ آپ شاہ محمد حسن صابری کے فرزند ارجمند تھے۔ نہایت حلیم الطبع، خوش اخلاق، سیر چشم، مستغنی اور ہر دل عزیز تھے۔ سچے عاشق خدا و رسول تھے۔ آپ کے حجرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کا کتبہ آویزاں رہتا۔ اس کے روبرو کھڑے ہو کر دن میں کئی کئی بار صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے۔ موقع ملتا تو کسی نعت خواں کو بلا کر امام احمد رضا کی لکھی ہوئی نعت سنانے کی فرمائش کرتے یا حضرت عارف جامی، حضرت امیر خسرو، حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہم کا کلام سنتے۔ (۴۳)

”دبدبۂ سکندری“ نے قوم و ملت کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۳ء میں آریہ ہندوؤں نے پنڈت شردھانند کی قیادت میں مسلم راج پوتوں کو مرتد بنانے کی مہم چلائی جو ”شدھی تحریک“ اور فتنۂ ارتداد کے نام سے جانی جاتی ہے۔ انھوں نے اس کے لیے لالچ اور دباؤ سب کچھ استعمال کیا تھا۔ اور بہت سے راج پوت مسلمان ان کے فتنے میں مبتلا بھی ہوئے۔ جب حضور مفتی اعظم ہند کو آریوں کے ناپاک عزم کا علم ہوا تو آپ نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے پرچم تلے علما و مشائخ کو ساتھ لے کر تحریک انسداد فتنۂ ارتداد کا آغاز کیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے کارکنان نے اس موقع پر جو عظیم قربانیاں دیں وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے بچانے کے لیے جان و دل سے شبانہ روز جد و جہد کی۔ آریوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور جان ہتھیلی پر رکھ کر ہر اس بستی میں پہنچے جہاں آریوں نے فتنۂ ارتداد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی۔ بفضلہٖ تعالیٰ جماعت رضائے مصطفیٰ کو ہر محاذ پر روشن کام یابی ملی اور آریوں کو شکست و ندامت کا منھ دیکھنا پڑا۔ جن مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی وہ اس فتنہ سے محفوظ رہے اور جو مرتد ہو گئے تھے انھوں نے دوبارہ دولتِ اسلام کو اپنے سینے سے لگایا۔ بلکہ بہت سے غیر مسلم بھی مشرف بہ اسلام ہوئے اور آخر کار ان قربانیوں کا یہ ثمرہ نکلا کہ ”شدھی تحریک“ کا جنازہ نکلا اور قوم مسلم اس طوفان سے محفوظ ہو گئی۔ اس تحریک انسداد فتنۂ ارتداد کا سلسلہ ۱۹۲۳ء سے شروع ہو کر ۱۹۲۶ء تک جاری رہا۔ (۴۴)

اس موقع پر جناب فضل حسن صابری صاحب نے جماعت کا بھرپور تعاون کیا۔ اپنے اخبار کو جماعت کے لیے وقف کر دیا۔ ”دبدبۂ سکندری“ میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی مفصل سرگرمیاں شائع کرتے۔ اس کی حمایت میں مضامین لکھتے، مسلم انجمنوں سے اس کے تعاون کی اپیل کرتے۔ قادیانیوں کے پرچے ”الفضل قادیان ہند“ نے جماعت کے خلاف آواز اٹھائی تو اس کو دنداں شکن جواب دیے۔

جناب مرزا عبدالوحید بریلوی کی کتاب ”حیاتِ مفتی اعظم“ میں ”دبدبۂ سکندری“ کے حوالوں کی مدد سے تحریک انسداد فتنۂ ارتداد کے حالات و واقعات رقم کیے گئے ہیں۔ ”دبدبۂ سکندری“

کے جن شماروں کے حوالے دیے گئے ہیں راقم نے ان کو شمار کیا تو وہ ۲۸ رشمارے نکلے۔ بہت ممکن ہے کہ اور شماروں میں بھی ذکر ہو، جناب عبدالوحید صاحب کو اس قدر ہی دست یاب ہوئے ہوں یا انھیں جو امور اپنی کتاب میں درج کرنے تھے وہ انہی شماروں میں ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کی مکمل تاریخ ''دبدبۂ سکندری'' کے شماروں میں محفوظ ہے اور یہ شمارے رضالائبریری میں محفوظ ہیں۔

ایک موقع پر جماعت کی خبریں نہیں بھیجی جاسکیں تو ''دبدبۂ سکندری'' کی جانب سے اس کی شکایت کی گئی۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز نے ایڈیٹر ''دبدبۂ سکندری'' کو مکتوب گرامی ارسال فرمایا جس میں خبریں ارسال نہ کیے جانے کی وجہ لکھی اور اخبار کی خدمات واعانت کا اعتراف فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں:

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب دبدبۂ سکندری زیدلطفہ، السلام علیکم

اخبار ''دبدبۂ سکندری'' مورخہ ۱۲؍نومبر موصول ہوا۔ ری ویو رودادِ سال سوم جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی نظر سے گزرا۔ مجی! آپ کی مخلصانہ شکایات کا اراکین جماعت مبارکہ اعتراف کرتے ہیں اور اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ حاشا جماعت احسان فراموش نہیں ہے۔ وہ ایسے مخلصین ومحبین ومعاونین کی تہ دل سے ہر آن شکر گزار اور آئندہ نظر کریمانہ کی امیدوار وخواست گار اور طالب دعا بہ بارگاہ سرکار ابد قرار مالک و مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ جماعت مبارکہ میں جس وقت سے شعبۂ تبلیغ کا اضافہ ہوا بے شک اخبار ''دبدبۂ سکندری'' خالص اسلامی درد سے ہمارے ساتھ رہا اور جماعت کے دوش بہ دوش اس کی حمایت، اس کی استعانت، اس کی فلاح و بہبود، اس کی توسیع میں سعی بلیغ فرماتا رہا۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ اگر کسی ہم عصر اخبار مخالف نے حسب عادت قدیمہ جماعت کے خالص اسلامی کام میں روڑا اٹکانا چاہا تو اس کی ایسی سرکوبی کی کہ وہ سر اٹھانے سے مجبور رہا۔ مہربان! بھلا آپ جیسے محسن کے بار احسان سے جماعت سبک دوش ہوسکتی ہے؟ یہ جو کچھ جناب کو شکایت کا موقع ملا محض کارکنان کی قلت اور کام کی کثرت اور سید ایوب علی ناظم وسید قناعت علی امین دفتر کی علالت کے باعث ہوا۔ امید کہ جناب درگزر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ اس کے علاوہ ہم علی گڑھ گزٹ، ومشرق گورکھ پور، ورسالہ اشرفی کچھوچھہ مقدسہ، ومجدد لاہور، وروزانہ اخبار بریلی، واخبار الفقیہ امرت سر، وملت میرٹھ، ومنصور بجنور کے بھی مشکور ہیں کہ یہ جماعت رضائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی حمایت میں مضمون شائع کرتے رہے۔ نیز ان رسائل واخبارات کے بھی ممنون ہیں جن کا صدر دفتر جماعت مبارکہ



بریلی کو بہ وجہ نہ آنے کے علم نہیں۔ اگر ایڈیٹر صاحب ایک ایک کاپی ایسے اخبار کی بہ غرض آگاہی بھیج دیا کریں تو ان کا نام بھی ممبران جماعت کو معلوم ہو جائے۔ جس سے توسیع خریداران اخبار کی قوی امید ہے۔ والسلام مع الاکرام

(دبدبۂ سکندری، ۱۷؍نومبر ۱۹۲۳ء، صفحہ ۴) (۴۵)

## اعلیٰ حضرت کے ساتھ وابستگی:

حضرت مولانا مفتی سید شاہد علی صاحب رضوی رام پوری لکھتے ہیں:

حضرت شاہ فضل حسن صابری کو معاصر علما میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے قلبی عقیدت تھی اور اس قدر گہرا تعلق تھا کہ اکثر بریلی شریف حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت سے شرف ملاقات حاصل کرتے۔ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ، مضامین، اعلانات اور خبریں، اعلیٰ حضرت کے شیوخ عظام، اساتذۂ کرام، تلامذہ، خلفا، صاحب زادگان، دار العلوم منظر اسلام اور جماعت رضائے مصطفیٰ سے متعلق مضامین اور خبریں اپنے اخبار ''دبدبۂ سکندری'' میں پورے اہتمام کے ساتھ شائع فرماتے۔ (۴۶)

اعلیٰ حضرت بھی آپ سے قلبی لگاؤ رکھتے اور آپ پر بڑے کرم فرماتے تھے۔ حضرت مولانا شہاب الدین صاحب رضوی تحریر فرماتے ہیں: ''جب امام احمد رضا، شاہ صابری کے نام خط تحریر فرماتے تو خط کی پیشانی پر یہ کلمہ ضرور لکھتے ''محب علم ودانش'' اپنے یہاں منعقد ہونے والی ہر تقریب کے لیے باقاعدہ دعوت نامہ بھیجتے۔ یہ خطوط آج بھی اخبار ''دبدبۂ سکندری'' میں محفوظ ہیں۔ (۴۷)

شاہ صابری صاحب نے امام احمد رضا کے تعارف میں امام کی حیات ظاہری ہی میں متعدد مضامین تحریر کیے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا جو رتبہ ہے اسے تو آنکھ والوں سے پوچھیے۔ نابینا ہرگز کسی بات کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ یہ بتا سکتا ہے کہ کسی کے قصر فضل وکمال کا کون سا درجہ کس صنف ودست کاری سے بن کر مرتب ہوا ہے بلکہ وہ ساری دنیا کو اپنے ہی مثل جانتا اور سمجھتا ہے۔ (مزید لکھتے ہیں۔)

اعلیٰ حضرت کی ذات سے ہم کو یہ فخر کیا کم ہے کہ اشراف مکہ معظمہ آپ کی نعلین پاک کو بوسہ دینے کی تمنا رکھتے ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو، یہ اس عزت واحترام کا صدقہ ہے جو اس عاشق محبوب ربانی کو ملا ہے۔ جس نے تن من دھن خدا کے محبوب جمیل کی عزت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ رہی یہ بات کہ بدعقل یہ بہت جلد کہہ بیٹھتے ہیں کہ مولانا کو کفر کا فتویٰ خوب یاد ہے اور بہت جلد کافر بنا دیتے ہیں۔ اب کوئی ان سے

پوچھے کہ حضرت! شریعت تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئین مقدس ہے۔ مولانا کے گھر کی شریعت نہیں۔ وہ جو بھی فرماتے ہیں شریعت کی اتباع سے فرماتے ہیں۔ تو یہ مولانا پر اعتراض نہیں، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، معاذ اللہ۔ بلکہ عین خدا جل وعلیٰ پر۔ بھلا اس حماقت کی حد بھی ہے۔ (۴۸)

**ماہ نامہ "انجمن نعمانیہ ہند" لاہور:**

یہ ماہ نامہ "انجمن نعمانیہ" لاہور کی جانب سے شائع ہوتا تھا۔ اجرا کی تاریخ اور دیگر کوائف معلوم نہ ہو سکے لیکن اس قدر ثابت ہے کہ انجمن نعمانیہ کی یہ صحافتی خدمت عہد رضا ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا۔

ایک عرصہ تک ماہ نامہ مذکور کی ادارت کے فرائض پروفیسر علامہ محمد نور بخش توکلی علیہ الرحمہ نے انجام دیے۔ آپ کے پر مغز مضامین اور فتاویٰ بھی اس میں شائع ہوتے تھے۔ (۴۹)

انجمن نعمانیہ لاہور اپنے زمانے میں ایک مشہور و معروف اور متحرک و فعال ادارہ تھا۔ حمایت اسلام و سنت، مدارس کا قیام، بد مذہبوں کے حملوں کی مدافعت اور دیگر قومی فلاح و بہبود کے کام انجام دینا، یہ انجمن کے اغراض و مقاصد تھے۔

جب ۱۹۲۳ء میں جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف کی طرف سے فتنۂ ارتداد کے انسداد کی کوششیں کی گئیں تو جماعت کے تعاون کے لیے انجمن ھذا نے بھی اپنا وفد بھیجا تھا۔ (۵۰) اس کے زیر اہتمام دار العلوم نعمانیہ بھی چلتا تھا۔ علامہ محمد نور بخش توکلی صاحب علیہ الرحمہ بھی اس کے ناظم تعلیمات رہے۔ لاہور میں اور بھی چند مدارس انجمن نے قائم کیے تھے۔ (۵۱) انجمن کے زیر اہتمام دار العلوم کا سالانہ اجلاس بھی ہوتا تھا جس میں ایک بار حضرت مولانا معوان حسین علیہ الرحمہ ابن حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب علیہ الرحمہ رام پوری بھی تشریف لے گئے تھے۔ (۵۲)

جناب خلیل احمد رانا صاحب نے حضرت قاضی فضل احمد صاحب علیہ الرحمہ کے تذکرے میں ماہ نامہ "انجمن نعمانیہ ہند" کا ایک اقتباس ذکر کیا ہے۔ یہاں اس کو نقل کیا جاتا ہے۔ یہ اقتباس اس بات کا شاہد ہے کہ ماہ نامہ مذکور عہد رضا میں شائع ہوتا تھا۔ لکھتے ہیں:

"انجمن نعمانیہ کے بتیسویں سالانہ جلسہ (منعقدہ ۴، ۵، ۶/ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/ ۲۸، ۲۹، ۳۰ نومبر ۱۹۱۹ء) میں حضرت قاضی فضل احمد لدھیانوی نے اپنی تقریر محررہ ۱۹/ صفر ۱۳۳۸ھ بہ نام "عزت و توقیر سید مکہ" (۱۳۳۸ھ) پڑھ کر سنائی۔ آپ ہر تقریر کے ابتدائی خطبہ کے بعد درود تاج شریف ضرور پڑھا کرتے تھے۔ اس تقریر کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:



"حیف صد حیف ان نام کے مسلمانوں پر ہے جو انکار کر کے بڑی متمردی اور گستاخی سے کہتے ہیں کہ "آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا بھی حال معلوم نہیں۔" اور شوخ چشمی سے یہ بھی کہتے ہیں کہ "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیطان کو علم زیادہ ہے۔" اور جب کبھی حضور کے علم غیب کا ذکر آتا ہے تو ہنستے اور استہزا کرتے ہیں بلکہ دریدہ دہنی سے یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کوئی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم غیب ہونے کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے مشرک ہے۔ العیاذ باللہ۔ گویا جب قرآن شریف پڑھتے ہیں تو عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ، وَمَا هُوَا عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْکَ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى اور تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْکَ وغیرہ تلاوت نہیں کرتے۔" (ماہ واری رسالہ "انجمن نعمانیہ ہند" لاہور بابت ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء صفحہ ۵۴، ۵۵) (۵۳)

**اعلیٰ حضرت کے ساتھ وابستگی:**

انجمن نعمانیہ کے اراکین کو اعلیٰ حضرت کے ساتھ عقیدت و قلبی وابستگی تھی۔ حضرت مولانا شاہ محرم علی چشتی علیہ الرحمہ صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور اپنے ایک مکتوب محررہ بتاریخ ۱۵/ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ میں بارگاہ اعلیٰ حضرت میں اس طرح عرض گزار ہیں:

"باوجود انجمن نعمانیہ کی آں جناب کے ساتھ تمام ہندوستان میں خصوصیات مشہور ہو جانے کے، اور اراکین انجمن کو آں جناب کے ساتھ ایسا دلی خلوص اور نیاز ہونے کے، جناب کی طرف سے کسی خاص التفات کا اس کی نسبت ظہور نہ ہونا کون سی وجوہات پر مبنی ہے؟ اگر انجمن میں کوئی امور قابل اصلاح ہیں تو وہ کیا ہیں؟"

اعلیٰ حضرت نے اس کا جواب دیا:

"کئی سال سے بحمدہٖ تعالیٰ فقیر اسے خالص انجمن اہل سنت سمجھتا ہے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ کوئی امر قابل شکایت معلوم نہ ہوا مگر مولانا! اس فقیر حقیر کے ذمہ کاموں کی بے انتہا کثرت ہے۔ اور اس پر نقاہت و ضعف کی قوت اور اس پر محض تنہائی و وحدت، ایسے امور ہیں کہ فقیر کو دوسرے کام کی طرف متوجہ ہونے سے مجبورانہ باز رکھتے ہیں۔ خود اپنے مدرسہ میں قدم رکھنے تک کی فرصت نہیں ملتی۔ یہ خدمت کہ فقیر سراپا تقصیر سے میرے مولائے اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنے کرم سے لے رہے ہیں، اہل سنت و

مذہب اہل سنت ہی کی خدمت ہے۔" (۵۴)

اعلیٰ حضرت انجمن کو اپنی تصنیفات ارسال فرماتے، امور انجمن میں آپ سے مشورہ لیا جاتا۔ چناں چہ اسی مکتوب میں اعلیٰ حضرت سے امور ذیل کے بارے میں مشورہ اور رہ نمائی حاصل کی گئی ہے:

(۱) بد مذہبوں کے حملوں کی مدافعت کے لیے کیا تدابیر اپنائی جائیں۔

(۲) مناظرہ کی ضرورت ہو تو کن علما سے رجوع کیا جائے۔

(۳) ایسے علما کی فہرست جو اعلیٰ حضرت کے ہم خیال اور مستند ہوں۔

(۴) اہل سنت کے لیے مجموعی مرکز بنانے کے تعلق سے رائے اور اس کی تدابیر۔

انجمن کی طرف سے "عقائد خلیفہ" مرتب کیے گئے تو ان کو آپ کے پاس بھیجا گیا کہ تصدیق فرمادیں ورنہ اصلاح فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت نے ان تمام امور کا مفصل و مدلل جواب عنایت فرمایا جو فتاویٰ رضویہ دوازدہم میں ہے۔ مختصر یہ کہ انجمن کے ارکان آپ سے گہری عقیدت اور نیاز مندانہ روابط رکھتے تھے۔

## اخبار "روز افزوں" بریلی شریف:

یہ اخبار بریلی شریف سے اعلیٰ حضرت کے منجھلے بھائی اور شاگرد استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔ (۵۵) اس کے مدیر حضرت مولانا سید محمود علی صاحب عاشق بریلوی تھے۔ آپ استاذ زمن کے شاگرد تھے۔ (۵۶) اس سے زیادہ حالات دست یاب نہ ہوئے۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا کہ یہ کم وقتی اور محدود تلاش وجستجو کا حاصل ہے۔ اگر اس سلسلہ میں لائبریریوں کو کھنگالا جائے اور ہندو پاک کے محقق و وسیع المطالعہ حضرات سے رابطہ کیا جائے تو اس فہرست کا حال یقیناً بہتر اور ہوگا۔ والحمدللہ رب العالمین. والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین.

## مآخذ ومراجع


(۱) عالی جناب سید مرتضیٰ علی صاحب رضوی محلہ بانس منڈی، بریلی شریف کی عنایت وکرم سے "الرضا" کے پہلے اور چند دیگر شماروں کی زیارت نصیب ہوئی۔ انھی شماروں سے یہ معلومات حاصل ہوئیں۔ موصوف کے والد ماجد جناب سید مشتاق علی صاحب مرحوم اعلیٰ حضرت کے مرید اور آپ کی بارگاہ کے حاضر باش تھے۔ راقم موصوف کا شکر گزار ہے۔

(۲) امام احمد رضا بریلوی اور نظریہ حرکت زمین، از ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، مشمولہ یادگار رضا ممبئی ۱۴۱۵ھ، ص ۳۵

(۳) سیرت اعلیٰ حضرت، مصنفہ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب، ص ۸۵





(۴) امام احمد رضا بریلوی اور نظریہ حرکت زمین، یادگار رضا ممبئی ۱۴۱۵ھ، ص ۳۶

(۵) گناہ بے گناہی، از ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، ص ۳۶

(۶) اداریہ یادگار رضا ممبئی ۱۴۱۵ھ، از حضرت مولانا شہاب الدین رضوی، ص ۴

(۷) تاریخ اجرا حضرت مولانا محمد یامین صاحب قبلہ مہتمم جامعہ نعیمیہ کی عنایت سے حاصل ہوئی۔

(۸) پیغام عمل، مرتبہ علامہ یٰس اختر صاحب مصباحی، ص ۶، بہ حوالہ ماہ نامہ السواد الاعظم مرادآباد، شمارہ رجب ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء

(۹) گناہ بے گناہی، بہ حوالہ السواد الاعظم مرادآباد، شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ، ص ۳۰

(۱۰) حوالۂ مذکور

(۱۱) مضمون "مولانا سید محمد معین الدین نزہت قادری" از خلیل احمد رانا صاحب، مشمولہ جہان رضا لاہور رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ، ص ۴۷

(۱۲) امام احمد رضا خاں میرے کتب خانہ میں، از محمد مختار حق لاہوری، مشمولہ جہان رضا ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ، ص ۶۷

(۱۳) صدر الافاضل اور امام احمد رضا، از مولانا مختار احمد بہیڑوی، مشمولہ سال نامہ تجلیات رضا، امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر بریلی شریف صفر ۱۴۲۳ھ، ص ۸۳

(۱۴) مولانا سید محمد معین الدین نزہت قادری، مشمولہ جہان رضا لاہور رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ، ص ۸۶

(۱۵) امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، از علامہ یٰس اختر مصباحی، ص ۶۴

(۱۶) ایضاً، بہ حوالہ تذکرہ علمائے اہل سنت، مولانا محمود احمد قادری، ص ۴۳

(۱۷) حوالۂ مذکور

(۱۸) ماہ نامہ الرضا بریلی ربیع الآخر وجمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

(۱۹) یہ تمام امور ڈاکٹر فاروق احمد صاحب صدر شعبۂ اردو بہار یونی ورسٹی مظفر پور بہار کے مضمون "امام احمد رضا کے ایک رفیق کار قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی" مشمولہ سال نامہ تجلیات رضا، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی ۱۴۲۷ھ ص ۱۳۰ سے ماخوذ ہیں۔ البتہ عنوان کی مناسبت سے ترتیب اور بعض مقامات پر عبارات میں کچھ تصرف ہے۔ موصوف نے یہ تمام امور معتبر حوالوں سے نقل کیے ہیں۔

(۲۰) حوالۂ مذکور

(۲۱) سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۱۳۷، بہ حوالہ اعلام ضروری، ص ۵

(۲۲) فتاویٰ رضویہ ششم، ص ۳۲۶

(۲۳) سیرت اعلیٰ حضرت، مصنفہ حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی، ص ۱۱۳

(۲۴) المعتقد المنتقد مع المعتمد المستند، ص ۸

(۲۵) امام احمد رضا کے ایک رفیق کار قاضی عبدالوحید فردوسی، مشمولہ تجلیات رضا ۱۴۲۷ھ، ص ۱۳۲

(۲۶) حوالۂ مذکور (۲۷) حوالۂ مذکور

(۲۸) یہ بات اہل سنت کے مشہور قلم کار جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب سے معلوم ہوئی۔

(۲۹) یہ معلومات الفقیہ جلد ۲۵ رشمارہ ۳۱ راگست ۱۹۴۲ء کے سرورق سے حاصل ہوئی۔

(۳۰) ماہ نامہ حنفی امرت سرشمارہ مئی ۱۹۴۲ء، جاری کردہ مولانا معراج الدین جو الفقیہ کے بھی ایڈیٹر تھے۔

(۳۱) الفقیہ ،شمارہ ۳۱ راگست ۱۹۴۲ء کا سرورق

(۳۲) تقاریظ امام احمد رضا، از سید صابر حسین شاہ بخاری قادری، مشمولہ سال نامہ تجلیات رضا ۱۴۲۷ھ، ص ۸۹

(۳۳) مہمان اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور مئی ۲۰۰۶ء، ص ۳، بہ حوالہ کلیات مکاتیب رضا

(۳۴) تذکرہ قاضی فضل احمد لدھیانوی، از خلیل احمد رانا صاحب، مشمولہ جہان رضا لاہور صفر ۱۴۲۱ھ، ص ۵۷

(۳۵) حوالۂ مذکور

(۳۶) اہل فقہ ،شمارہ ۲۸ جمادی الآخر ۱۳۲۵ھ کو جلد ثانی کا شمارہ اول قرار دیا ہے اور اداریہ میں لکھا ہے کہ پہلا سال بہ خیر وخوبی پورا ہوا۔ اس سے اس امر کا تعین کیا گیا کہ ''اہل فقہ'' کا اجرا جمادی الآخر ۱۳۲۴ھ میں ہوا۔

(۳۷) اہل فقہ ،جلد اول شمارہ ۱۵ ارمحرم ۱۳۲۵ھ، ص ۳

(۳۸) اہل فقہ ،شمارہ ۱۵ ارفروری ۱۹۰۰ء، ص ۲

(۳۹) یہ شمارے امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر بریلی شریف کی ملک ہیں۔

(۴۰) اہل فقہ۔ جلد اول شمارہ ۱۵ ارمحرم ۱۳۲۵ھ، ص ۳ ملخصاً

(۴۱) اہل فقہ ،شمارہ ۳۱ راگست ۱۹۱۶ء ملخصاً

(۴۲) یہ معلومات اخبار دبدبہ سکندری کے سرورق سے حاصل ہوئیں۔

(۴۳) امام احمد رضا اور علماے رام پور، از مولانا شہاب الدین رضوی، مشمولہ یادگار رضا ممبئی ۱۴۲۵ھ، ص ۱۱۲

(۴۴) حیات مفتی اعظم ،حصہ اول مرزا عبدالوحید صاحب بریلوی، متفرق صفحات سے۔

(۴۵) حوالۂ مذکور، ص ۱۵۳

(۴۶) امام احمد رضا اور علماے رام پور، مشمولہ یادگار رضا ممبئی ۱۴۲۵ھ، ص ۱۱۲ (۴۷) حوالۂ مذکور

(۴۸) مضمون مذکور، ص ۱۱۳، بہ حوالہ ''دبدبہ سکندری'' رام پور ۱۲ ارربیع الآخر ۱۳۳۰ھ، ص ۳

(۴۹) پروفیسر علامہ محمد نور بخش توکلی، از جناب محمد عبدالستار مسعودی لاہوری، مشمولہ جام نور دہلی مئی ۲۰۰۶ء، ص ۱۹

(۵۰) حیات مفتی اعظم اول، ص ۱۳۸ (۵۱) ماہ نامہ جام نور دہلی مئی ۲۰۰۶ء، ص ۱۹

(۵۲) جہان رضا لاہور ،شمارہ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ، ص ۴۸ (۵۳) جہان رضا لاہور ،صفر ۱۴۲۱ھ، ص ۴۷

(۵۴) فتاوٰی رضویہ، دوازدہم، ص ۱۳۱

(۵۵) مولانا نقی علی خاں، حیات، خدمات اور کارنامے، از ڈاکٹر محمد حسن بریلوی

(۵۶) یادگار رضا، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۵ھ، ص ۱۲۱

☆☆☆



# امام احمد رضا کی نگاہ میں دنیا کی حیثیت

**محمد توفیق برکاتی مصباحی** الجامعۃ الغوثیہ، ۱۳۲ر کامیکر اسٹریٹ ممبئی ۳

کیا دنیا کا کوئی انسان یہ سوچ سکتا ہے کہ ریاست وامارت میں آنکھیں کھولنے والا شخص عسرت وغربت کی زندگی گزارے گا، یہ عسرت وغربت عرفی نہیں جو دست سوال دراز کرنے پر آمادہ کرے، بھیک مانگنے پر اکسائے، بلکہ جو زہد وقناعت کی علم بردار ہو، صبر وشکیب کی آئینہ دار ہو۔ کیا کوئی ایسا مرد درویش نظر آیا، جس کی چوکھٹ پر شاہان زمانہ جبیں سائی کو ترس رہے ہوں؟ وہ انداز فقیرانہ کیسا ہوگا، جسے دیکھ کر امیروں کے منھ میں پانی آجاتا ہو، وہ کیسا قلندر ہوگا، جو دنیا کو پیروں کی ٹھوکر پر رکھتا ہو، جس کی شان استغنا دلوں کو موہ لیتی ہو، جس کی بارگاہ میں امارت وسیاست دریوزہ گری کرتی نظر آئے۔ یہ دنیا ایسی شی ہے، جسے دیکھ کر اچھے اچھوں کی نیت بدل جاتی ہے، جس کے تذکرے ہی سے قلب میں احساس طلب موجیں مارنے لگتا ہے۔

یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ بڑے سے بڑا سرمایہ دار جب دیوالیہ پن کا شکار ہو جاتا ہے، تو اس کی زندگی عسرت میں گزرتی ہے، غربت میں بسر اوقات کرتا ہے، قناعت کی روٹیاں کھانے لگتا ہے، اس کا صبر جبری ہوتا ہے، لیکن یہ زندگی واقعی حیرت انگیز اور فکر آمیز ہے کہ راحت وآسائش، مال وثروت کی کثرت کے باوجود فقیروں، غریبوں جیسی زندگی گزار رہا ہے۔

مسئلہ اب بھی حل نہیں ہوا، مطلع اب بھی صاف نہیں ہوا، درویشوں کی سی زندگی کیوں ہے؟ غریبوں جیسا انداز کیوں ہے؟ کیا اس کے پاس مال ودولت کی فراوانی نہیں؟ ساز وسامان نہیں؟ ٹھاٹ باٹ کا انتظام نہیں؟ ہے، ضرور ہے، مگر وہ غریبوں کو کھلانے کا سبق ازبر کیے ہوئے ہے، فقیروں کی دل جوئی اس کا مشغلۂ محبوب ہے، درویشوں کا انداز اختیار کرنا اسے بھاتا ہے، اسے کسی دنیا دار کی دل جوئی مقصود نہیں، وہ تو خالق کائنات کی خوش نودی کا طلب گار ہے، رحمت الٰہی کا متمنی ہے، رضاے رسول برحق کا دل دادہ ہے، دراصل جو زندگی کی معراج ہے، سب سے عظیم سرمایہ ہے، بیش قیمت دولت ہے۔

اس نے یہ ڈھنگ، یہ طریقہ، یہ انداز اپنے آقا رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھا، ان کے اصحاب کی زندگی سے لیا، اولیاے امت کی سیرت سے پہچانا، صوفیاے ملت کے حالات سے اخذ کیا، مقربان بارگاہ باری سے حاصل کیا، جبھی تو اس کی زندگی میں اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابندگی ملتی ہے، صحابۂ کرام کے طریقہ ہاے حیات کے جمالیات نظر آتے ہیں، اولیا وصوفیا کے انداز

درویشی کا رنگ و آہنگ دکھائی دیتا ہے، جنھوں نے مال و ثروت ہوتے ہوئے قناعت بھری زندگی گزاری، مال و دولت کو راہ خدا میں لٹا دیا، انسانوں کو کھلا دیا، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر دی، سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و تاریخ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور احوال صوفیا و اولیا پڑھنے والے ان حقائق کی توثیق کریں گے، انھوں نے دنیا کو کس نگاہ سے دیکھا، مال و دولت کے لیے کیا کیا نظریہ قائم کیا، امارت کو کیوں ٹھکرا دیا؟ کیوں کہ وہ خدا کی یاد سے غافل کر دینے والے سامان تھے، عبادت الٰہی میں رخنہ ڈالنے والے اسباب تھے۔

زندگی بلاشبہہ عطائے ربانی ہے، نعمت الٰہیہ ہے، لیکن جب دنیا کی محبت میں اس پر مردنی چھا جائے تو اس کا وقار گھٹ کر رہ جاتا ہے، اس کی شان کم ہو جاتی ہے، لیکن جو زندگی وقف بندگی ہو جائے، وہ معراج کمال کو پہنچ جاتی ہے، زندہ دلی تو اسے ہی کہیں گے، جب زندگی وقف بندگی ہو جائے، بہ قول شاعر

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

موضوع سخن کس کی زندگی ہے، کس کی حیات مبارکہ کے شب و روز ہیں؟ ذرا ان کی تعلیمات کو تو دیکھیں کہ وہ کس بات کا اشاریہ ہیں، ذرا ان کی عملی زندگی پر بھی نگاہ ڈالیں وہ کیا ثبوت فراہم کرتی ہے؟

بات ہے محقق اسلام، مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی، یہ نام بڑا پیارا ہے، بڑا معروف و مقبول ہے، ان کی حیات کے ایام کھلی کتاب ہیں، آج ہم کتاب کے ایک اہم باب کو پڑھنے کی کوشش کریں گے اور پھر فیصلہ کریں گے کہ دنیا کو انھوں نے کس نگاہ سے دیکھا؟ دنیا کی رعنائیاں ان کی نظر میں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ سب سے پہلے ان کی تعلیمات پر اچٹتی نگاہ ڈالتے ہیں۔

انسان دنیا میں کمانے آیا ہے، کھانے نہیں، بونے آیا ہے، کاٹنے نہیں، پودا لگانے آیا ہے، پھل کھانے نہیں، کام کرنے آیا ہے، آرام کرنے نہیں، امام احمد رضا قدس سرہ کے ایک خط کا یہ جملہ پڑھیں:

''اہل اسلام پر روشن ہے کہ انسان دنیا میں دنیا کمانے کے لیے نہیں بھیجا گیا، دنیا مزرع ہے اور آج کا بویا کل ملتا ہے، مبارک وہ دل کہ طلب دنیا میں دین و عقبیٰ سے غافل نہ ہو''۔

(کلیات مکاتیب رضا ۲/۲۰۶)

حدیث مبارکہ میں ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''الدنیا مزرعة الآخرة'' دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں اس کھیتی میں فصل لگانا ہماری ذمہ داری ہے، آخرت میں ان شاء اللہ عزوجل ضرور ہمیں ہی کاٹنا ہے، اس کا صلہ ملے گا، امام احمد رضا نے اسی حدیث کی ترجمانی کی ہے، بتایا



ہے، دنیا کھیتی ہے، مزرع ہے، آج کا بویا کل ملے گا، ضرور ملے گا۔

مال اور اولاد فتنہ ہیں، آزمائش ہیں، ابتلا کے ساز و سامان ہیں، امتحان کے پرچے ہیں، انہیں حل کرنا ہے، ان سے گزر کر کام یابی لینی ہے، ان مشکلات سے گزرنا ہے، ان فتنوں کا سد باب کرنا ہے، ان کا صحیح ٹھکانا متعین کرنا ہے، ان کا موزوں مصرف ڈھونڈنا ہے، یہی زندگی کا مقصد ہے، عبادت کا حصول ہے، کام یابی کی ضمانت ہے۔

ایک بار امام احمد رضا قدس سرہ سے عرض کیا گیا: بچہ سے محبت تو اپنا بچہ ہونے کی بنا پر ہوتی ہے، اللہ کے واسطے کون کرتا ہے؟ ارشاد فرمایا:

''الحمد للہ! میں نے مال ''من حیث ھو مال'' سے کبھی محبت نہ رکھی، صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لیے اس سے محبت ہے، اسی طرح اولاد ''من حیث ھو اولاد'' سے بھی محبت نہیں، صرف اسی سبب سے کہ صلۂ رحم عمل نیک ہے، اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں، میری طبیعت کا تقاضا ہے''۔

(الملفوظ ۴/۵۰)

یہ اللہ والوں ہی کی شان ہے کہ مال و اولاد سے ان کی محبت مال و اولاد ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ وہ نیک کاموں کا حصہ بنتے ہیں، وسیلہ بنتے ہیں۔

جو اللہ کے برگزیدہ ہوتے ہیں وہ دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہیں، اپنے آپ کو قیدی جانتے ہیں، آزاد نہیں، بندہ عبادت و ریاضت کے حصار میں مقید رہتا ہے، کیا دنیا اسے سکون دے سکتی ہے، قرار مل سکتا ہے، صاف و شفاف دل والا، اجلے کپڑوں والا دنیا کو پکڑتا ہے، اس کے قریب ہوتا ہے، گلے لگاتا ہے، دنیا بڑی فاحشہ ہے، غلیظ ہے، اس کا دل داغ دار کر دیتی ہے، اس کے کپڑے بدرنگ کر دیتی ہے، وہ یہ کام کر کے بھاگتی ہے، اور دنیا کا طلب گار اسے دوڑاتا ہے، نہ عزت کا خیال، نہ وقار کی فکر، نہ ناموس کا دھیان، فاحشہ کا یہی کام ہے، غلاظت اسی کو کہتے ہیں، امام احمد رضا قدس سرہ ان حقائق کو اس طرح کھولتے ہیں، آگاہ کرتے ہیں، تنبیہ فرماتے ہیں:

''دنیا سجن مومن ہے، سجن مومن ہے، سجن میں اتنا آرام مل رہا ہے؟ محض فضل نہیں؟ دنیا فاحشہ ہے: اپنے طالب سے بھاگتی ہے، اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے، دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے''۔ (کلیات مکاتیب رضا ۱/۳۹۲)

الملفوظ شریف میں امام احمد رضا ایک حکایت فرماتے ہیں:

''امام داؤد طائی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے ایک تھے، امام نے جب دیکھا کہ ان کی دنیا کی طرف توجہ نہیں، ان کو سب سے الگ کر کے پڑھانا

شروع کیا، ایک دن تنہائی میں فرمایا: ''اے داؤد! آلہ تیار کرلیا، مقصود کس دن حاصل کروگے'' ایک سال درس میں حاضر رہے، یہ ریاضت کی کہ طلبا آپس میں مذاکرہ کرتے، ان کو آفتاب سے زیادہ وجہیں روشن معلوم ہوتیں، نفس بولنا چاہتا مگر یہ چپ رہتے، غرض ایک سال کامل سکوت فرمایا، جب ان کے والد ماجد کا انتقال ہوا، اسّی درہم اور ایک مکان ورثہ میں ملا، وہ درہم عمر بھر کے لیے کافی ہوئے، اور مکان کے ایک درجہ میں بیٹھا کرتے، جب وہ گر گیا، دوسرے میں بیٹھنا شروع کیا، جب وہ اس قابل نہ رہا تو اور درجہ میں۔ ادھر ان کی روح نے پرواز کیا، ادھر بعض صالحین نے خواب میں دیکھا کہ داؤد طائی نہایت خوشی کے ساتھ ہشاش بشاش دوڑے ہوئے چلے جارہے ہیں، انھوں نے کبھی آپ کو اس حالت میں نہ دیکھا تھا؟ پوچھا کیا ہے؟ کیوں دوڑے جاتے ہو؟ فرمایا: ابھی جیل خانے سے چھوٹا ہوں، خبر پائی کہ وہی وقت انتقال کا تھا، ''اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ''۔

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد آگے مزید فرمایا:

''مسلمان عمر بھر کتنی ہی تنگی و مصائب میں رہے، ایک ہوا جنت کی دیں گے اور پوچھیں گے تم نے دنیا میں کیا تکلیف اٹھائی؟ کہے گا: واللہ کوئی تکلیف نہ اٹھائی، اور کافر کو ہزار برس تک ناز ونعم میں رکھا جائے، کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے، گرم ہوا بھی نہ لگنے پائے، قبر میں ایک جھونکا اسے جہنم کا دیں گے، کہے گا: واللہ مجھے دنیا میں کوئی آرام نہ ملا''۔ (الملفوظ ۴/۲۷)

دنیا میں مشکلات برداشت کرنے والوں کے لیے آخرت میں راحت وآرام کا مژدۂ جاں فزا ہے، اور آرام طلبوں کے لیے مصائب، آلام ضیافت کے بہ طور پیش ہوں گے، کافر دنیا کو جنت تصور کرتا ہے، اس کی آسائش کو جنت کے سامان جانتا ہے، امام احمد رضا قدس سرہ بیان فرماتے ہیں:

''حدیث میں ہے: اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو ایک گھونٹ اس میں کا فر کو نہ دیتا، ذلیل ہے، ذلیلوں کو دی گئی، جب سے اسے بنایا ہے، کبھی اس کی طرف نظر نہ فرمائی، دنیا کی روحانیت آسمان و زمین کے درمیان ہو (فضا) میں معلق ہے، فریاد وزاری کرتی ہے اور کہتی ہے، اے میرے رب! تو مجھ سے کیوں ناراض ہے، مدتوں کے بعد ارشاد ہوتا ہے: چپ، خبیثہ''۔

اور آگے فرمایا:

''سونا چاندی خدا کے دشمن ہیں، وہ لوگ جو دنیا میں سونے چاندی سے محبت رکھتے



ہیں، قیامت کے دن پکارے جائیں گے، کہاں ہیں وہ لوگ جو خدا کے دشمن سے محبت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ دنیا کو اپنے محبوب سے ایسا دور فرماتا ہے جیسے بلاتشبیہ بچے کو اس کی مضر چیزوں سے ماں دور رکھتی ہے''۔ (الملفوظ ۴/۲۵)

یہ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پیغامات ہیں، تعلیمات ہیں، ان کے فرامین ہیں، ذرا آگے بڑھ کر دیکھیں، کیا ان کی عملی زندگی میں اس تعلیم کے اثرات ملتے ہیں، اس پیغام کے مظاہر نظر آتے ہیں، امام احمد رضا کی زندگی میں بندگی کے سوا کچھ نہ تھا، بندگی ہی بندگی تھی، عبادت ہی عبادت تھی، اطاعت ہی اطاعت تھی، ان کی زندگی نے زندگی کے لیے کچھ سوچا نہیں، دنیا کے لیے کچھ کیا نہیں، نہ آرام کے لیے، نہ نام کے لیے، جو کچھ کیا، دین کے لیے، برکت کے لیے، رضائے رب کے لیے، خوشنودیٔ حبیب رب کے لیے، جبھی تو عزت بھی ہے، وقار بھی ہے اور رضوان کی خوش خبری بھی، آیے آگے بڑھ کر ملاحظہ کرلیں:

امام احمد رضا اپنی دینی خدمات کے لیے کبھی اجرتِ دنیا کے طالب نہ ہوئے، بعض حضرات نے ناواقفی میں استفتا کے ساتھ یہ بھی پوچھ لیا کہ فتوے کی فیس کیا ہوگی؟ جواباً تحریر فرمایا:

''یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتوی پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا اور نہ لیا جائے گا بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد، معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی۔ بھائیو! "ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین" میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے''۔

(فتاویٰ رضویہ ۴/۲۳۰، مبارک پور)

آپ نے علمائے شریعت اور برادران طریقت کو ہدایت بھی دی کہ خدمت دین کو کسب معیشت کا ذریعہ نہ بنائیں، اس کا ثبوت وہ ہدایت نامہ ہے جو ماہ نامہ الرضا بریلی بابت ماہ ربیع الاول وجمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ میں ملتا ہے، جس کا متن یہ ہے:

''احباب علمائے شریعت اور برادران طریقت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ نہ بنائیں اور سخت تاکید ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت دین وحمایت سنت میں جلب منفعت مالی کا خیال دل میں نہ لائیں، بلکہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو، ہاں اگر بلا طلب اہل محبت سے کچھ نذر کریں، رد نہ فرمائیں کہ اس کا قبول کرنا سنت ہے''۔ (امام احمد رضا اور تصوف ۸۰۔۸۱)

یہاں ان کے مکتوبات کے بھی دو تراشے ذہن نشین کر لیں، مولانا شاہ سید حمید الرحمن رضوی نواکھالی، بنگلہ دیش کے مشہور عالم دین ہے اور امام احمد رضا کے تلمیذ، انہوں نے ۱۳۳۹ھ میں جواب مسائل کے لیے ایک مکتوب روانہ کیا، اس میں یہ بھی لکھا: ایک روپیہ بہ طور استاذی خدمت کے روانہ کیا جاتا ہے، امام احمد رضا جواب میں لکھتے ہیں:

"جواب مسئلہ حاضر ہے، الحمد للہ کہ آپ کا روپیہ نہ آیا اور آتا اگر لاکھ روپے ہوتے تو بعونہٖ تعالیٰ واپس کیے جاتے، یہاں بحمدہٖ تعالیٰ نہ رشوت لی جاتی ہے، نہ فتویٰ پر اجرت"۔

(فتاویٰ رضویہ ۷/۹، کلیات ۱/۲۲۰)

راول پنڈی سے ایک سائل نے کئی بار خطوط لکھ کر جواب مسائل حاصل کیے، ہر بار انھوں نے اجرت و قیمت کی بات کی ہے، قلم کا تیور دیکھیے، لکھتے ہیں:

"قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لیے دیا جاتا ہے، بے جا نہیں لیا جاتا، آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھیے"۔

(فتاویٰ رضویہ، مترجم، لاہور ۱۱/۲۵۴)

حوالوں کی اس کہکشاں میں امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات نیر تاباں بن کر نمودار ہوتی ہے اور ان جزئیات سے امام احمد رضا کا جو چہرہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ کیا دین کے لیے، آخرت کے لیے، اللہ عزوجل و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے، پوری زندگی مال و دولت اور دنیاوی جاہ و اقتدار سے کوسوں دور رہے، اور اپنے فرزندان و احباب کو بھی اس سے دور رکھا، دنیا سے بھاگتے رہے، دنیا کو قید خانہ جانا، ان کی نگاہ میں دنیا ہر وقت بے حیثیت رہی، بے وقعت رہی، اس لیے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ انھیں اللہ عزوجل کی رضا حاصل رہی اور روز قیامت انھیں اس کا بہترین اجر وثواب ملے گا۔

☆☆☆

## شریعت اور طریقت

"کان کھول کر سنو کہ شریعت درخت ہے اور طریقت اس کا پھل۔ پھل بغیر درخت کے نہیں پیدا ہو سکتا۔ بہت سے درخت ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں پھل نہیں آتا، جان لو کہ جب تک تم درخت کی پرورش نہ کرو گے پھل نہیں پاؤ گے۔"

**حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ**

(سراج العوارف، ترجمہ حضرت سید امین میاں برکاتی، مشمولہ اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۵۴)



# امام احمد رضا کا دس نکاتی منصوبہ

غلام مصطفیٰ رضوی نوری مشن مالیگاؤں
e-mail: noori_mission@yahoo.com

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی کی ولادت ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء میں ہوئی اور وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں۔ جب ہم عہد رضا کا جائزہ لیتے ہیں تو اس دور میں اسلام کے خلاف درجنوں محاذ سرگرم دکھائی دیتے ہیں۔ قومی و ملی سطح پر جو تحریکات وجود میں آئیں وہ بہ ظاہر انگریزوں کے خلاف تھیں لیکن دوسری طرف مشرکین کی تابع دار، اس طرح ایمانی فصیل میں شگاف پڑ رہا تھا اور قرآنی احکام کی خلاف ورزی بھی ہو رہی تھی۔ امام احمد رضا کو مشیت نے اسی لیے منتخب کیا تھا کہ وہ ایمانی حمیت کو جگا دیں اور جو اسلام کے قصر رفیع میں نقب لگانا چاہتے تھے انھیں بے نقاب کر دیں۔

قرآن بحر حکمت ہے اس میں غواصی کرنے والے آفتاب و ماہ تاب بن کر چمکے اور زمانے کو روشن کر دیا۔ باطل تحریکات اور حوادث و فتن کا مقابلہ وہی مرد مومن کر سکتا ہے تائید غیبی جس کے ساتھ ہو۔ جو قرآن مقدس کی منشا و مراد کو سمجھتا ہو اور اس کے احکام پر عامل بھی ہو۔ اس رخ سے امام احمد رضا کے افکار تابناک اور رہ نما نظر آتے ہیں۔ آپ کی فکر قرآن مقدس کے بحر علم و حکمت سے مستفیض و مستنیر تھی۔ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۹۴ھ) فرماتے ہیں۔

لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِي مَدَدٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرِهٖ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيَمِ

ترجمہ: ان کے معانی کثرت اور زیادتی میں سمندر کی لہروں کی طرح ہیں اور حسن و جمال اور قدر و قیمت میں دریا کے موتیوں سے بڑھ کر ہیں ؎

قرآن مقدس جس کے علم و حکمت کی گہرائی و وسعت کا اندازہ نہ لگایا جا سکے اور جس کے معانی کی چمک دمک جواہرات اور بیش قیمت موتیوں سے بڑھ کر ہو، ان مول ہو تو اس میں جس ذات نے شناوری کی ہو اور موتی چنے ہوں تو اس کی فکر و دانائی کا کیا عالم ہوگا؟ امام احمد رضا اپنے دور کی کسی تحریک اور فکر سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ قرآنی احکام کی بنیادوں پر آپ نے مسلمانوں کی رہ نمائی کی اس لیے آپ کے پیش کردہ منصوبے قوم کے لیے مفید العمل، کارآمد، فکر انگیز اور تعمیری سوچ کے حامل ہیں اور نفع پہنچانے والے۔ اس مقالے میں ہم امام احمد رضا کے دس نکاتی منصوبے کا جائزہ لیں گے۔ جو

آپ نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں مولانا شاہ محرم علی چشتی صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمائے جس کی اشاعت بھی ہوئی۔ گو یہ دس نکات مختصر ہیں لیکن سیکڑوں صفحات پر بھاری بھی۔

**ماہرِ علوم وفنون:**

امام احمد رضا قدس سرہ کے افکار وخیالات سلف صالحین کے ترجمان تھے۔ ہر فتنہ وتحریک کے مقابل آپ کی راہ نمائی درست اور مسلمانوں کے مفاد میں تھی۔ فکری قیادت وہی ذات کرسکتی ہے جو حکمت ودانش کے جوہر سے آراستہ ہو اور جس کے خیالات درست ہوں۔ اور علم وفن کے اعتبار سے وہ یکتائے روزگار ہو۔ امام احمد رضا باخبر تھے اور زمانے کے حالات وتغیرات پر ان کی نگاہ گہری تھی، دشمنوں کی چالوں اور حربوں کو سمجھتے تھے۔ اسلاف کے علوم وفنون کے جانشین اور ان کی علمی امانتوں کے امین تھے۔ ان کے علوم وفنون کا یہ عالم تھا کہ عرب کے جید واکابر علما نے عمدہ تاثرات سے نوازا۔ چناں چہ علامہ سید اسمٰعیل بن خلیل مکی محافظ کتب حرم تحریر فرماتے ہیں:

اقول و الحق اقول انه لو راها ابو حنيفة النعمن لأقرت عينه ولجعل مؤلفها من جملة الاصحاب

"قسم بہ خدا میں بالکل سچ کہتا ہوں اگر امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا فتاویٰ ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس کے مؤلف کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرماتے۔"[۲]

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے فکر رضا کی موزونیت اور وسعت نیز عبقریت سے متعلق جو ری مارک دیا ہے وہ لائق غور ہے فرماتے ہیں:

"امام احمد رضا برق رفتاری سے سوچتے تھے...... ان کا رہوار فکر اپنے زمانے سے آگے دوڑتا تھا...... ان کی یہ خصوصیت قابل توجہ بھی ہے اور لائق تحقیق بھی...... انھوں نے ریاضیات میں اپنے الگ قوانین وضع کیے اور ضابطے تحریر کیے...... وہ یگانہ روزگار بھی تھے اور عبقری بھی......"[۳]

امام احمد رضا کی جامع العلوم شخصیت سے متعلق مولانا کوثر نیازی نے جو تاثر دیا ہے وہ فکر انگیز ہے موصوف جب امام احمد رضا کے درِ علم پر دستک دیتے ہیں اور تحقیقات رضویہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو کہہ اٹھتے ہیں:

"جب امام اہل سنت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے دروازے پر دستک دی اور فیض یاب ہوا تو اپنی جہل کا احساس ہوا اور اعتراف ہوا۔ یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا ہوں۔ علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔"[۴]

امام احمد رضا نے اپنے ۵۴ر علوم کا خود تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ نے علمائے حرمین کے نام



اجازات واسانید جاری فرمائے اس میں ان کی تفصیل موجود ہے۔[۵] علم کا معاملہ بڑی وسعت رکھتا ہے اس میں شاخ در شاخ پھوٹنے اور پھیلنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس طرح امام احمد رضا کے علوم کی تعداد کم وبیش سو شمار کرائی جاتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے سچ فرمایا:

"وہ ایک جہان علم وفضل تھے...... کوئی اس جہان کی سیر تو کرے...... پھر جو نہ دیکھا تھا دیکھے...... اور جو نہ سنا تھا سنے۔"[۶]

امام احمد رضا کی اصابت فکر، علمی استعداد اور آفاقی سوچ کا اعتراف اہل علم ودانش نے بجا طور پر کیا ہے۔ نابغۂ عصر اور عبقری الشرق جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔

## آفاقی منصوبے کے دس نکات

**(۱) مدارس کا قیام:**

امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں: "عظیم الشان مدارس کھولے جائیں باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔"[۷]

صالح وعلمی اور فکری انقلاب درس گاہوں سے رونما ہوا۔ مدارس اسلامیہ نے دین کے دعوتی، علمی، اخلاقی اور اعتقادی ومعاشرتی پیغام کو عام کیا۔ العلماء ورثة الانبیاء (علما انبیا کے وارث ہیں) کے مطابق انبیائے کرام کے مشن کو پہنچایا۔ آج دین کی جو بہاریں نظر آرہی ہیں وہ مدارس کی ہی دین ہے، جہاں سے ہر شعبہ ہائے حیات میں رہ نمائی وقیادت کرنے والے علما پیدا ہوئے۔ اشاعت علم دین اور فروغ حق کے لیے مدرسوں کا قیام ناگزیر ہے۔

امام احمد رضا نے خود بھی مدارس کے قیام پر توجہ دی اور اس وقت جب کہ دہلی میں مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور انگریز نے اپنے قبضہ وتسلط کے بعد مدارس کو مفلوک الحال بنا ڈالا تھا نیز مدارس کے لیے مسلم سلاطین کی عطا کردہ جاے دادوں کو چھین لیا تھا آپ نے بریلی میں ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں دار العلوم منظر اسلام قائم کیا جسے برصغیر میں مسلمانوں کی دینی تعلیمی ترقی کے دوسرے دور کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس درس گاہ نے باقاعدہ اسلامی علوم کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔ اور ایسے نادر روزگار علما تیار ہوئے جن کی انقلابی خدمات کی دھمک اب بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔

آپ کے تلامذہ وخلفا نے مدارس اسلامیہ کا جال بچھا دیا۔ جن کی تصنیفی، تفسیری، فقہی، سیاسی، تعلیمی اور محدثانہ خدمات سے تاریخ ہند کے صفحات جگ مگا رہے ہیں۔ ہند کی فضا میں تعلیمی سطح پر کئی تحریکیں ابھریں لیکن یہ بھی ضابطے کی بات ہے کہ جب بنیاد ہی کم زور ہو تو عمارت بھی ناقص وکم زور ہو گی۔ یوں ہی ببول سے گلاب کا حصول محال ہے۔ جو تحریکات نمودار ہوئیں ان کے عقائد ومقاصد درست نہیں تھے۔ مثلاً تحریک سرسید کو ہی دیکھتے ہیں، موصوف نے معاصر علوم کی درس گاہ قائم کی جہاں

سے دانش ور تو ضرور نکلے لیکن وہ دینی قیادت کے اہل افراد قوم کو نہ دے سکے، اور ایسے فارغین انگریزی تمدن وتہذیب کے حملوں سے قوم کو کیسے بچا پاتے جب کہ وہ خود بھی اسی طرح کے ماحول کے پروردہ تھے۔ تحریک ندوہ کا آغاز بہ ظاہر اسلام کے فروغ کے جذبے کے تحت ہوا لیکن در پردہ ایسی جماعت کی تیاری کا فسانہ سامنے آیا جس کا مقصد حق و باطل کے فرق کو اٹھا دینا تھا، جن لوگوں نے اہانت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارتکاب کیا تھا اور وہ تائب بھی نہیں ہوئے تھے ان سے مل کر اس تحریک کو آگے بڑھایا گیا۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند بھی بد اعتقادی کے جراثیم سے آلودہ ہو کر ملت کے لیے قابل اور عشق رسول کے جوہر سے مالا مال افراد تیار نہ کر سکا۔ اس طرح کی تحریکات کی امام احمد رضا نے سختی سے تردید فرمائی اور عقیدہ وایمان کی سلامتی کو فائق رکھا۔ اسی طرح دہریت ونیچریت کی تحریک کا آغاز وارتقا بھی ہو چکا تھا اس کے ابطال وتردید میں آپ کی خدمات بے مثل ہیں، ایک مقام پر دہریت ونیچریت کے سد باب میں علم دین کی اشاعت کے رخ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''جب تک یہ (بے سود تضییع اوقات تعلیمیں) نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم وتکمیل عقائد حقہ وعلوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں دہریت ونیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے۔''[۸]

آپ اس فکر افزا نکتے میں باطل تحریکات کے سد باب کے لیے علم دین کی اہمیت واضح کر رہے ہیں۔ امام احمد رضا کے نزدیک اشاعت علم دین اہم تھی جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے: ''دین متین علم دین کے دامن سے وابستہ ہے۔''[۹] اور اس علم کی اشاعت کے لیے تعمیری فکر کے حامل مدارس کا قیام ضروری ہے۔

نظام تعلیم میں نصاب کا کردار کلیدی ہوتا ہے نیز نصاب کی تدریس بھی اہمیت رکھتی ہے۔ امام احمد رضا ایک ماہر تعلیم تھے۔ آپ نے جہاں مدارس کے قیام کی ضرورت کو اجاگر کیا وہیں با قاعدہ تعلیمی نظام پر بھی زور دیا تا کہ جو ٹیم تیار ہو کر نکلے وہ اپنے علم اور فن کے اعتبار سے پختہ ہو ساتھ ہی تعمیری مزاج کی حامل بھی، اور اس کا اندازا بھی خوب ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کے تلامذہ میں ہر ایک کسی نہ کسی شعبے کا ماہر اور یگانہ تھا۔

کوئی صدرالافاضل ہے کوئی صدرالشریعہ ہے
یہ سارا فیض ہے کس کا امام احمد رضا خاں کا

### (۲) طلبا کو وظائف:

امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں: ''طلبا کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔''[۱۰]

ایک صدی قبل جب کہ تعلیمی فیلڈ میں طلبا کو وظائف دینے کا با قاعدہ کوئی اہتمام نہیں تھا اس کی افادیت مستقبل میں کس قدر ہوگی اسے امام احمد رضا نے بہ خوبی سمجھ لیا تھا۔ اس نکتے کو یوں بھی سمجھا



جا سکتا ہے کہ وہ طلبا جو معاشی مشکلات کے سبب تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں وظیفہ ملنے پر وہ تعلیم سے محروم نہیں رہ سکیں گے اور قوم کو ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع بھی ملے گا۔ امام احمد رضا کے اس نکتے پر اگر عمل کی سبیل نکالی جاتی تو قابل افراد کی خاطر خواہ تعداد آج موجود ہوتی اور وہ والدین جو اپنے بچوں کو افلاس وغربت کے سبب کام کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں وہ شوق سے مدرسہ بھیجتے۔

جو کام ہمارا اپنا تھا اس سے ہم دور ہو رہے جب کہ ایک صدی قبل مفکر اسلام امام احمد رضا نے فکروں کو بیدار کیا تھا۔ اغیار نے اس پہلو کو دیکھا عمل کیا، آج متعدد ممالک بالخصوص ان میں جو ترقی یافتہ کہلاتے ہیں وہاں تعلیم کی مفت سہولت دست یاب ہے، ذہین طلبا کو وظائف دیے جاتے ہیں۔ برطانیا میں ۱۸ ر سال کی عمر تک تعلیم مفت ہے اور وظیفہ بھی دیا جاتا ہے پھر جو اعلیٰ تعلیم کا عزم رکھتے ہیں انھیں آگے بھی وظیفہ دیا جاتا ہے اس طرح وہ اپنے قومی دھارے کو مضبوط کر رہے ہیں، ہر فیلڈ کے لائق افراد تیار کر رہے ہیں، تعلیم کی طرف لوگوں کو مائل کر رہے ہیں۔ اور یہاں معاملہ برعکس ہے گرچہ بعض مدارس کے بعض شعبہ جات میں اس سمت پیش رفت ہوئی ہے مثلاً الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، جامعہ امجدیہ گھوسی وغیرہ۔ اور معاصر علوم کے اداروں میں بھی اس پر توجہ ہے۔ ضروری ہے کہ مدارس اہل سنت کے ذمہ داران غریب ونادار اور مفلس طلبا کو وظائف دے کر ان کے تعلیمی سفر کو مضبوط ومستحکم کریں اس کا نتیجہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ طلبا دل جمعی سے پڑھائی کریں گے۔

### (۳) مدرس اور ان کی قابلیت کا اعتراف:

امام احمد رضا اپنے تعلیمی منصوبے میں تیسرا نکتہ تحریر فرماتے ہیں: ''مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔''[۱۱]

مرحلۂ تربیت میں معلم کے کردار کو اساسی حیثیت حاصل ہے لیکن معلم کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ قومی وملی تعمیر کی لگن رکھتا ہو اور اس کا عقیدہ صحیح ودرست ہو۔ وہ اپنی تدریس میں حق وصداقت کی تعلیم دے نہ کہ ایسی تعلیم جس سے فساد فکر واقع ہو۔ امام احمد رضا نے مدرس کے لیے ایسے ضابطے دیے ہیں جن پر عمل کر لیا جائے تو جو طلبا تیار ہوں گے ان سے اشاعت حق کا فریضہ بہ طریق احسن پورا ہوگا۔

امام احمد رضا نے اس پہلو سے جو ضابطہ دیا ہے اسے بہ شکل نکات دیکھیں:

(۱) انہماک فلسفیات وتوغل مزخرفات نے معلم کے نور قلب کو منطفی اور سلامت عقل کو منتفی نہ کر دیا ہو کہ ایسے شخص پر خود ان علوم ملعونہ سے یک لخت دامن کشی فرض اور اس کی تعلیم سے ضرر راشد کی توقع۔

(۲) وہ عقائد حقہ اسلامیہ سنیہ سے بروجہ کمال واقف وماہر اور اثبات حق وازہاق باطل پر بعونہٖ تعالیٰ قادر ہو ورنہ قلوب طلبا کا تحفظ نہ کر سکے گا۔

(۳) وہ اپنی اس قدر کو بہ التزام تام ہر سبق کے ایسے محل ومقام پر استعمال بھی کرتا ہے ہرگز کسی مسئلہ

باطلہ پر آگے نہ چلنے دے جب تک اس کا بطلان متعلم کے ذہن نشین نہ کر دے۔

(۴) متعلم کو قبل تعلیم خوب جانچ لے کہ پورا سنی صحیح العقیدہ ہے اور اس کے قلب میں فلسفۂ ملعونہ کی عظمت و وقعت متمکن نہیں۔

(۵) اس کا ذہن بھی سلیم اور طبع مستقیم دیکھ لے بعض طبائع خواہی نخواہی زیغ کی طرف جاتے ہیں حق بات ان کے دلوں پر کم اثر کرتی اور جھوٹی جلد پیر جاتی ہے۔

(۶) معلم و متعلم کی نیت صالحہ ہو نہ اغراض فاسدہ۔

(۷) تنہا اسی پر قانع نہ ہو بلکہ دینیات کے ساتھ ان کا سبق ہو کہ اس کی ظلمت اس کے نور سے منجلی ہوتی رہے ان شرائط کے لحاظ کے ساتھ بعونہٖ تعالیٰ اس کے ضرر سے تحفظ رہے گا۔ اور اس تعلیم و تعلم سے انتفاع متوقع ہوگا۔[۱۲]

اصولی مدرس کے لیے ان شرائط میں کوئی پہلو نہیں چھوٹتا۔ مطلوبہ شرائط کی روشنی میں فرض شناس مدرس کا تصور ابھرتا ہے۔ امام احمد رضا ایسے قابل مدرس کے لیے ان کی خدمات کے پیش نظر عمدہ تنخواہ مقرر کرنے کی تلقین فرماتے ہیں کہ جب وہ معاشی لحاظ سے آسودہ حال ہوں گے تو اپنی صلاحیتوں سے قوم کو راحت پہنچائیں گے اور جو طلبا ان کے گوشۂ تربیت میں ہوں گے وہ فکری لحاظ سے صحت مند ہوں گے۔

## (۴) استعداد کی جانچ:

امام احمد رضا کا چوتھا نکتہ اس طرح ہے: ''طبائع طلبا کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف و مناظرہ میں بھی توزیع ہو۔ کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔''[۱۳]

موجودہ دور میں تخصص (Specialisation) کا مزاج بن چکا ہے۔ ایک شعبے کا ماہر اپنے منتخب شعبے میں ہی کام کرتا ہے۔ اس نکتے میں امام احمد رضا نے طلبا کی کیفیت، استعداد، ذوق اور فکری میلان کی تشفی کا پہلو واضح کر دیا۔ قوم کی ترقی کے لیے ہر شعبہ ہائے علم و فن میں اس شعبے کے ماہر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک ماہر فن جو معاشیات سے شغف رکھتا ہے اور اسے میڈیکل سائنس کے شعبے میں داخل کر دیا جائے تو وہ اپنا فرض منصبی ادا نہ کر سکے گا۔ امام احمد رضا نے طلبا کے ذوق کو ملحوظ رکھا، جو جس فن میں دل چسپی رکھتا ہو اسے اسی شعبے میں آگے بڑھایا جائے تا کہ اس کی صلاحیتوں کا صحیح استعمال ہو۔ اس فکری نکتے میں آپ نے طلبا کی معاشی تشفی کا بھی خیال رکھا اور وظیفہ کی ترغیب دی۔

اشاعت دین میں تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد اور مناظرہ سبھی کی ضرورت ہے اور ان سب میں ماہر کی ضرورت ہے، مذکورہ نکتے پر عمل کی صورت میں اس کی تشفی پورے طور پر ہوتی ہے۔



## (۵) اشاعت حق کے شعبے:

امام احمد رضا فرماتے ہیں: ''ان میں جو تیار ہوتے جائیں، تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً، وعظاً و مناظرۃً اشاعت دین و مذہب کریں۔''[۱۴]

یہ نکتہ چوتھے سے مربوط ہے اس میں اشاعت دین کے شعبہ جات میں جو افراد جس شعبے کے لائق ہوں انھیں مختلف مقامات پر ضرورت کے تحت متعین کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور آج اس کی اہمیت بھی کھل چکی ہے، عموماً یہی ہوتا ہے کہ جہاں علماے اہل سنت کی کمی ہوتی ہے ایسے ہی علاقوں میں بد مذہب زیادہ گم رہی پھیلاتے ہیں، اس میں جو اہم نکتہ ہے وہ ''معاشی تشفی'' ہے اس رخ سے بھی ہماری بے توجہی قابل افسوس ہے۔ قابل علما کو اگر مدعو کیا جاتا ہے تو تنخواہیں اتنی قلیل دی جاتی ہیں کہ وہ صحیح سے خدمت انجام نہیں دے پاتے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس سمت ہمارے اصحاب مال کو متوجہ ہونا چاہیے۔

امام احمد رضا نے اشاعت حق اور تبلیغ دین کے متعدد شعبے ذکر کیے ہیں: تحریر و تصنیف، وعظ و تقریر، مناظرہ اور دعوت و تبلیغ وغیرہ۔ ہر شعبے میں قابلیت درکار ہے۔ قابلیت کا حصول سابقہ نکات پر عمل سے ہو سکتا ہے۔

## (۶) تصنیف و تالیف اور مصنفوں کی پذیرائی:

امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں: ''حمایت مذہب و رد بد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔''[۱۵]

کتابوں اور لٹریچر کی اہمیت ہر دور میں مسلّم رہی ہے۔ انقلابات کی تاریخ پڑھ جایئے جن کا سبب نظریاتی لٹریچر بنے۔ مصنف کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد بھی اس کی تحریر کے ذریعے اس کا مشن جاری رہتا ہے۔ اسلام کے گلشن نور و نکہت میں کھلنے والے پھولوں نے تحریر کے ذریعے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے اور ہر دور میں اٹھنے والے فتنوں کی بیخ کنی نوک قلم سے کی جس سے آج بھی دل و دماغ معطر اور روح تازہ ہے۔ امام احمد رضا کی ذات ہی کو لیجیے آپ کے دور میں داخلی و خارجی فتنوں کی بھیڑ تھی اور ہر ایک کا حملہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تھا لیکن امام احمد رضا نے اپنی خداداد صلاحیت اور تدبر و ذہانت کی بنیاد پر ان فتنوں کو بے نقاب کر کے رکھ دیا اور بجا فرمایا۔

کلکِ رضا ہے خنجرِ خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

قلم کی اہمیت رب عزوجل نے بتائی:

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ

''قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا'' ۱۶

امام احمد رضا نے جو کچھ علمی و قلمی اور تصنیفی کام کیا محض رضاے الٰہی کے لیے کیا۔ مصنفوں کی ایک ٹیم تیار کردی جن میں ہر ایک فکر و دانش میں ممتاز اور نادر روزگار۔ صالح لٹریچر کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔ مذکورہ نکتے میں یہ فکر دی کہ باطل فرقے لٹریچر کے توسط سے ذہنوں کو برباد کرتے ہیں لہٰذا صالح لٹریچر حمایت دین اور بدمذاہب کی تردید میں شائع کیے جائیں اور اصحاب قلم کی حوصلہ افزائی کی غرض سے نذرانے پیش کیے جائیں اس طرح وہ خوش دلی سے کام کریں گے۔

بحمدہٖ تعالیٰ اب خوش بو پھیل رہی ہے۔ امام احمد رضا کی فکر کو سمجھا جارہا ہے۔ اور اہل سنت میں قلمی ذوق پروان چڑھ رہا ہے۔ اس رخ سے مولانا یٰسٓ اختر مصباحی رقم طراز ہیں:

''مدارس اہل سنت کے وہ اساتذۂ کرام اس سلسلے میں بہت اہم رول ادا کرسکتے ہیں جو تحریری مشاغل سے خود بھی دل چسپی رکھتے ہیں اور اپنے ہونہار طلبا کو بھی اسی راہ پر لگا کر انھیں قوم وملت کے لیے مفید تر بنانا چاہتے ہیں۔

جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے انعامی مقابلے، کام یاب طلبا کے لیے خصوصی انعامات اور سالانہ میگزین کا انتظام کیا جائے۔ مرکزی مدارس سال دو سال کے وقفہ کے بعد کسی منتخب شخصیت پر تحریری مجلس مذاکرہ کا انعقاد کریں اور ان کی رپورٹیں شائع کرتے رہیں ساتھ ہی ان مقالات ومضامین اور کتابوں کی فروخت کے لیے ملک کے مرکزی شہروں یا اداروں میں تجارتی کتب خانوں کا قیام مزید تحریک کا باعث ہوسکتا ہے۔ جس سے کتابیں جلد تر نکل جائیں گی اور عوام وخواص کی ضرورتیں بھی پوری ہوتی رہیں گی۔

المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ یوپی کی تشکیل (۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) انھیں مقاصد کے تحت کی گئی۔'' ۱۷

شعلہ بار مقررین کو نذرانے پیش کرنے کا رواج تو ہے لیکن مصنفین کی حوصلہ افزائی کا رجحان عنقا۔ جماعت کی سرکردہ شخصیات اور اداروں کو مصنفین اور اصحاب قلم کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

## (۷) اشاعت کتب ورسائل:

امام احمد رضا اپنی معطر فکر کا ساتواں نکتہ اس طرح دیتے ہیں: ''تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔'' ۱۸

یہ نکتہ پہلے نکتے سے مربوط ہے۔ اس میں اشاعتی ترغیب ہے اور مطبوعہ مواد کی ترسیل کا پہلو بھی۔ ایک صدی قبل وضع کردہ اس تجویز کی اہمیت عہد رواں میں مزید کھلتی ہے۔ آج مادی چمک دمک دیکھی جاتی ہے، حالاں کہ باطن دیکھا جانا چاہیے حسن تو باطن میں ہوتا ہے۔ ظاہر پر فریفتہ ہونے والے محرومی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ بہرکیف علمی مواد کیسا ہی عمدہ ہو اگر اسے ظاہری حسن کے بغیر پیش کیا جائے تو لوگ متوجہ نہیں ہوتے۔ تو جب سلف صالحین، علما و صوفیا نیز ہمارے اصحاب قلم کی تصانیف کو جن کی ایک



شان ہے کیوں نہ انھیں اشاعت حق کی غرض سے دیدہ زیب انداز میں شائع کیا جائے۔ پھر جو ذوق مطالعہ رکھتے ہیں ان تک بلاقیمت پہنچایا جائے۔

وہ جماعتیں جو توہین رسالت کو اپنا معمول بنا چکی ہیں وہ ریال اور ڈالر کے سہارے اہانت آمیز لٹریچر بلاقیمت ساری دنیا میں تقسیم کرتی ہیں اس طرح فکروں کو آلودہ کرتی ہیں تو ہمارے اصحاب ثروت صالح تصانیف کی اشاعت میں کیوں بے توجہی برتتے ہیں اور رغبت نہیں دکھاتے؟

الحمدللہ! امام احمد رضا کے اس نکتے پر عمل کی غرض سے ماضی قریب میں کئی ادارے وجود میں آئے اور عمدہ نتائج مرتب ہوئے۔ رضا اکیڈمی ممبئی، المجمع الاسلامی مبارک پور، مرکزی مجلس رضا لاہور، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، رضا فاؤنڈیشن لاہور، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف، برکات رضا پور بندر اور اس طرح کے ہمارے دوسرے ادارے دل جمعی کے ساتھ خوب صورت انداز میں لٹریچر کی اشاعت و تقسیم کا کام انجام دے رہے ہیں۔ یوں ہی درجنوں کے حساب سے تجارتی نوعیت کے مکتبے بھی قائم ہوچکے ہیں۔

امام احمد رضا کے اس نکتے پر عہد رضا میں کسی قدر عمل شروع ہوگیا تھا، اس وقت بریلی، پٹنہ، امرت سر، آگرہ، سیتاپور، لاہور، رام پور کے اشاعتی ادارے تصانیف رضا اور دیگر علماے اہل سنت کی دینی وعلمی کتابوں کی اشاعت کیا کرتے تھے۔ خود امام احمد رضا کی سو سے زیادہ کتابیں ۱۳۳۰ھ تک شائع ہوچکی تھیں اور علمی دنیا میں مقبول بھی، اور ایسی کہ بار بار چھپیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

''نیاز مند کی چار سو تصانیف سے صرف کچھ اوپر سوا سو تک مطبوع ہوئیں اور ہزاروں کی تعداد میں بلامعاوضہ تقسیم ہوا کیں جس کے سبب جو رسالہ چھپا جلد ختم ہوگیا۔ بعض تین تین چار چار بار چھپے۔'' ۱۹

انجمن نعمانیہ لاہور جو عہد رضا میں ایک سرگرم دینی و اشاعتی ادارہ تھا اس کے صدر ثانی مولانا شاہ محرم علی چشتی تصانیف رضا طلب فرمایا کرتے تھے اسی پہلو سے اور نکتے کے دوسرے گوشے (مفت تقسیم) سے متعلق امام احمد رضا لکھتے ہیں: ''انجمن نعمانیہ میں غالباً رمضان مبارک ۳۰ھ میں اس وقت تک کے تمام موجودہ رسائل میں نے خود حاضر کیے ہیں اور انجمن سے رسید بھی آگئی۔'' (چند سطور کے بعد لکھتے ہیں) ''دو برس سے عنان مطبع ایک انجمن نے اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ جس نے طریقہ فقیر تقسیم کتب بلاعوض کو منسوخ کردیا۔ پھر بھی انجمن نعمانیہ کے لیے ہدیہ حاضر کرنے سے اس انجمن کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔'' ۲۰

وہ ادارے جو جلسوں کے انعقاد میں زیادہ سرگرمی دکھاتے ہیں انھیں اس کے ساتھ ساتھ اشاعتی کاموں میں بھی ذوق دکھانا چاہیے اور کتابوں کی مفت تقسیم بھی کرنی چاہیے اس طرح اہل سنت

کے لٹریچر کا ابلاغ وسیع تر ہو سکے گا یوں ہی امام اہل سنت امام احمد رضا کی تصانیف کی اشاعت بھی اشاعت دین کے لیے مؤثر ذریعہ ہیں۔

**(۸) تنظیم واصول:**

امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں: ''شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین، رسالے بھیجتے رہیں۔''[۴۱]

یہ نکتہ جماعتی نظم وضبط اور اتحاد واتفاق تحریک وتنظیم کے لحاظ سے کافی اہم ہے۔ اس رخ سے کام کا آغاز آپ نے اپنی حیات میں ہی کر دیا تھا اور کئی تنظیموں کی ضرورت کے تحت بنا ڈالی۔ جن کی خدمات سے ہند کی تاریخ منور ہے۔ اقتصادی وسیاسی سطح پر ایمان سوز تحریکات نے آپ کے عہد میں جس تیزی کے ساتھ جنم لیا اس کی مثال نہیں ملتی اور ان کا سد باب آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ آپ نے برصغیر کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے حالات پر نظر رکھی اور ضرورت کے پیش نظر کام کے اہل افراد تیار کیے۔ ملک کے طول وعرض سے قابل افراد طلب کیے جاتے اور بارگاہ رضا سے علما بھیجے جاتے۔

ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری جو مصنف، محقق، مدقق، مناظر، مدرس، منتظم، ماہر علوم ہیئت وفلکیات تھے اور حاجی منشی لعل محمد خاں (کلکتہ) جو اشاعتی وتنظیمی امور میں پیش پیش رہا کرتے تھے ان کے تذکرے میں امام احمد رضا کا جماعتی درد اور قلبی کرب ملاحظہ ہو، ملک العلما کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''افسوس کہ ادھر نہ مدرس، نہ واعظ، نہ ہمت والے مال دار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں۔''[۴۲]

امام احمد رضا کی تعمیری فکر سے ان کے تلامذہ کو وافر حصہ ملا، چناں چہ جماعتی اتحاد اور احکام شرع پر عمل کے لیے دعوت فکر دیتے ہوئے تلمیذ رضا، صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رضوی لکھتے ہیں:

''بے جا ضد اور ہٹ سے باز آؤ اور اسلام کی مضبوط رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ آپس میں خلوص ومحبت سے پیش آؤ۔ ہماری عزت اسلام سے ہے۔ اور بہبودی وفلاح اتباع شریعت میں ہے۔''[۴۳]

آپ کے محبین، متوسلین، مریدین وخلفا اور تلامذہ نے مختلف بلاد وامصار میں حالات اور تقاضے کے تحت مسلمانوں کی رہنمائی کی اور منصوبہ بندی کے ساتھ حوادث عصر کا مقابلہ کیا۔ موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ سرکردہ افراد امام اہل سنت کے نکتۂ مذکورہ پر غور وفکر کے ساتھ عمل کی تدبیر نکالیں۔

**(۹) استعداد کا استعمال:**

امام احمد رضا اپنے فکر پرور منصوبہ کے نویں نکتے میں تحریر فرماتے ہیں:



''جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔''[۴۴]

دوسرے، تیسرے اور چوتھے نکتے میں وظائف سے متعلق گفتگو کی گئی، اس میں جو پہلو واضح کیا گیا وہ یہ ہے کہ باصلاحیت افراد کو ان کے متعلقہ شعبے میں مقرر کیا جائے تا کہ ان کی صلاحیت کا مثل ''حق بہ حق دار رسید'' عمدہ نتیجہ قوم کو حاصل ہو، اس کے لیے معاشی آسودگی ضروری ہے اور وظائف کے ذریعے اس مسئلہ سے نمٹا جا سکتا ہے۔

ماضی میں جب کہ علمی وتحقیقی امور کی انجام دہی کے لیے مسلم سلاطین نے بڑے بڑے جامعات ومدارس قائم کیے تھے، باصلاحیت علما کو وظائف دے کر معاشی ضروریات کا تصفیہ کیا جاتا تھا اس طرح وہ یک سوئی کے ساتھ علمی کام انجام دیا کرتے تھے اور قوم کی ترقی کا آفتاب پورے آب وتاب کے ساتھ نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ امام احمد رضا نے اس میں قابل افراد کی قدر سکھائی ہے اور بیدار رہ کر قومی تعمیر کے فریضے کو بہتر طور پر انجام دینے کا ذہن دیا، یہ فکری نکتہ ہمیں جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ۔

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی

**(۱۰) حمایت دین اور صحافت:**

امام احمد رضا فرماتے ہیں: ''آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بہ قیمت وبلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔''[۴۵]

ایک صدی قبل جب کہ یہ تجویز امام احمد رضا نے پیش کی صحافت اور میڈیا کی اہمیت اجاگر نہیں تھی۔ یہودی جو آج میڈیا پر کافی حد تک اثر انداز ہیں انھوں نے ایک خفیہ منصوبہ بنایا تھا جیسا کہ ان کے دستاویز میں ہے:

''آج کی دنیا میں پریس ایک عظیم طاقت ہے۔ پریس کے حقیقی رول کو دراصل بہت کم سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ریاستیں اس بے پناہ طاقت کا صحیح استعمال نہیں جانتیں اور یہ طاقت اب ہمارے قبضہ میں ہے۔ پریس کی قوت سے ہمیں پس پردہ (Shade) رہتے ہوئے سارے عالم پر اثر انداز ہونے کی قوت حاصل ہوگئی ہے۔''[۴۶]

یہودی اس زعم میں تھے کہ وہ پریس کی قوت اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں اور ہمارے مفکر امام اہل سنت نے مسلمانوں کو راہ دکھا دی تھی، ان کی دور بیں نگاہ دیکھ رہی تھی کہ اس شعبے میں ہم نے غفلت و تساہلی برتی تو مستقبل میں دشمنان اسلام اسے اسلام کے خلاف بہ طور ہتھیار استعمال کریں گے، اور یہی ہوا بھی۔ یہود ونصاریٰ سرگرم رہے اور ہم کھوئے اور سوئے۔ ہم نے اسلاف کی باتوں پر توجہ نہ کی، ان کی

تجاویز سے منھ موڑا اور جہاں بانی کے منصب سے محروم ہو بیٹھے۔ امام احمد رضا کے افکار کے ایک مبلغ اور صاحب قلم علامہ ارشد القادری کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں:

''ایک عرصہ سے چیخ رہا ہوں کہ زندہ رہنا ہے تو سوچنے اور برتنے کا انداز بدلنا ہوگا۔ فولاد کی تلوار کا زمانہ ختم ہو گیا اب قلم کی تلوار سے معرکے سر کیے جارہے ہیں۔ پہلے کسی محدود رقبہ میں کفر وضلالت کی اشاعت کے لیے سالہا سال کی مدت درکار ہوتی تھی۔ اور اب پریس کی بدولت صرف چند گھنٹوں میں شقاوتوں کا ایک عالم گیر سیلاب امنڈ سکتا ہے۔ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھیے! آج ہندوستان کا ہر فرقہ قلم کی توانائی اور پریس کے وسائل سے کتنا مسلح ہو چکا ہے۔ اتنا مسلح کہ اس یلغار سے ہمارے دین کی سلامتی خطرے سے دوچار ہوتی جارہی ہے۔''۲۷

اغیار تو پہلے ہی سے ہر روش بد کو اپنا چکے تھے وہ بھلا کب صحافت میں صداقت ودیانت کا مظاہرہ کرتے۔ نتیجے میں پروپیگنڈے کا سہارا لے کر حق کو چھپانے کی کوشش کی گئی اور جھوٹ کو پیش کیا گیا۔ اسلام کے بارے میں ایسا ہی میڈیا کے دونوں شعبوں (پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا) میں دیکھنے میں آرہا ہے۔ جب کہ صحافت کی جو توضیح Exploring Journalism کے مصنفین نے کی وہ اس طرح ہے:

''صحافت جدید وسائل ابلاغ کے ذریعے عوامی معلومات، رائے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے۔''۲۸

اس پر کتنا عمل کیا جارہا ہے یہ بات وضاحت طلب نہیں۔ ایک صدی پہلے ہی قوم بیدار ہو جاتی اور اسلامی اصولوں پر اخبارات جاری کیے جاتے تو ہمیں صحافت پر مغربی عناصر کی اجارہ داری کا شکوہ نہ ہوتا اور میڈیا کو مسلمانوں پر اتہامات والزامات تھوپنے کی ہمت بھی نہ ہوتی۔

۱۳۳۰ھ میں جب کہ متعدد اخبارات خود امام احمد رضا کے متوسلین پٹنہ، امرت سر، لاہور، بریلی، رام پور وغیرہ سے شائع کیا کرتے تھے ان کے احیا اور ابلاغ کے لیے امام احمد رضا بذات خود علمی و قلمی اور مالی تعاون فراہم کرتے تھے اسی کے ساتھ ساتھ اہل سنت کو ترغیب بھی دیا کرتے تھے، اس وقت کا ایک نمایاں اخبار ''دبدبۂ سکندری'' تھا جس کے لیے امام احمد رضا نے تعاون کی اپیل جاری کی اس کا ایک گوشہ درج کیے دیتا ہوں، جس میں امام احمد رضا کی صحافتی فکر وبصیرت کا پہلو بھی نمایاں ہے، فرماتے ہیں:

''عوام میں اشاعت وخیالات کا سہل تر ذریعہ اخبارات ہیں۔ باستثنا بعض وہ خود آزادی کے دل دادہ ہیں، بدمذہبی بلکہ لامذہبی کے خیالات آئے دن شائع ہوں وہ نہ جھگڑا ہے نہ نفسانیت، مگر حق کی تائید اور اس کے لیے اپنا کوئی صفحہ دینا جھگڑے میں پڑنا اور نفسانیت پر اڑنا ہے۔ الا ماشاء اللہ و قلیل ماہم ''تحفۂ حنفیہ'' عظیم آباد اپنے مالک کے وصال سے انتقال کر گیا۔ ''اہل فقہ'' (امرت سر)



سنیوں کی کم توجہی سے بند ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر کثیر وافر دونوں جہاں میں میرے معزز گرامی دوست جناب مولانا شاہ محمد فاروق حسن خاں صاحب صابری مدیر اخبار ''دبدبۂ سکندری'' اور ان کے صاحب زادے عزیز بہ جان سعادت اطوار گرامی شان عزیزی مولوی فضل حسن خاں نائب مدیر کو عطا فرمائے کہ ان کے اخبار کے صفحات تائید دین حق ومذہب اہل سنت کے لیے بحمد اللہ تعالیٰ بلا معاوضہ طمع دنیا وقف پائے۔ یہ اللہ عزوجل کا فضل حسن ہے۔''۲۹

اس اقتباس میں بڑے درد وکرب کے ساتھ دبدبۂ سکندری (رام پور) کی حمایت اور دین کے لیے اس کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے اور افسوس کا اظہار ہے کہ ہماری صحافت کے کئی چراغ گل ہو گئے۔ یہ پہلو بھی واضح ہوتا ہے کہ اشاعت حق کی بنیادوں پر جاری ہونے والے اخبارات کی حوصلہ افزائی ومعاونت کی جانی چاہیے۔

عہد رضا میں متوسلین رضا کی صحافتی خدمات وبصیرت پر مولانا عبد السلام رضوی استاذ جامعہ نوریہ رضویہ (بریلی شریف) نے بڑا تحقیقی مقالہ قلم بند کیا ہے جس میں کئی ایک گوشے وا کیے ہیں، تاریخی تناظر میں یہ بڑا اہم مقالہ ہے۔

امام احمد رضا کا دس نکاتی منصوبہ جہاں فکری وسعت وآفاقیت وہمہ گیریت رکھتا ہے وہیں یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ اس پر عمل کی سبیل نکالی جائے۔ ایک صدی کا عرصہ گزرا اس پر ویسی توجہ نہیں دی گئی جیسی دی جانی تھی۔ اب مزید غفلت ہمیں مزید پستی کی طرف لے جائے گی۔ اب خواب غفلت سے جاگ جانا چاہیے۔ باطل فرقوں اور دشمنان اسلام سے مقابلہ کے لیے ان ٹھوس نکات پر کام آگے بڑھا دینا چاہیے۔

تعمیر کی جانب صفت سیل رواں چل
وادی یہ ہماری ہے وہ گلشن بھی ہمارا

## حواشی وحوالہ جات

(۱) نفیس احمد مصباحی، مولانا، کشف بردہ، المجمع القادری مبارک پور ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۱

(۲) احمد رضا بریلوی، امام، الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ، مشمولہ رسائل رضویہ، ادارۂ اشاعت تصنیفات رضا بریلی، ص ۱۰۶۔۱۰۷

(۳) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، رہبر ورہنما، المجمع الاسلامی مبارک پور، ص ۶

(۴) کوثر نیازی، مولانا، امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر ۲۰۰۲ء، ص ۴۹

(۵) ملاحظہ فرمائیں: الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ از امام احمد رضا، مشمولہ رسائل رضویہ، ادارۂ اشاعت

تصنیفات رضا بریلی، ص ۱۴۹ تا ۱۹۳

(۶) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، رہبر و رہنما، المجمع الاسلامی مبارک پور، ص ۱۲

(۷) احمد رضا بریلوی، امام، فتاوٰی رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۳۳

(۸) احمد رضا بریلوی، امام، المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، عرفی نام: ترک موالات، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۸ء، ص ۴۳

(۹) احمد رضا بریلوی، امام، فتاوٰی رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۷۸

(۱۰) مرجع سابق، ص ۱۳۳ (۱۱) مرجع سابق

(۱۲) احمد رضا بریلوی، امام، فتاوٰی رضویہ (مترجم)، برکات رضا پور بندر، جلد ۲۳، ص ۶۳۵

(۱۳) احمد رضا بریلوی، امام، فتاوٰی رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۳۳

(۱۴) مرجع سابق (۱۵) مرجع سابق، ص ۱۳۳

(۱۶) القرآن الکریم: العلق: ۳۔۵/ کنز الایمان

(۱۷) یٰس اختر مصباحی، مولانا، پیغام عمل، دار القلم دہلی ۲۰۰۲ء، ص ۳۳

(۱۸) احمد رضا بریلوی، امام، فتاوٰی رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۳۳

(۱۹) مرجع سابق، ص ۱۳۲ (۲۰) مرجع سابق

(۲۱) مرجع سابق، ص ۱۳۳

(۲۲) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ترتیب جدید: مطیع الرحمٰن رضوی، مفتی، ادارہ ترویج و اشاعت مسجد نور الاسلام بولٹن ۲۰۰۳ء، جلد ۳، ص ۳۹۱

(۲۳) یٰس اختر مصباحی، مولانا، پیغام عمل، دار القلم دہلی ۲۰۰۲ء، ص ۲۷

(۲۴) احمد رضا بریلوی، امام، فتاوٰی رضویہ، رضا اکیڈمی ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۳۳

(۲۵) مرجع سابق

(۲۶) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور نے جولائی ۱۹۷۴ء کے شمارہ میں یہودی خفیہ دستاویز کا خلاصہ شائع کیا جس کی اصل زبان تو عبرانی ہے، غالباً انگریزی ترجمہ سے اردو کے قالب میں ڈھالا گیا۔

(۲۷) یٰس اختر مصباحی، مولانا، پیغام عمل، دار القلم دہلی ۲۰۰۲ء، ص ۱۰

(۲۸) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، نومبر ۲۰۰۱ء

(۲۹) غلام جابر شمس مصباحی، ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا، دار العلوم صابریہ برکات رضا کلیر، جلد ۲، ص ۳۳۵

☆☆☆



# اصلاح مساجد اور امام احمد رضا

**مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی**

رکن آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال، ۶۰ رتناتلہ لین کولکاتا ۱۴

امام عشق و محبت مجدد دین و ملت، اعلیٰ حضرت الحاج الشاہ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی آج دنیائے اسلام کے لیے محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایسے عالم ربانی تھے جو بہ یک وقت محدث و مفسر، فقیہ اور محتاط عالم ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے عظیم مصلح اور داعی بھی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی پوری زندگی سنت و شریعت کی آئینہ دار اور عشق رسول کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ آپ نے خلق خدا کی رشد و ہدایت کے لیے سو سے زائد علوم و فنون پر گیارہ سو سے زائد کتابیں تحریر فرمائیں اور دو سو سے زائد کتابوں کے شروح و حواشی تحریر کیے۔ جن سے آج ایک جہاں فیض یاب ہو رہا ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء بایں وجہ اکابر و معاصرین نے آپ کی خدمات جلیلہ کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ آیۃ من آیات اللہ اور چودہویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ نے جہاں اپنے زمانے میں پنپنے والی تمام عملی و نظریاتی خرابیوں کے سد باب کی کوشش فرمائی وہیں مساجد کی اصلاح پر بھی خاصا زور دیا جس پر آپ کی تحریریں اور فتاوٰی شاہد عدل ہیں۔ مگر افسوس آج مسلمان ان سے یکسر غافل ہیں۔ اس لیے ذیل میں ہم مختلف عنوانات کے تحت اصلاح مساجد کے تعلق سے اعلیٰ حضرت کی تحریریں درج کر رہے ہیں تا کہ منتظمین، ائمہ نیز دیگر وابستگان مساجد اکتساب فیض کے ساتھ ساتھ اپنے احوال کی اصلاح کر سکیں۔

## مسجد بہ ہر صورت بانی کے نام سے رہے گی:

ہمارے علم میں شہر کلکتہ میں بہت سی ایسی مسجدیں ہیں جن کے نام تعمیر جدید کے بعد لوگوں نے بانیان مساجد کا نام بدل کر دوسرا کر دیا ہے۔ حالاں کہ یہ جائز نہیں، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: مسجد قیامت تک اصل بانی کے نام سے رہے گی اگر چہ اس کی شکست و ریخت یا شہید ہو جانے کے بعد دوبارہ تعمیر اور لوگ کریں، ثواب ان کے لیے بھی ہے مگر بنا بانی وقف کے واسطے خاص ہے۔ فان اصل المسجد

الارض والعمارة وصف ولایکون من اعاد الوصف کمن احدث الاصل کیوں کہ اصل مسجد تو زمین ہے اور عمارت وصف ہے۔ چناں چہ جس نے وصف کا اعادہ کیا وہ موجد اصل کی مانند نہیں ہوسکتا۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۱، ص ۲۵۷)

**مسجد میں کار خیر کے لیے چندہ کرنا اور عالم کا وعظ کہنا جائز ہے:**

کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ غلط نظریہ راسخ ہو چکا ہے کہ چوں کہ مسجد میں کسی غریب کا سوال کرنا جائز نہیں اس لیے مدرسہ کے لیے چندہ کرنا یا اس کے لیے اعلان کرنا بھی درست نہیں۔ اسی طرح امام کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے عالم کا وعظ کہنا درست نہیں اگر چہ امام تقریر کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ جب کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ دیکھیے اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں: مسجد میں کار خیر کے لیے چندہ کرنا جائز ہے جب کہ شور و چپقلش نہ ہو خود احادیث صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے۔ مسجد میں وعظ کی بھی اجازت ہے جب کہ واعظ عالم دین سنی صحیح العقیدہ ہو اور نماز کا وقت نہ ہو، اور ان دونوں باتوں کو کہ منکرات سے خالی ہوں متولی یا کوئی منع نہیں کر سکتا۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۳، ص ۳۶۱)

**متولی مسجد کا دیانت دار ہونا ضروری ہے:**

قرآن پاک ہمیں یہ نظریہ دیتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں مکرم و افضل وہ ہے جو متقی و پرہیزگار ہو لیکن ہم مسلمانوں کی حرماں نصیبی کہیے کہ ہم نے تقویٰ و پرہیزگاری کو چھوڑ کر محض مال و دولت کو وجہ شرف سمجھ لیا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیاوی معاملات کی طرح فی زمانہ مساجد و مدارس میں بھی ایسے ہی لوگ متولی و منتظم مقرر کیے جاتے ہیں جو خوب مال دار و دولت مند ہوں۔ اگر چہ نماز نہ پڑھتے ہوں۔ اور نجی معاملات میں دغا و دھوکہ کے مرتکب ہوں۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اس (متولی) کے لیے دیانت دار کار گزار ہونا شرط ہے۔ مال دار ہونا ضروری نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۳، ص ۲۵۸)

**خائن کا متولی ہونا درست نہیں:**

خائن جس کی خیانت ظاہر ہوا سے متولی و منتظم بنے رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: درمختار میں ہے: وینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ اولی لو غیر مامومن. خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائے گا۔ (بزازیہ) اگر چہ وہ خود وقف کرنے والا ہو، تو غیر واقف کو بہ صورت خیانت بدرجۂ اولیٰ نکال دینا واجب ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۳، ص ۵۹۸)

**بلا ضرورت مسجد کی نئی تعمیر جائز نہیں:**

شہروں میں بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کا یہ مزاج بن رہا ہے کہ پڑوسی محلے کی مسجد نئی بن رہی ہے تو ہماری مسجد بھی نئی بنی چاہیے۔ اگر وہ تین منزلہ ہے تو ہماری چار منزلہ ہونی چاہیے۔ اگر چہ پرانی



عمارت مضبوط و مستحکم ہی کیوں نہ ہو اور نمازیوں کے لیے کافی کچھ اس میں گنجائش ہی کیوں نہ ہو۔ جب کہ یہ سراسر غلط اور ناجائز ہے۔ دیکھیے اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں: اور اگر (مسجد) اس لیے شہید کی کہ یہیں از سر نو اس کی تعمیر کرائے تو اگر یہ امر بے حاجت و بلا وجہ صحیح شرعی ہے تو لغو و عبث و بے حرمتی مسجد و تضییع مال ہے۔ اور یہ سب ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۳، ص ۳۵۴)

**مسجد میں معتکف کے علاوہ کسی کا سونا جائز نہیں:**

روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ روزانہ دوپہر کے وقت یا ویسے ہی مسجد میں سو جایا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: صحیح راجح یہ ہے کہ معتکف کے سوا کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔ درمختار وغیرہ میں ہے کہ کرہ النوم فیہ الا المعتکف مسجد میں غیر معتکف کے لیے سونا جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۳، ص ۴۳۴)

**مسجد میں ناسمجھ بچوں کا جانا اور معلم کا اجرت لے کر پڑھانا جائز نہیں:**

کسی نے سوال کیا ناسمجھ بچوں کا مسجد میں جانا اور اجرت لے کر معلم کا انھیں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کا جواب آپ یوں دیتے ہیں: مسجد میں ناسمجھ بچوں کے لے جانے کی ممانعت ہے۔ حدیث میں ہے جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم (سنن ابن ماجہ) اپنی مساجد کو ناسمجھ بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو۔ خصوصاً اگر پڑھانے والا اجرت لے کر پڑھاتا ہو تو اور بھی زیادہ ناجائز ہے کہ اب کار دنیا ہو گیا اور دنیا کی بات کے لیے مسجد میں جانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۳، ص ۴۳۴)

**مسجد میں سوال کرنا جائز نہیں:**

عموماً غربا و مساکین فرض نمازوں کے بعد اپنی بے بسی و بے چارگی کا ذکر کر کے لوگوں سے امداد طلب کرتے ہیں جب کہ مسجد کے اندر کسی سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: مسجد میں اپنے لیے مانگنا جائز نہیں اور اسے دینے سے بھی علما نے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ امام اسمٰعیل زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے اسے چاہیے کہ ستر پیسے اللہ تعالیٰ کے نام پر اور دے کہ اس پیسہ کا کفارہ ہوں، اور کسی دوسرے کے لیے مانگا یا مسجد خواہ کسی اور ضرورت دینی۔ کے لیے چندہ کرنا جائز اور سنت سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۳، ص ۴۱۸)

**امام مسجد کے ضروری اوصاف:**

امام صرف پنج گانہ نمازوں کا امین ہی نہیں بلکہ اللہ کی بارگاہ میں قوم کا ترجمان ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ عالم، فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے عادات و خصائل کا پیکر ہو۔ اس مسئلے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: امام مسجد صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القراءت، غیر فاسق معلن، عالم، احکام نماز

وطہارت ہونا چاہیے جس میں ایسی کوئی بات نہ ہو جس سے جماعت کی قلت ونفرت پیدا ہو۔
(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد۲۴، ص۴۱۸)

## فاسق کی امامت درست نہیں:

فی زمانہ بہت سے ایسے لوگ امامت سے وابستہ ہیں جن کی داڑھی ایک مشت سے کم یا وہ کسی ایسے کام کے مرتکب ہیں جن کو شریعت نے فسق قرار دیا ہے لہٰذا وہ ضرور فاسق ہیں اور ان کی امامت کسی طرح درست نہیں۔ مگر وہ جوڑ توڑ کے ذریعہ زبردستی منصب امامت سے جڑے رہنا چاہتے ہیں۔ ایسوں کے تعلق سے اعلیٰ حضرت کا نظریہ ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں: فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنا منع اور پڑھ لی تو پھیرنا واجب۔
(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد۲۴، ص۴۳۱)

## تمامیت مسجد کے بعد اس میں دکان یا امام کے لیے حجرہ بنانا جائز نہیں:

اخراجات مسجد پورا کرنے کے لیے بعض مساجد کے ذمہ دار حضرات مسجد کی نئی عمارت کی تعمیر کے وقت اس کے نیچے تہہ خانہ بنا کر اسے کرایہ پہ لگا رہے ہیں یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ مسجد سے کچھ جگہ نکال کر دکانیں بنائی جا رہی ہیں۔ جب کہ یہ کسی بھی طرح صحیح نہیں۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں: متولی کو مسجد کی حد یا مسجد کے فنا میں دکانیں بنانے کا اختیار نہیں کیوں کہ مسجد کو جب دکان یا رہائش گاہ بنا لیا جائے تو اس کا احترام ساقط ہو جاتا ہے جو کہ نا جائز ہے اور فناے مسجد چوں کہ مسجد کے تابع ہے لہٰذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو مسجد کا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد۲۴، ص۳۵۲)

اسی مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں: جو زمین مسجد کی ہو چکی اس کے کسی حصے کسی جز کا غیر مسجد کر دینا اگر چہ متعلقات مسجد ہی سے کوئی چیز ہو حرام قطعی ہے قال اللہ تعالیٰ وان المساجد للّٰہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں) ایک سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں: اب فرش مسجد کا دکانیں کرنا چاہتے ہیں یہ حرام اور سخت حرام ہے، ان دکانوں میں بیٹھنا حرام ہوگا ان سے کوئی چیز خریدنے کے لیے جانا حرام ہوگا۔ فناے مسجد میں دکانیں کرنے کو تو علما نے منع فرمایا، نہ کہ معاذ اللہ نفس مسجد میں بزازیہ اور درمختار میں ہے: لایجوز ان یتخذ شئی منہ مستغلا. مسجد کے کسی حصے کو کرایہ حاصل کرنے کو دینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد۲۴، ص۴۸۲)

اسی مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں: ہاں وقت بناے مسجد قبل تمام مسجدیت نیچے مسجد کے لیے دکانیں یا اوپر امام کے لیے بالا خانہ بنائے اور اس کے بعد اسے مسجد کرے تو جائز ہے اور اگر مسجد بنا کر بنانا چاہے اگر چہ مسجد کی دیوار کا صرف اسارہ اس میں لے اور کہے



میری پہلے سے یہ نیت تھی ہرگز قبول نہ کریں گے اور اس عمارت کو ڈھا دیں گے۔
(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد۲۴، ص۴۳۲)

## بلا ضرورت نچلے منزلے کو چھوڑ کر مسجد کے اوپری منزلے پر نماز پڑھنا درست نہیں:

گرمی کے زمانے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بجلی نہ رہنے کی صورت میں نماز مسجد کی چھت پر ادا کی جاتی ہے جو کہ صحیح نہیں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: مسجد کی چھت پر بلا ضرورت جانا منع ہے اگر تنگی کے سبب کے نیچے کا درجہ بھر گیا اوپر نماز پڑھیں جائز ہے اور بلا ضرورت مثلاً گرمی کی وجہ سے پڑھنے کی اجازت نہیں، کمانص علیہ فی الفتاویٰ عالمگیریہ۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد۲۴، ص۴۳۹)

## امامت میں وراثت نہیں، جو نماز کا پابند نہیں امام نہیں ہو سکتا:

ناخواندگی اور علم دین سے دوری کے سبب کچھ لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ امامت میں بھی میراث جاری ہوتی ہے لہٰذا امام کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں میں سے کسی کو امام بنانا چاہیے، اس کی داڑھی مکمل ہو یا نہ ہو، چاہے قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو اور احکام شرع سے مطلق واقفیت نہ رکھتا ہو بہر صورت وہی امام بنے گا جب کہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: امامت میں میراث جاری نہیں۔
پھر ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں: جو نماز کا پابند نہ ہو لائق امامت نہیں اسے معزول کرنا واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد۲۴، ص۴۷۷)

## تعلیم یافتہ کی موجودگی میں غیر پڑھے لکھے کو امام مقرر کرنا:

علاقائی عصبیت یا ہم مشربیت کے سبب یا قرابت ورشتہ داری یا کسی کی سفارش کی بنیاد پر تعلیم یافتہ کی موجودگی میں غیر تعلیم یافتہ کو امام مقرر کرنا کسی طرح درست نہیں، لیکن بد قسمتی سے آج کل اس کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اگر متولی دیدہ دانستہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امام مقرر کرے تو وہ اس حدیث کا مورد ہے کہ من استعمل علی عشرۃ من فیھم ارضی منہ للّٰہ تعالیٰ فقد خان اللہ رسولہ والمومنین (کنز العمال) جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے بہتر ان میں موجود تھا تو اس نے اللہ و رسول اور مسلمان سب کی خیانت کی۔
(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد۲۴، ص۵۶۷)

## مسجد میں کافر کا جانا جائز نہیں:

الیکشن کے زمانے میں ووٹ مانگنے کے لیے یا عام دنوں میں افطار یک جہتی کے لیے سیاسی لیڈران سیاست سے جڑے مسلمانوں کی دعوت پر مسجد آیا کرتے ہیں۔ حالاں کہ انھیں مسجد بلانا اور مسجد میں ان کا بیان کرانا جائز نہیں ہے۔ دیکھیے اعلیٰ حضرت اس مسئلے میں کیا فرما رہے ہیں: کافر کا

اس (مسجد) میں جانا بھی بے ادبی ہے کما حققناہ فی فتاونا بتوفیقہ تعالی (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاویٰ میں کر دی ہے) وھو تعالی اعلم

(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۴، ص ۳۴۷)

## مسجد کو گندگی سے بچانا ضروری ہے:

مسجد کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر طرح کی گندگی اور خراب مہک سے صاف رکھنے کا حکم فرمایا ہے مگر منتظمین ومصلی حضرات فی زمانہ اس امر سے مجرمانہ حد تک غفلت کا شکار ہیں۔ دیکھیے اعلیٰ حضرت اس سلسلے میں کیا تحریر فرما رہے ہیں: مسجد کو بو سے بچانا واجب ہے لہٰذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام، مسجد میں دیا سلائی سلگانا حرام۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۴، ص ۲۳۲)

پھر چند سطور کے بعد یہ حدیث نقل فرماتے ہیں: من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثۃ فلا یقر بن مصلانا جو اس گندے پیڑ میں سے کھالے یعنی کچا پیاز یا کچا لہسن وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔ پھر یہ حدیث نقل فرمایا: فان الملائکۃ تتاذی مما یتاذی منہ بنو آدم یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اگر مسجد خالی ہے تو اس میں کسی بو کا داخل کرنا اس وقت جائز ہو کہ کوئی آدمی نہیں جو اس سے ایذا پائے گا۔ ایسا نہیں بلکہ ملائکہ بھی ایذا پاتے ہیں اس سے جس سے ایذا پاتا ہے انسان۔ مسجد کو نجاست سے بچانا فرض ہے۔

(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۴، ص ۲۳۳)

مسجد کی فضا کو خوش گوار اور پاکیزہ رکھنے کے تعلق سے ایک اور مقام پہ تحریر کرتے ہیں: بعض لوگوں کی ریح میں خلقی بو ئے شدید ہوتی ہے بعض کو بہ وجہ سوئے ہضم وغیرہا عارضی طور پر یہ بات ہو جاتی ہے۔ ایسوں کو ایسے وقت میں مسجد میں بیٹھنا ہی جائز نہیں کہ بوئے بد سے مسجد کا بچانا واجب ہے، وان الملائکۃ یتاذی منک بنو آدم (صحیح مسلم کتاب المساجد) یعنی جس بات سے آدمیوں کو اذیت پہنچتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۴، ص ۲۸۸)

## مسجد میں دنیاوی باتوں کا حکم:

جہاں بہت ساری خرابیاں مسلم معاشرہ میں در آئی ہیں وہیں ایک بڑی آفت یہ ہے کہ مسجدوں میں لوگ باہم جمع ہو کر دنیاوی باتیں کرتے ہیں بلکہ چغلی، غیبت اور گالی گلوچ سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: مسجد میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ فتح القدیر میں ہے: الکلام المباح فیہ مکروہ یاکل الحسنات مسجد میں کلام مباح بھی مکروہ ہے اور وہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

پھر اشباہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: انہ یاکل الحسنات کما تاکل النار



الحطب، بے شک وہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے من تکلم فی المساجد بکلام الدنیا احبط اللہ تعالی عنہ اربعین سنۃ جو مسجد میں دنیا کی بات کرے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرما دے۔

پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں: سبحان اللہ! جب مباح وجائز بات بلا ضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں تو حرام و ناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا۔

(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۴، ص ۳۱۲)

ان مسائل کے علاوہ بھی آپ نے متعلقات مساجد کی اصلاح کے تعلق سے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔ جنھیں تفصیل درکار ہو وہ فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۴ کا مطالعہ ضرور کریں۔ وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

## شریعت پر عمل

’’شریعت مطہرہ پر سختی سے عمل کرو۔ دین کے کسی بھی معاملے میں چاہے کتنی بھی پریشانیاں اور مصیبتیں اٹھانا پڑے، برداشت کرو۔‘‘

**حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی**

(چہار انواع، مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی، ص ۴۷)

## حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

’’صدیق کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہو گئیں اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی قدس سرہ الزکی کی تصریح کے بہ موجب پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کم تر ہے اور ان کے درمیان ان کے مولائے اکرم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں۔‘‘

**امام احمد رضا قدس سرہ**

(فضائل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مترجمہ تاج الشریعہ علامہ اختر رضا ازہری، طبع ممبئی، ص ۱۰۴)

# امام احمد رضا اور معاشی نظام

**محمد ہاشم اعظمی مصباحی**

استاذ دار العلوم غوث اعظم، لیکچرر شعبہ عربی، نیشنل کالج ناسک سٹی، مہاراشٹر

خالق عالم کی عادت کریمہ رہی ہے کہ باطل قوتوں کی سرکوبی کے لیے اپنے محبوب بندوں کو پیدا فرماتا رہا ہے۔ اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوتی رہی ہیں باطل قوتوں کا پنجہ مروڑنے کے لیے انبیاو مرسلین کا سلسلہ دراز چلا، ان کے بعد یہ ذمہ داری علمائے ربانیین و اولیائے کاملین کے سر ڈالی گئی جو نہایت ہی خلوص و لگن کے ساتھ اسلام کی ترویج و اشاعت اور تجدید و احیائے دین کے کارنامے انجام دیتے رہے ہیں جس کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔

یوں تو ہر دور میں ایسی شخصیتیں ہویدا ہوتی رہی ہیں جنھوں نے اپنے علم و فضل اور عقل و بصیرت سے پوری دنیا کو مستفیض و مستنیر کیا ہے۔ جن کے وجود ناز میں ملک و ملت کا افتخار اور قوم و ملت کی فکر رہی ہے بلاشبہ انھیں مقدس و پاک باز ہستیوں میں امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات بھی ہے۔

**ولادت باسعادت:**

علم و فن کے آفتاب و ماہ تاب امام احمد رضا خاں قادری کی پیدائش ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو ہفتہ کے دن ظہر کے وقت اتر پردیش کے ضلع بریلی شریف کے محلہ جسولی میں ایک پٹھان گھرانے میں ہوئی۔

**اسم گرامی:**

احمد رضا (ولادت ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) بن مولانا نقی علی خاں (ولادت ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء وصال ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) بن مولانا رضا علی خاں (ولادت ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء وصال ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) ہے، اپنی کتاب ''حدائق بخشش'' میں خود ارشاد فرماتے ہیں۔

احمد ہندی رضا ابن نقی ابن رضا
از اب وجد بندہ و واقف زہر عنواں توئی

**تعلیم و تربیت:**

آپ ایک ایسے علمی، فکری اور عشق مصطفوی سے سرشار خاندان میں پیدا ہوئے جہاں درس و



تدریس، وعظ و تقریر، فقہ و افتا، نعت نویسی و نعت خوانی اور سب سے زیادہ تحریر و انشا اور تصنیف و تالیف کا لازمی رواج بلکہ خاندانی دستور تھا۔ آپ نے اکثر علوم و فنون اپنے والد ماجد سے حاصل کیے۔ ان کے علاوہ گھریلو اتالیق اور بعض علمائے کرام سے بھی استفادہ کیا۔

آٹھ سال کی کم عمری میں ہی ھدایۃ النحو کی شرح بزبان عربی تحریر کی، تیرہ سال کی قلیل عمر میں عربی زبان میں حمد و ہدایت کی تعریف و توصیف میں رسالہ تحریر کیا اور ۱۴ر سال کی عمر ہی میں رضاعت کا مشکل مسئلہ حل کیا اس کے بعد باضابطہ مسند افتا و قضا پر فائز ہو گئے۔

**اساتذہ:**

مولانا نقی علی خاں (والد ماجد)، حضرت شاہ آل رسول مارہروی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء)، شیخ احمد بن زینی دحلان مکی (م ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء)، شیخ عبدالرحمن سراج مکی (م ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء)، شیخ حسین بن صالح (م ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء)، مولانا عبدالعلی رام پوری (م ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء)، حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری (م ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء)، جناب مرزا غلام قادر بیگ بریلوی (م ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء) آپ کے اساتذہ کی فہرست صرف آٹھ ہے اور بہت سے علوم و فنون میں آپ کو فطری مہارت حاصل تھی۔

امام احمد رضا علم و فن کے ایسے عبقری تھے کہ عقل حیران ہے کہ وہ کون سا علم ہے جس پر آپ کو عبور نہ رہا ہو۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں علوم و فنون کے اب تک جتنے شعبے دریافت کیے گئے ہیں الختصر یہ کہ ان سب پر آپ کو مکمل دست رس حاصل تھی جن کے شواہد آپ کی تصانیف میں جا بجا پائے جاتے ہیں۔ آپ دینی و دنیوی علوم کے حسین سنگم تھے یہی وجہ ہے کہ جہاں آپ نے علوم اسلامیہ میں تجدید و احیا کا کام انجام دیا ہے وہیں علوم دنیا میں بھی بے مثال کارنامے یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ کو ۵۵ر علوم پر درک کامل حاصل تھا اور ایک ہزار سے زائد تصانیف موجود ہیں۔ ۱۴ر سال کی عمر سے لے کر ۶۸ر سال کی عمر تک جو ۵۵ر سال کا طویل عرصہ ہے اسے آپ کی پوری تصنیفات پر منقسم کیا جائے تو روزانہ اوسط تحریر کے حساب سے ۵۶ر صفحات قوم کے حوالے کرتے نظر آئیں گے۔ آپ کے عظیم کارناموں کو دیکھ کر پروفیسر سر ضیاء الدین کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ''امام احمد رضا حقیقت میں عبقری شخصیت ہیں اور آپ صحیح معنوں میں نوبل انعام کے مستحق ہیں۔'' موصوف علوم ظاہری و باطنی کے ساتھ ساتھ سیاسی و سماجی نبض شناس بھی تھے اور بہت بڑے مدبر و مفکر بھی تھے۔ اب میں آپ کی کچھ معاشی و اقتصادی بصیرتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور اس بات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی کو دور کرنے کے لیے اور مالی بحران سے نکلنے کے لیے کیسے کیسے رہ نما اصول پیش کیے ہیں جو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں بلکہ پوری دنیا کے معاشی نظام کو استحکام بہم پہنچاتے ہیں۔

آج پوری دنیا مالی و معاشی بحران کا شکار ہے بعض ممالک میں تو اس کے اثرات بہت ہی

زیادہ پائے جاتے ہیں۔ خاص طور سے معاشی بحران کا شکار سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقت ور ممالک ہیں اس پر مزید ستم یہ کہ جتنے بڑے پیمانہ پر کساد بازاری اور گراوٹ کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس پر نہ جلدی قابو پایا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کیا جاسکتا ہے کیوں کہ نقصان اتنا بڑا ہے کہ مستقبل قریب میں نہ اس کی تلافی کے امکانات نظر آتے ہیں اور نہ ہی اس بحران سے نکلنے کے دور دور تک آثار نظر آتے ہیں۔ دنیا بھر کے بڑے بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کو ۱۷ر جولائی ۲۰۰۸ء تک جو نقصان ہوا ہے اس کا تخمینہ تقریباً ۴۳۵ ربلین ڈالر لگایا گیا ہے۔ عالمی سطح پر معاشی بدحالی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ ۳۳ ر ممالک خوراک کے سنگین بحران سے دوچار ہیں۔

اہم سوال یہ ہے کہ اتنی تیزی کے ساتھ معاشی زوال کی شروعات کیوں ہوئی؟ اس کا جواب ماہر معاشیات ڈاکٹر اوصاف احمد، اسلامی ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ جدہ کے مطابق یہ ہے کہ: ''یہ معاشی نظام کسی اخلاقی عنصر سے یک سر محروم ہے۔ یہ نظام انسانی وجود کے اعلیٰ روحانی اور اخلاقی پہلوؤں کو نظر انداز کر کے اس کے مادی وجود پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔'' گوکہ یہ سچ ہے کہ انسان روٹی کے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ انسان صرف روٹی سے زندہ نہیں رہ سکتا یہ سچ ہے کہ انسان صرف تبلیغ اور تصوراتی تخیلات سے بہت زیادہ متاثر نہیں ہوتا تو اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ انسان ہمیشہ خود غرضی، ذاتی مفاد اور مادی منفعت سے متاثر ہو کر کام نہیں کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ زیادہ تر انسانوں کے لیے کسی بڑے اخلاقی اور روحانی مقاصد کا حصول ہی ان کی زندگی میں معنی ومفہوم پیدا کرتا ہے۔

امام احمد رضا قادری جب دوسری مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ سے وہاں چند مسائل دریافت کیے گئے تھے۔ ایک مسئلہ کا تعلق علم معاشیات سے تھا۔ سوال تھا کہ کاغذ کے نوٹ سے لین دین جائز ہے یا حرام؟ آپ نے بغیر کسی کتاب کی مدد کے مختصر وقت میں اس سوال کا تحقیقی، مدلل و مفصل جواب بہ شکل کتاب عربی زبان میں تحریر فرمادیا جس کا نام خود آپ نے **کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم** (۱۳۲۴ھ) تجویز کیا۔ آج یہ آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف تسلیم کی جاتی ہے اور معاشی معاملات میں بینکار حضرات برابر استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔ اور یہ میرا دعویٰ ہے جو مبنی بر حقیقت ہے کہ بینکار حضرات **کفل الفقیہ** کے نکات پر مکمل طریقے سے عمل پیرا ہو جائیں تو بینک کبھی مالی بحران کا شکار نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ معاشیات کے تعلق سے آپ نے ایک رسالہ بہ نام ''تدبیر فلاح و نجات واصلاح'' (۱۳۳۱ھ) تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے معاشی نظام کے تعلق سے بڑی اہم بحث فرمائی ہے۔ اس کے نکات میں سے ایک حسین نکتہ یہ ہے کہ:

''ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہوسکیں۔''



ایک دوسرا نکتہ بھی ملاحظہ کریں جو کئی جہتوں سے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، وہ یہ ہے کہ:

''بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد کے تو ان گر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔''

ان نکات کی معنویت کا اندازا پروفیسر ڈاکٹر رفیع اللہ صدیقی کے اس اعتراف سے ہوتا ہے کہ:

''میں بہ حیثیت معاشیات کے طالب علم ان کی وضاحت کروں۔ یہ کام بہت بڑا ہے اگرچہ گزشتہ بیس سال سے معاشیات پر درس دے رہا ہوں لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ میرا علم بہت محدود ہے۔''

(ضمیمہ تدبیر فلاح ونجات واصلاح، ص ۳، مطبوعہ نوری مشن مالیگاؤں)

دنیا کو ان رہ نما اصول ونکات کا اندازا اس وقت ہوا جب پہلی جنگ عظیم کے بعد خاص کر ۳۰-۱۹۲۹ء کے بعد عالمی سرد بازاری کی وجہ سے عوام اور حکومتوں کی دل چسپی کا آغاز علم معاشیات سے ہوا، ۱۹۳۶ء میں ایک انگریز ماہر معاشیات جے۔ ایم۔ کینز نے اپنا نظریہ روزگار و آمدنی پیش کیا جو معاشیات کے میدان میں ایک انقلاب کا سبب بنا۔

قارئین ذرا اندازا لگائیں کہ جدید معاشی نظام کی ابتدا ۱۹۳۶ء کے بعد سے ہوئی لیکن یہ کتنی حیرت انگیز تصویر ہے کہ زمانہ جسے ایک مولوی کی تحریر سمجھ کر خاطر میں نہیں لا رہا تھا ان تحریروں میں جدید معاشی واقتصادی تقاضوں کی جھلک موجود ہے، جس کو محدث بریلوی نے ۱۹۱۲ء ہی میں پیش کر دیا تھا۔ بہ قول اقبال ؎

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

امام احمد رضا کے معاشی نظریات اس وقت شائع ہوئے جب علم معاشیات کی جانب دل چسپی وتوجہ نہ تھی بلکہ لوگ اسے خشک فن سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ وہ زمانہ تھا ۱۹۱۲ء کا، اے کاش! آپ کے نظریات ونکات پر توجہ دی جاتی تو پہلی جنگ عظیم کے بعد عالمی سرد بازاری کا منھ نہ دیکھنا پڑتا اور آج جب کہ پوری دنیا اقتصادی بحران کی زد میں ہے، سپر پاور ممالک عالمی کانفرنس بلانا چاہتے ہیں تاکہ اس وبا سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے۔ ایسے حالات سے دوچار ہونا نہ پڑتا۔ اب آپ کے نظریات کو اسلام و قرآن کے آئینے میں دیکھتے ہیں کہ جو محدث بریلوی نے نظریات پیش کیے ہیں وہ اسلامی نظریات کے محور پر گردش کر رہے ہیں یا نہیں۔

(۱) ''ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز

ہو سکیں۔"

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس پہلے ہی فضول خرچی کی مذمت کردی تھی۔ اور ماہرین معاشیات بھی فضول خرچی کی مذمت کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں سخت مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل:۲۶۔۲۷)

"اور فضول نہ اڑا بے شک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں" (کنزالایمان)

تقسیم ہند سے پہلے تک معاشی حالات کا جائزہ لیا جائے تو اندازا ہوگا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازی میں کروڑوں روپے فضول خرچ کر دیے، اور آج بھی کر رہے ہیں۔ امام احمد رضا کے پہلے نکتے کے تناظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ مقدمہ بازی پر کیے جانے والے اخراجات کو ناپسند کرتے تھے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس طرح آپس میں نفرت و عداوت کا جذبہ کارفرما ہوگا۔ دوسری اہم بات یہ کہ کروڑوں روپے جو بے جا خرچ ہو رہے ہیں انھیں اپنی فلاح و بہبود پر خرچ کریں تا کہ معاشی بحران کا شکار نہ ہوں۔

(۲) "بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد کے تواں گر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔"

یہ نکتہ قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ (البقرۃ:۱۷۷)

"اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں" (کنزالایمان)

مال کی بچت اور بینکنگ نظام ہماری معاشی زندگی کے لیے کتنے اہم ہیں یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ یہ کہنا بالکل مناسب ہوگا کہ مستحکم بینکنگ نظام ذاتی و ملکی معیشت کو تازہ روح فراہم کرتا ہے۔ یہ بھی ایک حیرت انگیز تصویر ہے کہ ۱۹۱۲ء میں صرف ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں اور نام ور جگہوں پر بینک قائم کیے گئے تھے۔ جن کی ملکیت بھی انگریزوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اسی وقت امام احمد رضا کی دور رس نگاہیں مستقبل کا پیچھا کر رہی تھیں اور دیکھ رہی تھیں کہ بچت اور بینک کی اہمیت کس قدر ہے۔ اور دنیا کے سامنے مستقبل کا خاکہ پیش کر دیا اور بینکنگ نظام مرتب کر دیا جن سے آج دنیا جزوی طور پر استفادا کر رہی ہے۔



امام احمد رضا نے لوگوں کو صرف اسراف (فضول خرچی) سے ہی بچنے کی تلقین نہیں کی ہے بلکہ صاحب ثروت و دولت مسلمانان ہند سے پرزور گزارش کی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں تا کہ باصلاحیت مسلم تاجروں کو سرمایہ فراہم ہو۔ اور صنعت و حرفت میں ترقی کر سکیں اور کم حیثیت کے غریب مسلمان بھی اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ کر سکیں۔

محدث بریلوی کے معاشی نظریات آج کے سرمایہ دارانہ نظام کی طرح آزاد نہیں ہیں، جہاں افراد آپسی معاملات کے لیے کسی اخلاقی ضابطے کے پابند نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ کے نظریات صرف "اسلامی نظریات" کے محور پر گردش کرتے نظر آتے ہیں۔ جہاں آفاقی اخلاقی ضابطے کا پابند ہونے کی وجہ سے عاملین ہمیشہ ایک دوسرے کی رہ نمائی کرتے ہیں، انسانی معاملات اور ایک دوسرے سے برتاؤ کے سلسلے میں اسلامی معاشی نظام ہمہ گیر اور آفاقی صورت پیش کرتا ہے۔ یہ تمام انسانوں کو وسیع انسانی برادری کا جز قرار دیتا ہے اور ان کے درمیان امن باہم، سکون و اطمینان، فلاح و بہبود کو ہمیشہ بڑھاوا دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلامی نظام تمام انسانی معاملات میں عدل قائم کرتا ہے، انفرادی آزادی اور انسانی وقار کو اپنے نظام اقدار میں ایک اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے اگر آج بھی لوگ ان نظریات پر عمل پیرا ہو جائیں تو حالات بدل سکتے ہیں اور معاشی بدحالی دور ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

## علم دین

"اب بھی وقت ہے۔ اور تلافی مافات آپ کے اختیار میں ہے۔ جس کے دل میں بھی اسلام کا درد ہے، جو شخص بھی اسلام رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ اپنے دین سے ضروری واقفیت پیدا کرے۔ اور اسلام کے نام ہی کو نہیں بلکہ اسلام کی حقیقت و ماہیت کو بھی جانے اور نام ہی کا نہیں بلکہ کام کا مسلمان بنے۔ سیکھنے والے سیکھیں اور سکھانے والے سکھائیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے فرض منصبی و مذہبی کی بجا آوری پر دل و جان سے سچے طور پر مستعد ہو جائیں اور پھر اس علم کو عمل سے ملا کر (کہ یہی علم حقیقی ہے) دیکھیں کہ روئے زمین کی تمام اقوام میں دین و دنیا کی سچی حقیقی پائے دار عزت ہمارے لیے اور صرف ہمارے لیے ہے۔"

**تاج العلما حضرت سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی**

(علم دین اور علماے کرام کے فضائل۔ برکاتی پبلشرز کراچی، ص ۱۵)

## ہو تعریف کیا مختصر اعلیٰ حضرت

**فاروق اختر چشتی مالیگ** (بی۔ایس۔سی،بی۔ایڈ) ۲۶ کے رہزار کھولی، مالیگاؤں

حق اندیش اور حق نگر اعلیٰ حضرت
ہیں باطل سے حق کی سپر اعلیٰ حضرت

ہیں اس دور کے آپ ہی بو حنیفہ
زمانہ ہے تقلید پر اعلیٰ حضرت

بنا مسلکِ حق کی پہچان جب سے
بریلی ہوا نام ور اعلیٰ حضرت

ضخامت فتاویٰ کی ہے یا کرامت
ہر اک لفظ محتاط تر اعلیٰ حضرت

ریاضی ہو ، سائنس ہو ، فلسفہ ہو
نظر کی ، ہوئے سہل تر اعلیٰ حضرت

ہیں اسلاف کے آپ ہی خلفِ لائق
چلے اُن کی ہی راہ پر اعلیٰ حضرت

تراجم ہیں قرآن کے یوں تو کتنے
مگر ترجماں سربسر اعلیٰ حضرت

اک عنوان سو سو حوالے سے ثابت
دباتے ہیں منکر کا سَر اعلیٰ حضرت

تصانیف بارہ شتر سے زیادہ
ہو تعریف کیا مختصر اعلیٰ حضرت

"حدائق" ہیں "بخشش" کے کیسے سجائے
ہر اک شعر مقبول تر اعلیٰ حضرت

صنائع بدائع کی کثرت ، مگر ہے
شریعت بھی پیشِ نظر اعلیٰ حضرت

سخن ور ہیں ایسے کہ حسّانِ دوراں
ہیں اقبالؔ و غالبؔ کدھر اعلیٰ حضرت

سلام آپ نے جانِ رحمت پہ لکھا
جہاں میں ہے مقبول تر اعلیٰ حضرت

نبی ﷺ کی محبت عطا کی نہ ہوتی
تو ہوتی نہ یہ چشم تر اعلیٰ حضرت

یہ اخترؔ ترا شاعرِ بے عمل ہے
دعاؤں کا مشتاق تر اعلیٰ حضرت



## منقبت اعلیٰ حضرت

(**چہار در یک** - Four in one)

**ڈاکٹر صابر سنبھلی** سیف خاں سرائے، سنبھل ،مراد آباد

**نوٹ:** اس منقبت کو درج ذیل چار طریقوں سے پڑھا جائے۔

(الف) پورے پورے مصرع پڑھے جائیں۔
(ب) بریکٹ میں درج جز کو بریکٹ سے پہلے جز سے ملا کر پڑھا جائے۔
(ج) بریکٹ میں درج جز کو بریکٹ کو بعد مندرج جز کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔
(د) صرف بریکٹ میں مندرج الفاظ کو پڑھا جائے۔

غم گین ہوں (صدمے ہیں لاکھوں جان پر) پیارے رضا ، لیجے خبر
للہ ہو (میری طرف بھی اک نظر) پیارے رضا ، لیجے خبر

کس سے کہوں (افکار کی یلغار ہے) جینا بھی اب دشوار ہے
حالت ہے یہ (مجھ کو نہیں اپنی خبر) پیارے رضا ، لیجے خبر

حالات پر (کچھ بس نہیں چلتا مرا) مجبور ہوں ، اب کیا کروں؟
میں روز و شب (رہتا ہوں ہر دم چشم تر) پیارے رضا ، لیجے خبر

ہے عرض یہ (ہم درد کوئی بھی نہیں) دشمن ہیں سب ، اندھیر ہے
قسمت سے کچھ (ایسا ہوا ہوں در بدر) پیارے رضا ، لیجے خبر

یہ کیا ہوا ؟ (آلام کی بوچھار ہے) جینا بھی اب دشوار ہے
حیران ہوں (مشکل میں ہیں قلب وجگر) پیارے رضا ، لیجے خبر

میری صدا (سنتا نہیں کوئی بھی اب) بے تاب ہوں ، مایوس ہوں
کس سے کہوں (فریاد ہے سب بے اثر) پیارے رضا ، لیجے خبر

# دینی وفکری انحطاط اورافکارِ مفتی اعظم

**محمد اسلم رضا قادری**
مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ، باسنی ناگور شریف راجستھان

ارض ہند پر بریلی شریف کو امام احمد رضا بریلوی اور دیگر اکابر علما وفقہا کی نسبت سے ایک خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ اس لیے اس کی دینی وعلمی، ملی وسماجی، اصلاحی وتبلیغی تاریخ کا ایک ایک ورق ارباب فکر ونظر اور اصحاب لوح وقلم نے حیطۂ تحریر میں لاکر محفوظ کرلیا ہے۔

بریلی شریف کی عظیم ترین شخصیات میں ایک نمایاں نام تاج دار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم علامہ شاہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہٗ کا بھی ہے۔ آپ کی کتاب زندگی کا ہر لمحہ، اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ صرف ''مفتی'' ہی نہ تھے جس کا کام دارالافتا میں بیٹھ کر فتاویٰ نویسی کرنا ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے والد ماجد سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی کا عکس جمیل اور ''سر لابیہ'' کی سچی ومکمل تعبیر تھے۔

دین ومذہب پر جس جانب سے بھی انگشت نمائی کی جاتی حضور مفتی اعظم اپنی علمی وفنی اور تبلیغی واصلاحی استعداد وصلاحیت کو روبہ عمل لاکر سینہ سپر ہوتے ہوئے دین وسنیت، قوم وملت کا تحفظ فرماتے۔ نہ اس میں کسی وقت کی قید، حالات کی نزاکت کی فکر، فتنہ پروروں کا خوف، بس خوف صرف اللہ رب العزت کا، محبت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ تحفظ شریعت اور احیاے سنت میں مفتی اعظم ہر طرح کے خوف وغم سے بے پرواہ اور نڈر رہتے۔ حتیٰ کہ حکومت وسلطنت کا خوف بھی آپ کے روبرو کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ جس کی روشن نظیریں ''شدھی تحریک''، ''نس بندی عہد''، ''تحریک موالات'' کے اہم واقعات ہیں۔

حضور مفتی اعظم کا قلب مبارک مسلمانوں کی ہمدردی، غم خواری میں اس قدر موج زن رہتا کہ ہر وقت احوال ملت اسلام کی فکر دامن گیر رہتی اور اصلاح عقائد واعمال کا احساس ستاتا رہتا۔ جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے بس ایک ہی احساس وفکر۔ کہ یہاں پر قوم مسلم کس حال میں اپنی زندگی گزار رہی ہے۔ مسلمان کن کن مصائب وآلام کا شکار ہیں۔ مفتی اعظم اتنے متفکر کیوں؟ اس کا سادا سا جواب یہ ہے کہ وہ جہاں پر علم وفضل، زہد وورع میں یکتا ویگانہ تھے، مفتی اعظم تھے، وہیں پر بہت بڑے متقی ومصلح تھے۔ کوئی شخص بھی شریعت کے خلاف کام کرتا فوراً تنبیہ فرماتے، سمجھاتے۔ خصوصاً مسلمانوں



کی بداعمالیوں، بدکرداریوں پر نہایت نالاں رہتے۔ ان کے سدھار، چڑھاؤ کا سوچتے، اتنا سوچتے کہ دوسروں کی سوچ وفکر وہاں تک نہ جاتی۔ جاتی بھی کیسے کہ مفتی اعظم کی نظر کیمیا اثر بھی عظیم تھی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا پڑھنے والوں نے پڑھا۔ کہ حضور مفتی اعظم ایک سیٹھ صاحب کی فیکٹری میں دعاے خیر و برکت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیٹھ صاحب اپنی مرصع ومزین آفس میں حضرت کو لے گئے۔ حضرت کی نظر دیوار پر آویزاں سیٹھ صاحب کی تصویر پر پہنچ گئی۔ توبہ توبہ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ استغفر اللہ** کہتے ہوئے آفس سے باہر نکل آئے جلال میں فرمایا: لوگ دعا کرانے لاتے ہیں اور حرام چیز آفس میں لگاتے ہیں۔ کیسے برکت ہوگی؟ توبہ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ استغفر اللہ** کیسے برکت ہوگی؟ کیسے برکت آئے گی؟ یہ کہتے ہوئے فیکٹری سے باہر نکلنے لگے۔ سب پر سکتہ طاری ہوگیا۔ ماحول میں زلزلہ آگیا۔ اب کیا ہوگا؟ بہت منت سماجت ہوئی۔ معافی تلافی ہوئی۔ گزارش کی گئی، حضور باہر ہی سے دعا فرمادیں۔ حضرت نے باہر ہی سے کھڑے کھڑے دعا فرمائی۔ نصیحت کی اور مسئلہ بتایا۔
(جہان مفتی اعظم، ص ۴۰۰، رضا اکیڈمی ممبئی)

یہ ہے انداز اصلاح عمل اور صلابت دینی کی جلوہ نمائی۔ جسے پڑھ کر، سن کر ہمارے اسلاف کرام کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ اب ایسا پیکر خلوص ووفا جو قوم مسلم کی اتنی فکر رکھے۔ ان کی بداعمالیوں پر آنسو بہائے۔ اللہ رب العزت سے ان بے سہاروں کے لیے دعائیں کرے، روئے، گڑگڑائے، تلاش بسیار کے بعد کہیں نظر نہیں آتا۔ دیکھیے دیکھیے مفتی اعظم کس انداز میں، کیسے پیار بھرے طریقے سے قوم مسلم کو سمجھا رہے ہیں۔ ان کو ان کے ماضی سے جوڑتے ہوئے شریعت مطہرہ اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر استقامت کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں۔ پڑھیے اس تاج دار کا بیان جسے دنیاے اہل سنت ''مفتی اعظم'' کے نام سے جانتی ہے۔ جن کے ذکر جمیل سے فضا خوش گوار اور آنکھیں اشک بار ہوجایا کرتی ہیں۔ وہ ہمیں کتنے پیار ومحبت سے اسلام کا پیغام سنا رہے ہیں۔ مفتی اعظم تقلید کی ضرورت واہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دیکھو! بے آں قرآن عظیم میں سب کچھ ہے کوئی بات ایسی نہیں جو اس میں نہیں۔ مگر حضور کے ارشادات سے یہی واضح ہوا کہ صحابہ بھی قرآن سے ہر حلال وحرام معلوم نہ فرماسکتے تھے۔ من وتو کی تو کیا گنتی۔ دیکھو! جس طرح بے آں کہ قرآن عظیم ہر شئے کا روشن تبیان ہے۔ اتباع سنت بھی ضرور ہے بے اتباع سنت قرآن عظیم تک رسائی ناممکن۔ یوہیں اگرچہ سنت نہایت روشن بیان ہے مگر اس تک رسائی بے پیروی واتباع علماے سنت ممکن نہیں کہ جیسے قرآن عظیم میں ناسخ منسوخ وغیرہ ہے یوہیں سنت میں بھی۔ کتاب وسنت کا علم حاصل کرنے، انھیں سمجھنے کے لیے ہم ائمہ وعلما کے

محتاج ہیں۔ تفاسیر قرآن وشروح حدیث کے ہم حاجت مند ہیں۔ تقلید کے بغیر ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔'' (چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں)

''اے بخاری وغیرہ کو اپنے ارباب من دون اللہ ٹھہرانے والو! امام بخاری وغیرہ محدثین ہی کی مانو! تقلید وتفقہ واجتہاد کو حق جانو۔ دیکھو! تحصیل وتکمیل دینی علم و عمل کی راہ یہ ہے، جو اس راہ پر چلو گے تو دین کامل پاؤ گے۔ قرآن وحدیث کو علمائے کتاب وسنت سے لو۔ ان کی پیروی کرو ورنہ ڈرو کہ کسی عمیق گڑھے میں نہ گر پڑو۔ بلکہ شیطان نے دھکا دیا اور تم گر چکے ہو۔ اگر اس گہرے گڑھے سے نکلنا چاہو تو اس کی ایک یہی صورت ہے کہ تقلید کرو۔''

(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۶۱۔۶۲، رضا اکیڈمی ممبئی)

حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی صاحب کا یہ تبصرہ پڑھیے اور سر دھنیے کہ مفتی اعظم قدس سرہٗ نے ہدایت مسلمین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض کس طرح انجام دیے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ العزیز (۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) بن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز ایک ایسی عبقری شخصیت کا نام ہے، جنھوں نے اپنے دور میں رشد وہدایت، تبلیغ ودعوت اور اصلاح امت کا فریضہ کچھ اس طرح انجام دیا کہ جس سے قرون اولیٰ کے مردان حق، خاصان خدا، اولیائے کرام اور مصلحین ومبلغین اسلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جن کا نفس نفس اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی انجام دہی میں گزرا اور ان کا ہر ہر عمل خدمت دین اور ہدایت مسلمین کے جذبہ کا مظہر رہا۔

مفتی اعظم ہند علم وعمل کا پیکر اور تقویٰ وطہارت کا سراپا تھے اور وہ سب کے لیے یہی پسند بھی کرتے تھے کہ ہر عالم وعامی مسلمان دین کی تعلیمات سمجھے اور سمجھ کر سچا اور باعمل مومن بن کر زندگی گزارے۔ وہ ایمان وعقیدہ، اعمال واخلاق اور حقوق و معاملات ہر ایک شعبے میں انحراف وکج روی اور بے اعتدالی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس پر فوراً ٹوکتے اور مخلصانہ اصلاح فرماتے، خواہ سامنے کوئی بھی ہو، اپنا ہو یا غیر، مسلم ہو یا غیر مسلم، ہم عقیدہ ہو یا بد عقیدہ، عالم ہو یا عامی، امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت۔''

(تاج دار اہل سنت، ص ۲۹۴، رضا اکیڈمی ممبئی)

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ امت مسلمہ کے بہت بڑے خیر خواہ کا نام ہے۔ جبھی تو آپ اپنے راحت وآرام کو چھوڑ کر اصلاح مسلمین میں ہر وقت سرگرم رہتے۔ مسلمانوں کے حالات خصوصاً بدعملی



اور بداخلاقی سے بہت پریشان رہتے، جدھر بھی تشریف لے جاتے، جہاں کہیں بھی ہوتے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سچی تفسیر وتعبیر نظر آتے۔ جنھیں پڑھ کر، سن کر برملا زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

## مفتی اعظم کی فکری بصیرت وتدبر:

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کو خداوند قدوس نے کن کن اوصاف وکمالات کا جامع بنایا تھا یہ جاننے کے لیے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری کا یہ اقتباس پڑھیے۔ جس کے پڑھنے کے بعد سراپا تصویر نظروں کے سامنے آجاتی ہے اور عقل وخرد حیران وششدر رہ جاتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے تنہا مفتی اعظم قدس سرہٗ کو کیسی کیسی یگانہ خوبیوں سے مشرف فرمایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''علم وعمل کا سمندر، خلوص کا پیکر، وفا کا مصدر، گم راہوں کا رہ بر، شفقت کا جوہر، اپنے عہد میں فائق وبرتر، صاحب ممتاز فکر ونظر، اعلیٰ حضرت کا پسر، اہل سنت کا تاج ور، فکر قوم وملت کا ہم دم وہم درد ایسا کہ کیا غریب اور کیا امیر، کیا رئیس اور کیا فقیر، جو چاہتا مل لیتا۔ بلا تکلف دعا کی درخواست کر دیتا۔ بس عرض کی دیر ہوتی کہ ارشاد کے پھول برسنے لگتے۔ گزارش ختم ہوتی کہ دعا کے لیے گل کرامت کی پتیاں بٹنے لگتیں۔ ملت کا درد، دین کی تڑپ، مسلک کی فکر، قوم کا غم انھیں کہاں کہاں لیے پھرتا تھا۔ بہ آں ضعف ونقاہت جہاں جہاں ضرورت پڑتی کشاں کشاں تشریف لے جاتے۔ جس جگہ پہنچ جاتے خوشیاں امنڈ پڑتیں ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے مسیحا مریض کے پاس آگیا ہو۔ خورشید اندھیرے میں نکل گیا ہو، سمندر پیاسوں کے قریب ہو گیا ہو۔ کسی پریشان کی آنکھ میں آنسو آئے ان کی روح مضطرب ہو جاتی تھی۔ کسی غریب کی پیشانی پر سلوٹ آئے ان کا دل ٹوٹ جاتا تھا۔

یہ انسانیت نوازی، یہ غریب پروری، یہ بے خبروں کی خبر گیری، یہ بے سہاروں کی حوصلہ افزائی مفتی اعظم کی وہ عظیم صفت تھی، جس نے مفتی اعظم کی عقیدت کا دیا طوفان کی زد پر بھی جلائے رکھا ہے۔ جس نے ان کی یادوں کی خوش بوؤں کو کلیجے میں بسائے رکھا ہے۔ اس لیے آج بھی وہ اپنے مریدوں کے حریم روح میں زندہ ہیں۔ چاہنے والوں کے مشکوٰۃ دل میں فروزاں ہیں۔''

(یادگار رضا، ص ۸۳، ''حضور مفتی اعظم نمبر''، ممبئی)

اب حضور مفتی اعظم قدس سرہ کا یہ اقتباس پڑھیے جس میں قوم مسلم کا درد و کرب جھلک رہا ہے اور مفتی اعظم ہمارے ماضی کی طرف ہمیں اشارہ کر کے خوب پیار و محبت سے سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو دیکھو تم کیا تھے، آج تم کیا بن گئے۔ ہماری زبوں حالی و تہی دامنی کا احساس دلا رہے ہیں۔ پڑھیے مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کا یہ فکر انگیز اور درد بھرا اقتباس...... فرماتے ہیں:

"اللہ اللہ کیا زمانہ ہے کسے آج یہ وہم کہ مسلمانوں کو سنیما جیسی چیز کے حرام و گناہ ہونے میں شک ہوگا، کسے خطرہ تھا کہ اس تماشا کے جواز کا خواب انھیں نظر آئے گا، یہ وہم جاگے گا، کسے اندیشہ تھا کہ ایسے بدکام جسے خواص و عوام مطلقاً گناہ و حرام جانتے مانتے ہیں کبھی اسے اگر چہ اس میں کہیں کے خواص بھی مبتلا ہو جائیں جنھیں مبتلا سنیں ہی نہیں خود اپنی آنکھوں دیکھیں۔ جائز سمجھا جائے گا، کسے یہ خیال تھا کہ کوئی بدلگام اس گانے بجانے اور تصاویر نچانے کا تماشا دیکھنے دکھانے کو جائز سمجھے سمجھائے گا وہ بھی اس دلیل ذلیل سے کہ فلاں جگہ عوام ہی نہیں خواص بھی اس میں مبتلا بتائے جاتے ہیں، کسے یہ گمان تھا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ سمجھ والا بھی شریعت کہیں کے مولوی کہلانے والے حاکموں بادشاہوں کے قول و فعل کا نام رکھے گا کہ وہ جو کہیں کریں جائز و حلال ہوگا، کیسے ناجائز و حرام ہوگا۔

اب تک تو مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ جاہل سے زیادہ عالم، عوام سے زیادہ خواص پر ارتکاب گناہ سے اشد الزام ہوتا ہے رذیل سے زیادہ شریف ارتکاب گناہ پر مورد الزام مطعون و ملام ہوا کرتا تھا، یہ نہ جانتے تھے کہ اب زمانہ ایسا آ گیا ہے کہ لوگ مولوی کہلانے والوں اور بادشاہوں کے ایسے ناجائز قول و فعل کو سن کر بجائے اس کے کہ انھیں اشد لزم سمجھیں ان پر اشد طعن کریں انھیں سخت مطعون ملام ٹھہرائیں ان کے اس قول و فعل کو دلیل جواز بنالیں گے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ وہ بھی ایسا نجس قول جس سے مسلمانوں کے دین کو ہنسی کھیل بنالینے والوں کی امداد و اعانت ہو۔ حج مسلمانوں کے دین مقدس کا رکن ہے اس کا تماشا بنانا دین کو ہنسی کھیل بنالینا نہیں تو کیا ہے
فاناللہ و انا الیہ راجعون و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۵۱۵۔۵۱۶، رضا اکیڈمی ممبئی)

حضور مفتی اعظم قدس سرہ کو امت مسلمہ کے برے احوال کی اصلاح کی کس قدر فکر تھی جس کی خاطر وہ ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ سطور بالا میں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ مفتی اعظم ہمارے حق میں کتنے بڑے خیر خواہ اور رسول ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کی تعلیمات کو ہمارے



اذہان و قلوب میں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اتارنے والے تھے۔ خدارا کچھ غور و فکر سے کام لو اور صحیح معنی میں اسلام کے داعی و ناشر بن جاؤ۔ اپنی شکل و صورت کو اسلامی بنالو کامیابیاں، کامرانیاں تمہارے قدم چومیں گی۔

دیکھیے حضرت محدث امروہوی علامہ شاہ محمد مبین الدین قدس سرہ کتنے انوکھے اور اچھوتے انداز میں مفتی اعظم کے بارے میں ہمیں بتارہے ہیں۔ موصوف رقم طراز ہیں:

"مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت بڑی پر شکوہ اور اصلاح و تقویٰ، تفقہ اور عزیمت کا ایک عجیب و غریب مرقع تھی۔ یہاں تک کہ اس ذات گرامی نے اپنا سارا سرمایہ حیات، اپنی ساری توانائیاں، اپنی ساری صلاحیتیں، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنا سب کچھ رضائے مولیٰ کے حصول اور اسلام کی سربلندی کے لیے وقف کر دیا تھا۔" (مقالات نعیمی، ص ۱۳)

ایک جگہ اور مزید فرماتے ہیں:

"حضور مفتی اعظم ہند نے کردار و عمل کی ایسی قندیلیں روشن کی ہیں کہ شاید رہتی دنیا تک قائم رہیں گی۔ غلامان مفتی اعظم آپ کی یاد کو نہ بھلا سکیں گے اور راہ حق پر چلنے کے لیے آپ کے نقش وفا کو سہارا بنائیں گے چوں کہ آپ عالم ربانی تھے، آپ اللہ کے سچے ولی تھے جن کی عظمت شان کے سامنے بڑوں بڑوں نے سر جھکا لیے اور عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کیے اور آپ نے شریعت خداوندی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارا اور مصائب و آلام کی آندھیوں میں ہزاروں راہیں طے فرمائیں۔ صرف اور صرف رضائے مولیٰ کے لیے اور اس کی آرزو کی خاطر۔ اس لیے کہ۔

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے
اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے" (ایضاً، ص ۱۸)

حضور مفتی اعظم قدس سرہ ہر شخص کو اسلامی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا پسند کرتے تھے جب کوئی شخص بھی شریعت کے خلاف چلتا ہوا دکھائی دیتا اسے سمجھاتے، بتاتے کہ میرے عزیز! تم مسلمان ہو اور مسلمان کے یہ کام نہیں ہوتے۔ مسلمان صرف خدا اور رسول کا دیوانہ ہوتا ہے کسی اور کا نہیں۔ مندرجہ ذیل سطور میں آپ نے مسلمانوں سے یہی فکر انگیز خطاب فرمایا۔ مفتی اعظم، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محبوبان خدا کے ذکر کی برکات کے حوالے سے پیغام دیتے ہیں:

"بے شک بے شبہہ حضرات امامین سیدین شہیدین حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ذکر مبارک کی مجلس متبرکہ اہل سنت کا طریقۂ رضیہ، رسم محمودہ مرضیہ ہے

محبوبانِ خدا و پیشوایانِ دین حبیب کبریا علیہ ثم علیہم التحیۃ والثنا کا ذکر مسلمانوں کے دین میں ذکرِ خدا ہی ہے کہ۔

مردانِ خدا خدا نہ باشند    لیکن ز خدا جدا نہ باشند

ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ان محبوبانِ الٰہی سے علاقہ ان کی ذوات کے لیے نہیں اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بزرگانِ خاص، محبوبان با اختصاص ہیں، ان کا ذکر وہ اسی لیے کرتے ہیں کہ وہ بارگاہِ الٰہی کے خاص بندے ہیں۔ ان کا ذکر باعثِ رحمت و برکت اور کارِ ثواب ہے، ان کا ذکر خدا کی عبادت اور خدا چاہے تو سببِ نجات از عذاب ہے۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں **عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ** اور خاص کر یہ ذکر شہادت تو ارشادِ الٰہی **وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ** کے نیچے داخل۔ اس ذکر سے مسلمانوں کا مقصد اپنے ان اماموں کی دینی عظمت دکھانا، حق پر استقامت اور باطل سے نفرت کی ضرورت بتانا فاسق و فجور کی عداوت اور اپنے ان دینی پیشواؤں کی محبت کو جن سے ایمان کو قوت پہنچتی ہے اپنے دلوں کو تازہ کرنا اور دین، مذہب پر اپنی جان و مال، عزت و آبرو سب کو نثار و قربان کر دینے کا سبق اپنے ان اماموں کے اس اسوۂ حسنہ سے حاصل کرنا، اوروں کو ان کی ہدایت کرنا رغبت دلانا وغیرہ وغیرہ ہے۔'' (آگے مزید فرماتے ہیں۔)

''دیوبندی محبوبانِ خدا کے دشمن ایسے دشمن ہیں کہ وہ ان کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتے بلکہ اتنا بھی نہیں سن سکتے کہ سال بھر میں ایک بار فلاں جگہ ان کا ذکرِ خیر ہو۔ اور کیوں چاہیں گے جانتے ہیں جب تک ان کا ذکر مسلمانوں میں رائج رہے گا مسلمانوں کو ان سے محبت رہے گی اور جب تک محبوبانِ خدا سے مسلمانوں کا علاقۂ محبت رہے گا وہ ان کے دامِ تزویر میں آسانی سے نہ پھنس سکیں گے۔''

(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۴۱، رضا اکیڈمی ممبئی)

## عشقِ رسول میں فنائیت:

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی نعمت و دولت کا نام ہے کہ جسے مل جائے اس کے دارین کو چمکا دیتی ہے اس کے مقام و رتبہ کو بڑھا دیتی ہے اور کیوں نہیں۔ کہ یہ وہ محبت ہے، جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا۔ جس شخص نے بھی یہ عمل کر لیا وہ سرخ رو ہو جاتا ہے اس کی شخصیت میں نکھار آ جاتا ہے اور جب یہ عشقِ رسول فنائیت کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے پھر تو انداز ہی نرالے ہو جاتے ہیں۔ اس کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا اور آنا جانا عشق کی سچی تصویر بن جاتا ہے۔ یہ درجۂ فنائیت ہر ایک کو نہیں ملتا۔ یہ تو خوش بختوں کے ہی



حصہ میں آتا ہے۔ یہ درجۂ فنائیت حقیقت میں اس کی بقا کا سبب ہے۔ دیکھیے سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ''فنا'' تھے تو آج تک وہ لوگوں کے قلوب میں ''باقی'' ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام سے عشقِ رسول کی بو محسوس ہوتی ہے۔ جسے صرف عشاق ہی محسوس کرتے ہیں۔ اہلِ علم و فتویٰ ہی جانچ اور پرکھ سکتے ہیں۔ جانشین مفتی اعظم، تاج الشریعہ علامہ شاہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری بریلوی کیا ہی خوب فرماتے ہیں:

''سیدی مفتی اعظم حضرت مصطفیٰ رضا قدس سرہ العزیز ''رضائے مصطفیٰ'' تھے اور جو عظمت انہیں حاصل ہوئی، محبتِ رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم ہی کی بنا پر اور بلاشبہ عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہی جانِ ایمان ہے۔ حضرت کی سرکار علیہ السلام کے عشق میں فنائیت کا شاہد ان کی زندگی کا ہر لمحہ ہے، ان کی محبتِ رسول میں فنائیت کا صحیح اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آخری عمر میں باوجود شدید علالت کے نعت کی محفل میں گھٹنوں باادب بیٹھے رہتے تھے۔ اور نعتِ پاک کے ہر ہر مصرعے پر رونا اور والہانہ کیفیت طاری ہونا اس بات کا غماز ہے کہ وہ مصطفیٰ کی محبت میں ضم ہو چکے تھے۔''

(مفتی اعظم نمبر، ص ۱۹۳، استقامت کانپور ۱۹۸۳ء)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو مفتی اعظم قدس سرہٗ کا سرمایۂ حیات اور مقصدِ حیات تھا۔ خلافِ شریعت کام ان کے سامنے کوئی کرے اور ان کو برداشت ہو جائے ایسا کبھی دیکھا نہ گیا۔ حضور تاج الشریعہ مدظلہ النورانی نے آپ کے اس وصف کو معاصرین میں ممتاز و یگانہ شمار کیا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

''احتیاط اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ان کا (مفتی اعظم کا) وہ مقام تھا جو دوسرے حضرات میں نہیں پایا جاتا تھا۔ قدم قدم پر لوگوں کو برائی سے باز رکھنا، نیکی کی تلقین کرنا، اور بلا جھجک غیر شرعی حرکت پر ٹوک دینا۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو سیدی مفتی اعظم میں ان کے ہم عصروں سے زیادہ پائی جاتی تھیں۔'' (ایضاً ص ۹۴)

قوم مسلم کی زبوں حالی اور پستی و ذلت کا سبب ایک ان کی بدعملی اور بدکرداری بھی ہے۔ آج کون سا گناہ ایسا ہے جو ہم میں پایا نہیں جاتا، مفتی اعظم کو ہمیشہ یہی احساس اور فکر دامن گیر رہتی کہ قوم مسلم برائیوں اور بداعمالیوں سے نکل کر نیک سیرت و صورت بن جائے۔ شراب، بدکاری، سودخواری کی بلا سے آزاد ہو جائے۔ شریعت کی پاسباں بن جائے، سنتِ رسول کی عامل ہو جائے۔ مفتی اعظم مسلمانوں کو شعارِ نصاریٰ سے بچنے کی تلقین فرماتے ہیں، ٹائی سے متعلق فرماتے ہیں:

''ٹائی لگانا اشد حرام ہے وہ شعارِ کفار بدانجام ہے نہایت بدکام ہے وہ کھلا رد فرمانِ خداوند ذوالجلال والاکرام ہے۔ ٹائی نصاریٰ کے یہاں ان کے عقیدۂ باطلہ میں یادگار ہے حضرت سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے سولی دیے جانے اور سارے

نصاریٰ کا فدیہ ہو جانے کی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ ہر نصرانی یوں ٹائی اپنے گلے میں ڈالے رہتا ہے ہر ٹوپ میں نشان صلیب رکھتا ہے جسے کراس مارک کہتا ہے۔ ٹائی کی طرح یہ کراس مارک بھی رد قرآن ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ کہ قرآن فرماتا ہے۔ مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ یہود نے نہ عیسیٰ مسیح کو قتل کیا نہ سولی دی۔"

(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۵۲۶، رضا اکیڈمی ممبئی)

مولانا محمد میکائیل ضیائی کے بہ قول: "حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی کامیاب زندگی کا ہر پہلو انتہائی روشن و تابناک اور ان کی حیات کا ہر لمحہ عامۃ المسلمین کے لیے بہترین سامان ہدایت ہے۔ انھوں نے اپنی بانوے سالہ زندگی کے طویل سفر میں صرف اور صرف اشاعت دین، خدمت خلق اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیے اور جہاں انھوں نے علم و فضل، تصنیف و تالیف اور تصوف و معرفت کو ذریعہ تبلیغ بنایا وہیں تعویذات و نقوش کی شکل میں خدا کے مقدس کلام کے ذریعہ ہزاروں انسانوں کے تیرہ و تار دلوں میں عشق و وفا کے فانوس روشن کیے۔"

(مفتی اعظم نمبر، ص ۲۵۹-۲۶۰، استقامت کانپور ۱۹۸۳ء)

قارئین! حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے فکری و دینی پیغام سے قبل مجدد اعظم اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی کا یہ ارشاد مبارک پڑھ لیجیے۔ اندازا ہوگا کہ جس طرح آپ کے والد ماجد سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی قوم مسلم کے سدھار، نکھار میں جد و جہد فرماتے تھے اسی طرح مفتی اعظم قدس سرہ بھی سرگرداں و کوشاں رہتے تھے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں ہاں اپنی حالت سنبھالنا چاہتے تو ان لڑائیوں ہی پر کیا موقوف تھا۔" (تدبیر فلاح و نجات و اصلاح، ص ۱۲، نوری مشن مالیگاؤں)

(اس جملے کے بعد امام احمد رضا نے مسلمانوں کی دینی فلاح، اقتصادی ترقی اور استحکام کے لیے ۴ رنکاتی منصوبہ دیا ہے جو ہمہ گیر ہے۔)

دین پر استقامت اور باطل فرقوں سے اجتناب کا پیغام دیتے ہوئے حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں:

"جو مرتدین ہیں نیچری، وہابی، دیوبندی، قادیانی، رافضی ان سے میل جول رسم راہ کیسی۔ نری معاملت بھی حرام ہے جو لوگ ان مرتدین کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے ان سے میل جول رکھتے ہیں حرام کار و گنہ گار ہیں۔ جس بدمذہب کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچی ہو جب اس سے بھی میل جول ناجائز تو ان مرتدین سے رسم راہ کے کیا معنی۔ بلکہ فاسق العقیدہ ہی نہیں فاسق العمل شخص کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔"



(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۷۷، رضا اکیڈمی ممبئی)

میں اپنے اس مضمون کو حضرت مولانا صابر القادری نسیم بستوی صاحب کے ان جملوں پر ختم کر رہا ہوں:

"آپ زہد و تقویٰ، عرفان و تصوف، اتباع شریعت، اخلاص و ایثار، کرم و سخاوت، انسانیت نوازی، خلق پروری، دینی شعور و آگہی، خوف الٰہی و خشیت خداوندی، دوراندیشی، مشاہدہ و تجربہ اور علم و دانش کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔"

(مفتی اعظم نمبر، ص ۳۹۴، استقامت کانپور ۱۹۸۳ء)

اللہ رب العزت افکار مفتی اعظم قدس سرہ کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ اور مزار نوری پر انوار و رحمت کی بارش نازل فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

## کنزالایمان کی مقبولیت

کنزالایمان میں کشش ہے۔ جو ہر چمکتا ہے لیکن گردش دوراں کا غبار اسے دھندلا دیتا ہے حسن کی کشش کم ہو جاتی ہے لیکن یہ وہ خزانہ ہے جس کی چمک دمک میں نشیب نظر نہیں آتا، سچ ہے وہ شمع کیا بجھے گی جسے خدائے تعالیٰ نے روشن فرمایا ہے، کنزالایمان؛ قرآن مقدس سے روشن ہوا اور ایسا کہ جہاں بھر میں مشہور ہو گیا۔ اہل علم کی نگاہوں کا نور بن گیا۔ اپنوں کی کیا بات بیگانے بھی اس کی عظمت کے معترف ہیں۔

چند سال گزرے کہ شیخ الازہر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی کی سرپرستی میں چلنے والا تحقیقی ادارہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" قاہرہ مصر نے کنزالایمان کو تحقیق کے بعد اردو زبان کا معتبر و مستند ترجمہ قرآن قرار دیا اس سلسلے میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی کوششیں شامل ہیں۔ ازہر سے معرکۃ الآرا ترجمہ سے متعلق سند کے اجرا کی خبر درج ذیل عربی اخبارات میں شائع ہوئی:

(۱) صوت الازهر قاہرہ مصر، ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

(۲) الجمهورية ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

(۳) الازهر ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

آخر الذکر نے تفصیلی خبر دی علاوہ ازیں انگریزی و فرانسیسی میں شائع ہونے والے اخبار "الدعوۃ" نے ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ کے شمارے میں خبر دی۔ (مرتب)

# مفتی اعظم کی جرأت ایمانی

**محمد شاہد علی رضوی فیضانی** باسنی ناگور شریف راجستھان

ہر دور میں کچھ ایسی پاکیزہ کردار و عمل کی حامل شخصیات پیدا ہوئی ہیں جنھوں نے اپنے خداداد علم و عمل کے ذریعہ قوم و ملت کے عقائد و اعمال کی اصلاح و درستی اور فلاح و بہبود کی انتھک کوششیں فرمائیں اور برسوں کی سوئی ہوئی قوم کو خواب غفلت سے جگا کر انھیں ان کی منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ جنھوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام کی نصرت و حمایت میں گزاری اور اعلاے کلمۃ الحق کا پرچم اپنی زندگی کی آخری سانس تک سرفروشانہ جوش و جذبہ اور مردانہ جسارت کے ساتھ بلند کرتے رہے۔ دنیا کی کوئی طاقت انھیں ان کے فرض منصبی کی ادائیگی سے باز نہ رکھ سکی۔ انھیں برگزیدہ شخصیات میں ایک عظیم المرتبت، صاحب عزیمت شخصیت تاج دار اہل سنت حضرت علامہ مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی مفتی اعظم قدس سرہ کی بھی ہے۔

آپ کی ذات علم و فضل، زہد و تقویٰ، خوف و خشیت اور حدیث رسول مقبول اذا رؤ و ذکر اللہ کی بچی، تابندہ و روشن سراپا تعبیر و تشریح تھی۔ ان تمام تر خوبیوں میں سب سے بڑھ کر آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خوبی حق گوئی و بے باکی کی عطا فرمائی تھی جو بہت کم لوگوں کو ودیعت کی جاتی ہے۔ آپ شریعت کے معاملہ میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے اگر کسی کو خلاف شرع کوئی کام کرتا دیکھ لیتے تو برجستہ ٹوک دیتے تھے اور فوراً اس کی اصلاح فرما دیتے چاہے وہ اپنے وقت کا کیسا ہی سرمایہ دار اور وزیر اعظم ہی کیوں نہ ہو۔ آپ سب کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک فرماتے چاہے وہ امیر ہو یا غریب، مسلم ہو یا غیر مسلم اور اصلاح کا یہ سلسلہ سفر و حضر میں بھی مسلسل جاری رہتا۔

یوں تو آپ کی پوری زندگی حق و صداقت کی نشر و اشاعت میں گزری۔ مفتی اعظم کی زبان و قلم سے نکلنے والی ہر آواز، ہر تحریر حق گوئی و بے باکی کی زندہ مثال ہے۔ مگر کچھ تحریریں اور واقعات ایسے بھی آپ کی حیات مبارکہ میں ملتے ہیں جو یہاں قابل ذکر ہیں جن میں حق گوئی و بے باکی کا پہلو پوری طرح نمایاں نظر آتا ہے۔

ذیل کی سطور میں مفتی اعظم قدس سرہٗ کے وہ واقعات تحریر کیے جاتے ہیں جن کی ہر ہر سطر سے جرأت ایمانی، صداقت صدیقی، عدل فاروقی اور شجاعت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان جھلک رہی ہے اور حق گوئی و بے باکی کا وصف اجاگر ہو رہا ہے۔ جن کو پڑھ کر قارئین کو آپ کی حق گوئی و بے باکی کا صحیح



طور پر اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا۔

## نس بندی کی حرمت کا فتویٰ اور مفتی اعظم کی استقامت:

اس گھڑی کو یاد کر کے ہمارا کلیجا کانپ جاتا ہے جب کہ اندرا گاندھی کے دور اقتدار میں نس بندی کی آگ پورے ہندوستان میں بڑی شدت سے سلگ چکی تھی، نسل انسانی کو گھٹانے کے لیے بلکہ مسلم کشی کے لیے جوان، بوڑھے اور نئے جوڑے کے لیے جبری طور پر فیملی پلاننگ کا حکم حکومت نے دے دیا تھا اور اس سلسلہ میں پورے شدومد کے ساتھ جبر و استبداد کا بازار گرم تھا اور ستم تو یہ ہے کہ یہ سب ایمرجنسی کے بھیانک اور پرخطر ماحول میں ہو رہا تھا۔ علماے سوء تو حکومت کے ہاتھوں بک ہی چکے تھے، کچھ علماے حق بھی رخصت پر عمل کرتے ہوئے ساکت اور جامد نظر آ رہے تھے کیوں کہ 'میسا' جیسے سخت احکامات نافذ العمل تھے۔ سادہ لوح مسلمان عجیب کش مکش میں تھے کہ آخر کیا کیا جائے ایسے خطرناک ماحول میں کسی عالم کا اس کی حرمت کا فتویٰ دینا اپنے آپ کو جیل کی کوٹھری میں ڈالنے اور حکومت کی سخت سزا میں پھنسنے کے مترادف تھا مگر مفتی اعظم کے ایمان اور استقامت نے غلط کو غلط جانا اور حرام کو حرام ہی سمجھا اور اپنی جرأت و بے باکی اور مجاہدانہ کردار کا ثبوت دیتے ہوئے نس بندی کے ناجائز و حرام ہونے کا فتویٰ دیا بلکہ پمفلٹ چھپوا کر پورے ہندوستان میں پھیلا دیا۔ ''نس بندی کرنا کرانا حرام، حرام سخت حرام ہے۔''

(مفتی اعظم کی استقامت و کرامت، ص ۱۲۵)

جب آپ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا تو حکومت ہند نے آپ کو اس بات پر جبر و تشدد کے ساتھ مجبور کیا کہ کسی طرح سے یہ اس فتویٰ سے رجوع کر لیں مگر آپ کی ذات تھی کہ اس پر سختی کے ساتھ قائم رہی اور اہل دنیا کو بتا دیا کہ ''کسی ظالم بادشاہ کے سامنے حق و انصاف کی بات کہنا بلاشبہ عظیم ترین جہاد ہے۔''

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں فوجیوں کی گستاخی اور مفتی اعظم کی جرأت ایمانی:

مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی اور جرأت ایمانی اور دینی حمیت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے فوجیوں جیسے سنگ دل لوگوں کو بھی نہیں بخشا اور ان کے سامنے بھی ڈنکے کی چوٹ پر حق و صداقت کا اعلان کرتے ہوئے نظر آئے۔ جیسا کہ مفتی اعظم مہاراشٹر حضرت مولانا مفتی مجیب اشرف (ناگ پور) اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو لکھنؤ سے بریلی جانا تھا۔ میں بھی حضرت کے ہم راہ تھا جب ہم لوگ اسٹیشن پہنچے تو گاڑی نے رینگنا شروع کر دیا۔ عجلت میں سامنے والے ڈبے میں ہم لوگ داخل ہو گئے۔ داخل ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ڈبہ فوجی ہے۔ حضور مفتی اعظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے کہا گیا کہ یہ بزرگ آدمی ہیں تھوڑی سی جگہ دے دیجیے ہم لوگ اگلے اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔ اس پر فوجیوں نے کہا کہ یہ فوجی ڈبہ ہے اس میں آپ لوگ کیسے آ گئے؟ اس میں غیر فوجی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں لیکن ان میں سے ایک فوجی نے

تھوڑی سی جگہ دی جہاں حضور تشریف فرما ہوئے۔ فوجی آپس میں پہلے ہی سے کچھ مذہبی گفتگو کر رہے تھے درمیان میں سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا تھا جب گاڑی باقاعدہ چلنے لگی تو انھوں نے پھر اپنی گفتگو شروع کی اور حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازیبا کلمات کہنے لگے۔ اتنے میں حضور مفتی اعظم غیظ و جلال میں اپنا عصا لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا خبیث! چپ رہ۔ زبان بند کر سیدنا عیسیٰ کے بارے میں خبردار اس قسم کے الفاظ نہ بکنا۔ یہ سن کر ایک فوجی نے کہا بڑے میاں آپ کیوں غصہ ہو رہے ہیں؟ ہم تو کرچیین (مسیحی) لوگوں کے پرافٹ (پیغمبر) کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ آپ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تو ہم نے کچھ نہیں کہا۔ اس پر حضور مفتی اعظم نے کہا: عیسائی خبیث ان کو پیغمبر کب مانتے ہیں؟ وہ تو ان کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور ہمارے مذہب میں پیغمبر کی تعظیم و توقیر فرض ہے۔ جس طرح ہم اپنے پیغمبر کے بارے میں کسی ادنیٰ گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتے اسی طرح حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں بھی نازیبا الفاظ سننا گوارا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اب زبان بند رکھ۔ اس جواب اور حق گوئی و بے باکی کی وجہ سے ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ سب خاموش ہو گئے اور معافی مانگنے لگے۔ اس کے بعد ایک فوجی نے پوری برتھ خالی کر دی اور اس پر ایک فوجی کمبل بچھا دیا اور آرام کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے فوجی کمبل اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور اپنے پاس جو بستر تھا اس کو بچھا کر آرام فرمایا۔ جب بریلی اسٹیشن آیا اور گاڑی سے آپ اترنے لگے تو سبھی فوجی ڈبے سے نکل کر ہاتھ جوڑ کر آپ کو رخصت کرنے لگے۔ آپ کی جرأت و ہمت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی تعریف و تحسین کی۔ (جہانِ مفتی اعظم، ص ۸۳۶)

## حق گوئی و بے باکی مفتی اعظم کا طغرائے امتیاز:

حضرت مولانا رضوان احمد شریفی مصباحی سیدنا مفتی اعظم قدس سرہ کی ہمہ صفت شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے اور خصوصاً ''حق گوئی و بے باکی'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ کی پوری کتابِ زندگی حق گوئی و بے باکی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ آپ کی یہ شان تھی کہ جب بھی آپ شرع کے خلاف کوئی کام دیکھتے یا کوئی بات سنتے تو فوراً اس کی اصلاح فرماتے۔ مادی طاقت و قوت اور کسی کی دولت و ثروت حق گوئی و بے باکی سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ دینی اسٹیج ہو یا نجی محفل، سامنے امیر ہو یا غریب، مسلم ہو یا غیر مسلم، سفر ہو یا حضر ہر مقام پر حق گوئی کی صدا بلند فرماتے۔ دینی اسٹیج پر تو علما و خطبا کو ٹوکنا عام بات تھی۔ جیسا کہ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں:

حضرات مقررین سے کبھی جوشِ بیان میں، کبھی لکنتِ زبان سے اور کبھی لاعلمی و جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لیے رسوخِ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دورانِ تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں



جو شرعاً، عقلاً، اخلاقاً یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں اگر مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بد احتیاطی کر کے گزر جائے اور آپ امر بالمعروف نہ فرمائیں، کئی بڑے خطبا سے تو بر سرِ منبر انھوں نے توبہ تک کرائی۔ خود اپنی زندگی میں دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

ضلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا۔ تقریر ختم ہوئی جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے۔ ان کے فیض صحبت سے محفل بڑی پرکیف و پرنور رہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوسی کے لیے واپسی ہوئی۔ راستہ میں بڑے خوش گوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں اسی دوران آپ نے فرمایا: رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے آیا ہو تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔ اس امر کی تحقیق کر لیجیے گا۔ آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا: ''بد نصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں بارہ بجے تک سوتے ہیں'' یک بہ یک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا نہایت بلند آواز میں بے حد بے زاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے۔ ''مولانا میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بد نصیب ہو۔ آپ اس کو بد نصیب نہ کہیے کچھ اور کہہ لیجیے۔'' (جہانِ مفتی اعظم، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۸۳۴۔۸۳۵)

اللہ اکبر! یہ ہے مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی کا عالم اس لیے کہ حق و صداقت آپ کی گھٹی میں پلا دیا گیا تھا۔ بھلا آپ اس بات کو کب برداشت کر سکتے تھے کہ کوئی غلط بولے اور آپ اس کی اصلاح نہ فرمائیں اور صرف نظر کر دیں نہیں ہرگز نہیں۔ ایسے مواقع پر آپ کی دینی غیرت و حمیت بھڑک اٹھتی تھی اور فوراً آپ اس کی اصلاح کر دیتے تھے۔ آپ کے نزدیک اس معاملے میں اپنے اور بے گانے کا کچھ فرق نہیں رہتا تھا۔

## حکومت نجدی اور مفتی اعظم کا کلمۂ حق بلند کرنا:

ظالم حاکم کے سامنے صدائے حق بلند کرنا جہادِ اکبر کی دلیل ہے جس کی صراحت خود حدیث شریف میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ ''افضل الجهاد من قال كلمة الحق عند السلطان الجائر'' (کنز العمال)

فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی نور اللہ مرقدہٗ رقم طراز ہیں:

''حضرت مفتی اعظم ۱۹۴۵ء/۱۳۶۴ھ میں حج و زیارت کے لیے حرمین طیبین حاضر ہوئے۔

نجدی فرعون ابن سعود نے حجاج پر حج وزیارت کا ٹیکس لگا دیا۔ اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی، اس کو اپنی عیاشی کے لیے قارون کا خزانہ درکار تھا مگر اس بے برگ وگیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا تو اس حریص ننگ اسلام و مسلمین نے مجبور و بے کس حجاج پر یہ ظلم کیا کہ ان حاجیوں پر ڈاکے ڈالنے کے لیے ٹیکس لگا دیا اور حیرت یہ تھی کہ کتاب وسنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علما نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر وتشدد کا یہ عالم تھا کہ ایک مزاح پسند ناقد نے کہا کہ: نجدی مملکت میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرنے والوں کے لیے جگہ ہے۔ مگر نجدی حکمرانوں پر صحیح تنقید کرنے والوں کی سزا موت ہے۔ علمائے حرمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے لیکن جب حضرت مفتی اعظم حرمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خوں خوار درندے کی قلم رو میں بیٹھ کر مکہ معظمہ میں اس نجدی ٹیکس کے حرام و گناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا۔'' (جہانِ مفتی اعظم، ص ۸۶۱-۸۶۲)

کلمۂ حق کا اظہار کرنا اور خلاف شرع امور کا رد بلیغ کرنا آپ کا شیوا تھا حق کے اظہار میں کسی سے ڈرنا اور حکومت کے دباؤ میں آکر شریعت کے خلاف فتویٰ دینا یہ آپ کی شان کے خلاف تھا۔ سفر میں ہوں کہ حضر میں، خلوت میں ہوں کہ جلوت میں ہر جگہ آپ کی زبان مبارک پر کلمۂ حق کی صدا رہتی۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی و بے ادبی اور دین و مذہب کے خلاف کسی بھی ادنیٰ سی بات کو برداشت نہیں کرتے۔ بلکہ اگر کسی کو دین و مذہب کے خلاف کوئی کام کرتا دیکھتے تو بے چین ہو جاتے اور اس وقت تک آپ کو قلبی سکون نہیں ملتا جب تک کہ اس کی اصلاح نہ فرما دیتے۔

مولیٰ عزوجل ہمیں بھی اخلاص عمل کے ساتھ ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' کا جذبۂ صادق عطا فرمائے۔ آمین۔

## کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن

''اس ترجمہ (کنزالایمان) سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔ ان کے (اعلیٰ حضرت کے) ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیا علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت کو بہ طور خاص ملحوظ رکھا ہے۔''

**ملک شیر محمد خاں اعوان**

(محاسن کنزالایمان، مطبوعہ کنزالایمان سوسائٹی آزاد کشمیر، ص ۳۲)



# حضور مفتی اعظم ہند کی نعتیہ شاعری

**پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برق داناپوری** داناپور کینٹ، پٹنہ، بہار

طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہ والا
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا

مشکوٰۃ المصابیح کی حدیث ہے کہ ارشاد فرمایا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِنَّ المومِنَ یُجاھِدُ بِسَیفِهٖ وَلِسَانِهٖ یعنی ایمان والے تلوار سے بھی جہاد کرتے ہیں اور زبان سے بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کفار کے مقابلے میں تمہارا شعر پڑھنا تیر اندازی کی طرح ہے یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں تم جو اشعار کہتے ہو وہ تیر کی طرح کفار کے سینوں کو گھائل کرتے ہیں۔

چودھویں صدی کے اس برصغیر میں جہاں نجدیوں کے گھناؤنے عقائد کی ترویج و تبلیغ عظمت و شان رسالت کو مجروح کر رہی تھی صلحا، فقہا، علما، اور شعرا کے نعتیہ کلام نے یقیناً جہاد باللسان کا کام کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جہاں علم وفقہ وشریعت کی روشنی میں توحید و رسالت کا پرچم حق فروز بلند رکھا وہیں شعر وسخن پر خداداد ملکہ سے اسوۂ حسنہ کی تبلیغ، عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشویق، نعت مجتبیٰ کی تشہیر اور اس طرح توہین رسالت و عقائد باطلہ کا وہ مردانہ وار مجاہدانہ دفاع کیا جس کی نظیر مشکل ہے۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ دینی و روحانی خدمت ورثے میں پائی کہ روز اول ہی رب تعالیٰ نے انھیں اس منصب پر مامور فرما دیا تھا۔ اپنے پیر و مرشد برحق عارف باللہ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی قدس سرہ کی نسبت روحانی سے سرشار ہو کر آپ نے اپنا تخلص نوری فرمایا۔ سوا حمد ونعت و منقبت کے اپنی اس وہبی صلاحیت شعری وسخن وری کو کبھی اور استعمال نہ فرمایا۔ مبداء فیاض نے ذہن رسا عطا فرمایا تھا۔ علوئے فکر و اوج خیال میں محسود بال جبریل، علم وفضل میں اسلاف کے عکس جمیل، جذبۂ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار، گلشن حسان وکعب رضی اللہ عنہما کی مستانہ بہار تھے۔

ہر چند شاعری ایک فن ہے، بڑا نازک فن اور اس فن کی نازک ترین صنف ہے نعت رسول

مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اتنی نازک اور اتنی پر خطر کہ بہ قول عرفی شیرازی۔

عرفی شتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

اپنی مصروف ترین زندگی میں آپ نے نعت گوئی کے لیے اتنا وقت ضرور نکالا کہ ۱۳۹۹ھ میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل آپ کا نعتیہ کلام ''سامان بخشش'' کے نام سے منظر عام پر آ گیا۔ حدائق بخشش اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا بے مثال مجموعہ نعت ہے۔ سامان بخشش اور حدائق بخشش میں لفظ ''بخشش'' مشترک ہے اور موضوع متحد مگر اپنے انداز پیش کش کو حضور مفتی اعظم ہند نے ایسی انفرادیت بخشی ہے کہ اسے کسی سے مستعار نہیں کہا جاسکتا۔

ابی وشیخی حضرت علامہ قتیل داناپوری علیہ الرحمہ نے آپ سے متعلق رقم فرمایا تھا کہ:

''حضرت مفتی اعظم قدس سرہ صرف مولوی و مفتی ہی نہ تھے بلکہ ایک خدمت اور بھی آپ کے سپرد تھی یعنی دلوں کو دھو کر پاک وصاف کرنا، جس کا ظہور حضرت کی آخری عمر میں کثرت سے ہوا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے ساتھ طریقت میں بھی بڑا حصہ دیا تھا اور اسی کا غلبہ رہا بلکہ آپ اسی کے لیے متخلق تھے۔''

(استقامت مفتی اعظم نمبر، ص ۱۱۷)

مثل مشہور ہے ''ولی را ولی می شناسد'' یقیناً حضور مفتی اعظم ہند اولیاے کاملین سے تھے۔

آپ کی شاعری بھی آپ کے روحانی فیوض کا سرچشمہ ہے۔ سامانِ بخشش کی پہلی ہی نظم ''ضرب ھو'' ہے اللہ، اللہ، اللہ۔ بیس بند کی یہ نظم پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دیدہ و دل روشن ہو جائیں گے۔ حمد باری تعالیٰ، مدحت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مناجات سے مملو یہ نظم ارجمند خوش آہنگی و ترنم ریزی میں آپ اپنی مثال ہے۔ منظر کشی و تصویریت کا حسن ہر جا نمایاں ہے۔

بلبل خوش نوا طوطی خوش گلو    زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغمات ھو
قمری خوش لقا بولی حق سرہٗ    فاختہ خوش ادا نے کہا دوست تو
اللہُ اللہُ اللہُ اللہ

ہے زبان جہاں حمد باری میں لال    دم کوئی حمد کا مارے کس کی مجال
تابا امکان ہم رکھتے ہیں قیل و قال    اس کو مقبول فرما لے رحمت سے تو
اللہُ اللہُ اللہُ اللہ

قیل و قال کی یہ عظیم روحانی شخصیت ایک طرف آسمان شریعت کا آفتاب ہے تو دوسری طرف چرخ طریقت کا ماہ تاب۔



خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہ ہے
کہ دروے بود قیل و قال محمد ﷺ

حضرت کی نادر المثال نظم بہ عنوان ''اذکار توحید ذات، اسما و صفات و بعض عقائد'' خاصے کی چیز ہے۔ ۹۹ مربع بند کی اس نظم میں قلم کی جولانی، علم کی فراوانی اور فیض روحانی کی کرشمہ سامانی اپنے عروج پر ہے۔ ایک صوفی صافی، پیر طریقت، ذاکر زاویہ نشیں کی ضربات پیہم سے صفاے باطن کے ثمر کے ملاحظہ ہوں۔

لا موجود الا اللہ    لا مشہود الا اللہ
لا مقصود الا اللہ    لا معبود الا اللہ
لا الٰہ الا اللہ امنا برسولِ اللہ

ھوٗ ھوٗ ھوٗ ھوٗ ھوٗ ھوٗ    اللہ ھو اللہ
تیرا جلوہ ہے ہر سو    تو ہی تو ہے تو ہی تو
لا الٰہ الا اللہ امنا برسول اللہ

انت الھادی انت الحق    رنگ باطل اس سے فق
قلب مبطل سن کر شق    قلب مسلم کی رونق
لا الٰہ الا اللہ امنا برسولِ اللہ

فلسفہ وحدۃ الوجود تصوف کی ایک قدیم بحث ہے۔ حضرت نوری کا کلام گواہ ہے کہ وہ اہل طریقت و تصوف کے عقیدہ وحدۃ الوجود کے قائل اور ہم آواز ہیں۔ ملاحظہ ہو کس کمال سے سے احاطہ فرمایا ہے۔

جز میں وہ ہے کل میں وہ    رنگ و بوئے گل میں وہ
افغان بلبل میں وہ    نغمات قلقل میں وہ
لا الٰہ الا اللہ امنا برسولِ اللہ

تو میں وہ ہے من میں وہ    جان میں وہ ہے تن میں وہ
آبادی میں ہے بن میں وہ    سر میں وہ ہے علن میں وہ
لا الٰہ الا اللہ امنا برسولِ اللہ

قرب ولقا و وصل میں وہ    بعد و فراق و فصل میں وہ
فرض میں وہ ہے نفل میں وہ    اصل میں وہ ہے نقل میں وہ
لا الٰہ الا اللہ امنا برسولِ اللہ

فتح و ضم و جر میں وہ — پیش و زیر و زبر میں وہ
این و آن و دگر میں وہ — اس میں اُس میں ہر میں وہ

لا الٰہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

جہاں تک زبان و بیان اور فن شعروسخن وری کا تعلق ہے حضرت نوریؔ، ناسخ اسکول کے نمایندہ شاعر نعت گو ہیں۔ ناسخ لکھنوی کا مشہور مطلع دیوان ہے۔

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

''سامانِ بخشش'' کی پہلی نعت کچھ اسی رنگ و آہنگ کے ساتھ طلوع ہوتی ہے۔

پڑھوں وہ مطلع نوری ثنائے مہر انور کا
ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہر محشر کا
سر عرش علا پہنچا قدم جب میرے سرور کا
زبان قدسیاں پر شور تھا اللہ اکبر کا
مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں
نقاب روے انور اے مرے خورشید اب سرکا
جو آب و تاب دندان منور دیکھ لوں نوری
مرا بحر سخن سرچشمہ ہو خوش آب گوہر کا

زبان اتنی با محاورہ، صاف و شفاف، سہل و سادا اور رواں کہ کہیں کوئی اشکال نہ اغلاق۔ علمی نکات، تلمیحات و اشارات، صنعت شعری، روزمرہ کا لطف، زبان دانی کا کمال، جذبۂ عشق کی سرشاری دل موہ لیتی ہے۔ جی نہیں مانتا چند اشعار ملاحظہ فرماتے چلیں۔

عرش اعظم پہ پھریرا ہے شہ ابرار کا — بجتا ہے کونین میں ڈنکا مرے سرکار کا
جاری ہے آٹھوں پہر لنگر سخی دربار کا — فیض پر ہر دم ہے دریا احمد مختار کا
کیا کرے سونے کا کشتہ، کشتۂ تیر عشق کا — دید کا پیاسا کرے کیا شربت دینار کا
فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منھ کے سامنے — جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا
لات ماری تم نے دنیا پر اگر تم چاہتے — سلسلہ سونے کا ہوتا سلسلہ کہسار کا
تو ہے رحمت باب رحمت تیرا دروازہ ہوا — سایۂ فضل خدا سایہ تری دیوار کا

کعبہ و اقصیٰ و عرش و خلد ہیں نوریؔ مگر
ہے نرالا سب سے عالم جلوہ گاہ یار کا



یہ چند منتخب اشعار ہیں آپ کی ایک نعت کے اور میں دعوے کے ساتھ عرض پرداز ہوں کہ دبستان لکھنؤ بالخصوص ناسخ اسکول کا بڑے سے بڑا استاد بھی ایک نعتیہ غزل میں اتنے محاسن صوری و معنوی شاید ہی جمع کر سکے۔

محاورہ، رعایت لفظی، مراعاۃ النظیر، حسن تکرار، تلمیح، اشارہ بالکنایہ، تشبیہ، مجاز مرسل، سہل ممتنع، برجستگی، زور بیان اور لطف زبان گویا چند اشعار میں بحر مواج سخن ہے کہ لہریں لے رہا ہے۔ زور بیان اور قادر الکلامی کا حال یہ ہے کہ ایک ہی زمین میں طویل سہ غزلہ اور چہار غزلہ تیار ہے۔ آمد کا یہ حال ہے کہ پورے تیج کے ساتھ اشعار کا انبار ہے۔ صرف اسی محولہ بالا زمین میں حضرت نوری کی سہ غزلہ نعتوں کا فنی جائزہ لوں تو ایک دفتر درکار ہو۔ زبان و بیان پر آپ کی عالمانہ دست رس، استادانہ گرفت، سخن ورانہ قدرت اور فن کارانہ ملکہ دیکھنا ہو تو یہ چند اشعار پڑھیے۔

کچھ عرب پر ہی نہیں موقوف اے شاہ جہاں
لوہا مانا ایک عالم نے تری تلوار کا
کاٹ کر یہ خود سر میں گھس کے بھیجا چاٹ لے
کاٹ ایسا ہے تمہاری کاٹھ کی تلوار کا
تو ہے وہ شیریں دہن کھاری کنویں شیریں ہوئے
ان کو کافی ہو گیا آب دہن اک بار کا
روکش خلد بریں ہے دیکھ کوچہ یار کا
حیف بلبل اب اگر لے نام تو گل زار کا
بھیک اپنے مرہم دیدار کی کر دو عطا
چاہیے کچھ منھ بھی کرنا زخم دامن وار کا
از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب
ہو چکا تجھ سے مداوا عشق کے بیمار کا
وا اسی برتے پہ تھا یہ تتا پانی واہ واہ
پیاس کیا بجھتی دہن بھی تر نہیں ہر خار کا
کوثر و تسنیم سے دل کی لگی بجھ جائے گی
میں تو پیاسا ہوں کسی کے شربت دیدار کا
جلوہ گاہ خاص کا عالم بتائے کوئی کیا
مہر عالم تاب ہے ذرہ حریم یار کا

ہفت کشور ہی نہیں چودہ طبق روشن کیے
عرش و کرسی لامکاں پر بھی ہے جلوہ یار کا
مرقد نوری پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ
یا چمکتا ہے ستارہ آپ کی پیزار کا

حضرت نوری نے اپنی نعتیہ شاعری سے صفائے باطن وجلائے قلوب کا وہ کام لیا ہے جو حضرات صوفیا کا ورثہ ہے۔اس بدیہی حقیقت کے وہ خود معترف ہیں ۔

اک غزل اور چمکتی سی سنادے نوری
دل جلا پائے گا میرا ترا احساں ہوگا

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جان عالم ہیں اور ان کی محبت جان ایمان۔ آپ کی تلقین دل پذیر ملاحظہ ہو۔

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

میں نے ابتدائے مضمون میں ہی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نقل کی ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی مدافعت میں شعر کہنا کفار کے سینوں کو گھائل کرنا ہے۔ حضرت نوری کی نعت گوئی یقیناً اسی پس منظر میں ہے۔رقم طراز ہیں ۔

دل دشمن کے لیے تیغ دوپیکر ہے سخن
چشم حاسد کو مرا شعر نمک داں ہوگا

آپ کے نعتیہ اشعار قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں اور انہیں کے ترجمان۔ لولاک لما خلقت الافلاک مشہور حدیث قدسی ہے اور دوسری مشہور حدیث اول ما خلق اللہ نوری والخلق کلھم من نوری وانا من نور اللہ ہے۔ان کی ترجمانی کس حسن اختصار سے فرماتے ہیں ۔

جب تم نہ تھے کچھ بھی نہ تھا جب تم ہوئے سب کچھ ہوا
ہے سب میں جلوہ آپ کا ماہ نجم مہر عرب

مشکل زمینوں میں استعداد شعری، ملکۂ سخن وری، قوت گویائی، مضمون آفرینی، زبان دانی وفن کاری پورے استادانہ کمال کے ساتھ دکھائی ہے۔ آمد، تسلسل، آہنگ تو فارسی قصیدہ گویوں کی یاد دلاتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ۔

آئیں جو خواب میں وہ ہو شب غم عید کا دن
جائیں تو عید کا دن ہو شب غم کی صورت



جائیں گلشن سے تو لٹ جائے بہار گلشن
دشت میں آئیں تو ہو دشت ارم کی صورت
بھیڑ کو خوف نہ ہو شیر سے تم جو چاہو
تم جو چاہو تو بنے شیر غنم کی صورت
کوہ ہو جائیں اگر چاہو تو سونا چاندی
سنگ ریزے بنیں دینار و درم کی صورت
صورتِ پاک وہ بے مثل ہے پائی تم نے
جس کی ثانی نہ عرب اور نہ عجم کی صورت
دم نکل جائے مرا راہ میں ان کی نوری
ان کے کوچے میں رہوں نقش قدم کی صورت

اعلیٰ حضرت کا "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" بے نظیر ہے لیکن اسی مستی، اسی جذب اور اسی کیف سے مملو حضرت نوری کا "سلام بہ سرکار خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہ التحیۃ والسلام" تم پر لاکھوں سلام، تم پر لاکھوں سلام، ۳۹ ربند پر مشتمل اپنی سادگی وصفائی، شیرینی وخوش بیانی اور غنائیت کے اعتبار سے چیزے دگر ہے۔

ڈگمگ ڈگمگ نیا ہالے — جیرا کانپے توئی سنبھالے
آہ دہائی رحمت والے — تم پر لاکھوں سلام — تم پر لاکھوں سلام
خُلق تمہارا خلق الٰہی — فیض تمہارا نا متناہی
اے پاکیزہ سیرت والے — تم پر لاکھوں سلام — تم پر لاکھوں سلام

اہل حق کے وہ سارے عقیدے جن کو قرآن وحدیث کی سند وتقویت حاصل ہے حضرت نوری نے ان کی تائید وتاکید سے اس خوب صورت اور موثر نظم کو بحوالہ بالا حدیث شریف کا مصداق بنا دیا ہے۔ منافقین ودشمنانِ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس سلام کا ایک ایک شعر تیر ونشتر سے کم نہیں:

صلی اللہ علیک وسلم صلی اللہ صلی اللہ

کے عنوان سے اسی بحر وزمین میں دوسری نظم بھی ۳۹ ربند پر مشتمل وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ کے حکم باری تعالیٰ کی حسین تعمیل ہے۔

عرش کی زینت تم ہی سے ہے — فرش کی نزہت تم ہی سے ہے
حسن و جمال و لطافت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ

آپ کی اکثر نظمیں ذولسانین ہیں۔ عربی زبان وادب پر فارسی واردو ہی کی طرح آپ کی قدرت مسلم ہے۔ صلی اللہ علیک وسلم کی ردیف میں ۴۸؍اشعار کی نعت شریف والہانہ جذبۂ عشق ووارفتگی کے باوصف مودبانہ مدحت سرائی کی انوکھی مثال ہے۔

بَازَکَ شَرَّفَ مَجَّدَ کَرَّمَ نَوَّرَ قَلْبَکَ اَسْریٰ عَلَّم
رب نے تم کو کیا کیا بخشا صلی اللہ علیک وسلم

شاعر مشرق اقبالؔ نے فرطِ محبت وعقیدت میں یہ نعتیہ اشعار کہے تھے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

حضرت نوری کا ایمان ویقین کامل ملاحظہ فرمایے۔

اَنْتَ الرَّافِع اَنْتَ النَّافِع ، اَنْتَ الدَّافِع ، اَنْتَ الشَّافِع
اِشْفَعْ عِنْدَ الرَّبِّ الْاَعْلٰی ، صلی اللہ علیک وسلم
اَنْتَ الْاَوَّل ، اَنْتَ الْاٰخِر ، اَنْتَ الْبَاطِن ، اَنْتَ الظَّاهِر
اَنْتَ سَمِیُّ الْمَوْلٰی تَعَالٰی ، صلی اللہ علیک وسلم

یہ ہے وہ نعت گوئی جس کے لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الْمُومِنَ یُجَاهِدُ بِسَیْفِهٖ وَلِسَانِهٖ فرمایا۔

مختصر یہ کہ "سامانِ بخشش" کی نعتوں اور منقبتوں کا تفصیلی جائزہ بہر نقطۂ نظر ایک دفتر کا متقاضی ہے۔ محض چند نعتوں اور اشعار کے پیش نظر یہ مختصر مضمون نامکمل وناقص ہے تاہم حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی نعتیہ شاعری کی ایک واضح جھلک اس سے ضرور سامنے آجاتی ہے۔ بہ شرط فرصت ان شاء اللہ اس قرض سے سبک دوش ہوں گا۔

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدیؔ راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہم چناں باقی

☆☆☆



# علامہ عبدالحکیم شرف قادری کی علمی خدمات

غلام مصطفیٰ قادری رضوی باسنی ناگور راجستھان

محقق اہل سنت شرف ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری قدس سرہ السامی کی ذات علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ اپنے معاصرین میں علم وفضل، تحقیق وتصنیف، تقویٰ وطہارت اور تدبر ودانائی میں بے مثال تھے۔ دین وسنیت کی ترویج واشاعت ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ درس وتدریس سے لے کر تصنیف وتالیف تک ان کے مخلصانہ کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی شیریں بیانی اور شیریں گفتار سے اہل علم وادب بھی متاثر تھے۔ خالق قلم نے انھیں بہترین قلم بھی عطا فرمایا تھا جس کا انھوں نے صحیح استعمال فرمایا اور دین وملت کے تئیں زریں نقوش چھوڑے۔ اہل سنت وجماعت کے علمی وفکری مستقبل کے وہ بہترین منصوبہ ساز تھے۔ جو کچھ کام کیا محض رضائے الٰہی کے تحت کیا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کے پلیٹ فارم سے علم وبصیرت کے جوہر لٹاتے رہے اور اپنی فکر ونظر اور مذہبی فہم وفراست سے بیش قیمت ولازوال خدمت انجام دے کر تاریخ اسلام کو رونق بخشتے رہے۔ مذہب وتاریخ اور سماجی موضوعات پر دو درجن کے قریب آپ کی محققانہ تالیفات خواص اور عوام کو متاثر کرنے والی ہیں، ہند وپاک کے متعدد رسائل میں آپ کی جان دار نگارشات شائع ہوتی رہی ہیں اور اہل ذوق اکتساب فیض کرتے رہے۔ دینی تعلیم کے فروغ وارتقا کے لیے آپ نے شبانہ روز کاوشیں فرمائیں اور زبان وقلم کو حرکت دی جس کا عمدہ نتیجہ سامنے آیا۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے فریضہ کی ادائگی میں بھی وہ ہمیشہ مصروف رہے اور اس خصوص میں درجنوں تحریریں لکھیں۔ وہ عربی واردو زبان پر یکساں مہارت رکھتے تھے اور ہر دو زبان میں ان کی ادبیت ارباب فکر ونظر کے مابین مسلم رہی۔ الغرض ان کے علمی انوار وتجلیات سے جہان سنیت منور ودرخشاں ہے۔

یوں تو حضرت شرف ملت کے سارے کارنامے انتہائی اہم وقیع ہیں تاہم رضویات کے باب میں انھوں نے جو علمی وقلمی کارنامے سرانجام دیے ہیں وہ انھیں کا حصہ ہے۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام اور تجدیدی کارناموں کے تعارف میں آپ کا نمایاں رول رہا ہے۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور کے ذریعے جو فقہی کام ہوا اس میں بھی آپ کا حصہ رہا۔ امام احمد رضا قدس سرہ السامی کی حیات وخدمات سے عرب دنیا کو متعارف کرانے کے سلسلے میں بھی آپ کی تگ ودو لائق تحسین اور قابل تقلید رہی۔ آج مصر کے علمی حلقوں میں امام موصوف کے جو گن گائے جا رہے ہیں اور

ڈاکٹر سید حازم محفوظ مصری جیسا محقق حیاتِ رضا پر مستقل لکھ رہا ہے یہ شرف ملت اور ارکان ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے جذبہ ومحنت کا ثمرہ ہے۔ میرے ممدوح نے خود ازہر مصر کا سفر طے کیا وہاں کے علما وفضلا سے ملاقاتیں کیں۔ انھیں اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی سے آشنا کرایا اور فکر رضا سے واقف کرایا۔ نتیجتاً علمی انقلاب کی دھمک ہوئی اور آج عالم یہ ہے کہ مصر میں فاضل محترم ڈاکٹر حازم محفوظ اور ان کے رفقا عربی زبان میں فکر رضا پر ری سرچ کر رہے ہیں۔ متعدد موضوعات پر ان کی نگارشات شائع ہو رہی ہیں اور شکوک وشبہات کی فضا چھٹ رہی ہے۔ اجالا پھیل رہا ہے اور فکر رضا نئے علاقے فتح کر رہی ہے۔ مصر کی سرزمین سے الشیخ احمد رضا خان البریلوی الھندی شاعراً عربیا، امام احمد رضا خان والعالم العربی، الامام الفقیہ احمد رضا خان البریلوی اور بساتین الغفران جیسی کتابیں دھوم مچا رہی ہیں۔ فالحمدللّٰہ علیٰ ذٰلک

امام احمد رضا کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کے لیے معاندین ومخالفین نے کیا کچھ نہیں کیا، صرف زبانی ہی نہیں بلکہ قلمی بھی۔ قلمی کام اس لیے کروایا گیا تا کہ لوگ امام احمد رضا سے متنفر ہو جائیں اور علمی دنیا فکر رضا سے استفادہ نہ کر سکے۔ ایسے حالات میں مسعود ملت ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری جیسے حضرات نے قلمی جوابات دیے اور شبہات کا ازالہ کیا۔ احسان الٰہی ظہیر کی کتاب ''البریلویہ'' بھی امام احمد رضا کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے جس میں مکر وفریب اور جھوٹ وبہتان تراشیوں کی بوچھار کی گئی ہے اور بہ قول مسعود ملت ''جس میں امام احمد رضا کی کردار کشی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔'' ایسی کتاب کو پڑھ کر عام آدمی شکوک وشبہات کا شکار ہو سکتا تھا مگر خدا کے فضل سے شرف ملت جیسے مرد میداں اس کے جواب کے لیے تیار ہوئے اور قلیل مدت میں اس کا ٹھوس علمی جواب دے کر اشاعت حق کا فریضہ ادا کیا۔ شرف ملت کی یہ کتاب ''البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' کے نام سے مطبوع ہے۔ اپنی اس کتاب میں میرے ممدوح نے امام احمد رضا پر عائد کیے جانے والے الزامات کا سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا ہے، ہر بات مدلل اور باوزن کہی جس میں حقیقت کے سوا کچھ نہیں۔ اور علامہ محمد احمد مصباحی کے بہ قول:

''خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کے پاس حقائق ہی حقائق ہیں جن کا اجالا پھیلتے ہی اندھیرا غائب ہو جاتا ہے اور معاند کی پر تعصب کاوش فکر وقلم خاک میں مل کر رہ جاتی ہے۔''

(البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۴۳۲)

کتاب ایک طرف جواب ہے تو دوسری طرف خود مجیب کی عربی واردو میں مہارت کی عمدہ مثال ہے کہ جس میں احسان الٰہی ظہیر کی عربی میں کم زوری کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ نیز امام احمد رضا کی روشن خدمات کے وہ پہلو ہمارے سامنے رکھے ہیں جن سے خود ہم ناآشنا تھے، اس سے بڑا فائدہ یہ



بھی ہوا جو مسعود ملت نے بتایا کہ:

''احسان الٰہی ظہیر، امام احمد رضا کی عداوت میں ''البریلویہ'' پیش نہ کرتے تو شاید عربی زبان میں امام احمد رضا پر اس سرعت سے کام نہ ہوتا لیکن اس عداوت سے مصنف البریلویہ کو کوئی فائدہ نہ ہوا سارا فائدہ اہل سنت وجماعت کو ہوا۔''

(تقدیم: البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۷)

ہند وپاک کے کئی ایک رسائل وجرائد میں علامہ شرف قادری کے رضویات پر لکھے گئے مقالات شائع ہوتے رہے ان کے علاوہ ''مقالات رضویہ'' جیسی کتاب بھی آپ کے ترجمان فکر رضا ہونے کا پتا دیتی ہے۔ آپ نے رسائل رضا کی تسہیل وتخریج کے سلسلے میں بھی متعدد علمی کام انجام دیے۔ رب کریم، شرف ملت کے درجات بلند فرمائے ان کے علمی فیضان سے ہم سب کو مالامال فرمائے نیز ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

☆☆☆

# تحقیقات مسعودی اور محدث بریلوی

**غلام مصطفیٰ رضوی** نوری مشن مالیگاؤں

ماہر رضویات مسعود ملت سعادت لوح وقلم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء) کا قول ہے:

"قلم اللہ کی امانت ہے، قلم کار قلم کا امین ہے...... امانت کا احساس قلم کو سنبھالے رکھتا ہے، جس نے امانت میں خیانت کی وہ قلم کار نہیں خطا کار ہے۔" ۱

حضرت مسعود ملت نے اپنے اس قول کی پوری پوری پاس داری کی۔ حق وصداقت کو قلم کا وظیرہ بنایا اور قلم کے امین بن کر وہ گوہر ہائے علمیہ لٹائے کہ جن کی خوش بو سے اب تک جہان علم وتحقیق معطر ہے۔ جب ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی کی حیات ودینی خدمات اور افکار ونظریات پر کام کا آغاز کیا تو انھیں کے ہو کر رہ گئے اور ایک انقلاب برپا کر دیا۔ طارق سلطان پوری نے سچ ہی کہا ہے:

افتخار بزم علم و آگہی — محفل تحقیق و دانش کا وقار
لایا دانش ور وہ مرد شہ دماغ — رضویت کے باغ میں تازہ بہار

مسعود ملت کے حق شعار قلم نے بہت جلد پردے اٹھا دیے۔ امام احمد رضا کی خدمات کے ان گوشوں پر روشنی ڈالی جن پر اصحاب قلم اور ماہرین علم نے توجہ نہیں دی تھی۔ وہابیہ دیابنہ جن کا رشتہ وتعلق انگریزوں سے استوار تھا، وہ تو چاہتے ہی تھے کہ امام احمد رضا کی خدمات پر پردہ پڑا رہے تا کہ جو حق کی جستجو رکھتے ہیں وہ عبقری زمانہ سے نا آشنا رہیں۔ اس سلسلے میں مخالفین متحرک وسرگرم عمل رہے۔ اغیار کی تو یہی خواہش تھی کہ صداقت کی راہ مسدود ہو کر رہ جائے لیکن اہل حق کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے دینی وعلمی افکار کا چرچا کریں۔ انھیں نامساعد حالات نے مسعود ملت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ آپ لکھتے ہیں:

"۱۹۵۷ء سے راقم مسلسل لکھ رہا ہے لیکن امام احمد رضا کی سوانح اور علمی وسیاسی خدمات کی تحقیق کی طرف ۱۹۷۰ء میں متوجہ ہوا جب یہ دیکھا کہ ارباب علم ودانش دانستہ یا نادانستہ اس طرف سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور غلط فہمیوں کی برابر تشہیر کی جا رہی ہے ......تو شرم وندامت کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے جس کے تلے ہمارے محققین و



مؤرخین دب رہے تھے، اس طرف متوجہ ہونا پڑا اور یہ فرض کفایہ ادا کرنا پڑا۔" ۲

۱۹۶۸ء میں لاہور کی فضا میں ایک خوش گوار انقلاب آیا۔ جس کے اثرات دور تک محسوس کیے گئے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی خدمات کو منظر عام پر لانے کی غرض سے حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرت سری چشتی نے مرکزی مجلس رضا (لاہور) کی بنیاد ڈالی اور صالح لٹریچر کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا۔ مسعود ملت رقم طراز ہیں:

"مجلس رضا نے محدث بریلوی علیہ الرحمہ پر بہت مفید لٹریچر شائع کیا ہے اور پاک وہند نیز بیرونی ممالک میں اس کو پھیلا کر ایک ایسے طبقے میں محدث بریلوی کا تعارف کرایا جو اس سے پہلے نابلد تھا۔" ۳

حکیم محمد موسیٰ امرت سری اور علامہ محمد عبد الحکیم خاں اختر شاہ جہاں پوری کی تحریک وترغیب پر مسعود ملت تحقیقات امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلی کتاب "فاضل بریلوی اور ترک موالات" تحریر کی جس کی اشاعت مجلس رضا نے کی پھر کئی ایڈیشن منظر عام پر آئے اور ارباب علم ودانش حیرت میں پڑ گئے، امام احمد رضا کی بے پناہ بصیرت کے قائل ہو گئے۔ کتاب کے آغاز میں مسعود ملت لکھتے ہیں:

"یہ اس فاضل جلیل کی سوانح ہے، جس کو اب تک جانا پہچانا نہ گیا، سوانح کیا ہے محض ایک خاکہ ہے اس اجمال کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے، کوئی کیا لکھے اور کہاں تک لکھے؟...... غور سے دیکھا تو سیرت کیا ہے ایک بحر ناپیدا کنار ہے، جس کو ہماری کم نگاہی نے جوئے کم آب بنا دیا تھا۔ یہ مبالغہ نہیں، حقیقت ہے۔" ۴

امام احمد رضا سے متعلق آپ کا یہ تاثر محض عقیدت کی بنا پر نہیں تھا بلکہ مطالعہ اور تحقیق کی بنیاد پر تھا اور یہ تو ۱۹۷۱ء کی بات تھی اس کے بعد جب مزید دس سال جستجو کی اور تحقیق کا مرحلۂ شوق طے کیا تو ایک الگ ہی عالم نظر آیا۔ بہ زبان قلم "عین الیقین" اور "علم الیقین" کے بعد اس طرح کے کلمات بھی سننے کو ملتے ہیں:

"مطالعہ وتحقیق کے ساتھ ساتھ یہ احساس ابھرتا جاتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے نصف اول میں امام احمد رضا ہی ایسی واحد شخصیت کے مالک تھے جس کا ہر پہلو ایک بحر بے کراں معلوم ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ معاصرین کو دیے جانے والے تمام القاب کے جامع ہیں...... وہ "امام ربانی" بھی ہیں، وہ "شیخ الہند" بھی ہیں، وہ "سحبان الہند" بھی ہیں، وہ "امام الہند" بھی ہیں، وہ "حکیم الامت" بھی ہیں، وہ "رئیس الاحرار" بھی ہیں، وہ "شاعر مشرق" بھی ہیں، وہ "شیخ الاسلام" بھی ہیں...... بہ یک وقت وہ بہت کچھ ہیں، یہ مبالغہ نہیں...... شاید دس برس قبل راقم کو بھی یہ باتیں

مبالغہ معلوم ہوتیں لیکن عین الیقین اور علم الیقین کے بعد مبالغہ نہ رہیں۔'' ۵

افق ہند پر انگریزوں کے زیر اثر کئی فتنے ظہور میں آئے۔ جن کی ساری کدوکاوش مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ اور رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رشتہ وتعلق کم زور کرنے کی تھی۔ اس کے لیے کتابیں بھی تصنیف کی گئیں، ان فتنوں کی بیخ کنی میں امام احمد رضا نے کلیدی کردار ادا کیا جس سے فرق ہائے باطلہ لرز اٹھے اور پھر انھوں نے اغوائے فکر کے لیے جھوٹ، افترا اور الزامات واتہامات کا سہارا لیا۔ امام احمد رضا کے خلاف ان کی سرگرمیوں کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مسعود ملت لکھتے ہیں:

''چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں امام احمد رضا کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی جس کے کئی اسباب تھے۔ یہ چار اسباب زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں:

(۱) امام احمد رضا نے مسلک اہل سنت وجماعت (سلف صالحین) کی پرزور حمایت کی اور مجاہدانہ وسرفروشانہ سرگرم عمل ہوئے۔

(۲) امام احمد رضا نے انگریزوں کے زیر اثر چلنے والی ہر اصلاحی تحریک کی مخالفت کی۔

(۳) امام احمد رضا نے ہنود کے زیر اثر چلنے والی ہر سیاسی تحریک کی مخالفت کی۔

(۴) امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلک سلف صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لیے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہے۔'' ۶

امام احمد رضا کا یہ طریقہ تھا کہ ہر تحریک یا نظریہ کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھتے اور دیکھتے۔ جسے کھرا پاتے اس کی تائید وحمایت فرماتے اور جسے برخلاف اس کی شدید مذمت کرتے اس لیے آپ نے ان تمام راہوں کی تردید وتغلیط کی جو سلف صالحین کے طریقے سے دور لے جارہی تھیں۔ اسی طرح نصاریٰ (انگریز) اور ہنود کے زیر اثر پروان چڑھنے والی تحریکوں نے بھی ایمان وعقیدے کا سودا کرلیا تھا اور اسلامی شعار سے مسلمانوں کو قدرے دور لے آئے تھے جس کے سبب شرکیہ مراسم مسلم معاشرے میں اثر ونفوذ کرنے لگے تھے یوں ہی عیسائیوں کی تہذیب اور تمدن بھی۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی وجرأت نے بصیرت چھین لی اور وہ ٹھوکر کھاگئے۔ بھٹک کر رہ گئے۔ وہ بے راہ کیوں ہوئے، مسعود ملت لکھتے ہیں:

''بے شک دید مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے دماغ نہیں دل چاہیے اور وہ بھی دل صد پارہ...... جس حسن جہاں تاب کا نظارہ دل وجان سے کرنا تھا، افسوس اس کا نظارہ دماغ سے کیا گیا، چشم سر سے کیا گیا، چشم دل سے نہ کیا گیا، اس لیے نظر کچھ نہ آیا...... دیکھنے والا عقل کی ظلمتوں میں بھٹکتا رہا اور دوسروں کو بھی گم راہ کرتا



رہا...... سچ تو یہ ہے کہ دماغ والوں اور دل والوں میں بڑا فرق ہے...... اتنا ہی جتنا دل اور دماغ میں ہے......'' ۷

امام احمد رضا محدث بریلوی نے بجا فرمایا ہے ؎

اپنے دل کا ہے انھیں سے آرام سونپے ہیں اپنے انھیں کو سب کام
لو لگی ہے کہ اب اس در کے غلام چارۂ درد رضا کرتے ہیں

مسعود ملت نے ایک عاشق رسول، شاہ بریلی سے کیا رشتہ جوڑا کہ رضا کے قلب ونگاہ کے محور سے تعلق جڑ گیا اور ایسا جڑا کہ قلم بھی محبت وعشق سے چہک اٹھا۔ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اب دل یہی چاہتا ہے کہ جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وشمائل میں قلم چلتا رہے اور آپ ہی کی محبت والفت میں جان عزیز جاں آفریں کے سپرد ہو۔'' ۸

بات چل رہی تھی باطل فرقوں کی چیرہ دستیوں کی۔ الزامات کی بوچھار کی گئی۔ کہا گیا کہ امام احمد رضا انگریزوں کے حامی تھے۔ یہ الزام ایسا ہی ہے کہ کوئی دن کو رات کہہ دے، نور کو ظلمت اور پھول کو خار کہہ دے۔ مسعود ملت تڑپ اٹھے اور ایک تحقیقی کتاب ''گناہ بے گناہی'' لکھ دی جو اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی چھپی۔ حقائق واشگاف ہوئے تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے تہمت لگائی تھی ان کا رشتہ وتعلق درحقیقت انگریزوں سے تھا۔ وہ خود انگریزوں کے منظور نظر اور وظیفہ یاب تھے۔ اور امام احمد رضا اسلام کے سچے پاس بان اور فکر اسلامی کے ترجمان اور فخر اسلام تھے۔ مسعود ملت کے نزدیک حقائق کی اہمیت ہے محض سنی سنائی یا اڑائی ہوئی بات کی نہیں۔ اس لیے جو لکھا مطالعہ ومشاہدہ کی بنیاد پر لکھا۔ لکھتے ہیں:

''مطالعہ ومشاہدہ نیک وبد اور خیر وشر کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہے۔ پروپیگنڈے سے کچھ وقت کے لیے خیر کو شر اور نیک کو بد بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں...... مطالعہ کے بعد جب جہل ولاعلمی کے [illegible] اٹھتے ہیں تو مطلع صاف نظر آنے لگتا ہے......'' ۹

دلائل وبراہین کی روشنی میں کھرے کو کھرا اور کھوٹے کو کھوٹا ثابت کر دکھانے کے بعد شکوہ کرتے ہیں کہ سچائی سے کیوں منھ موڑا جارہا ہے؟ برائی کی تائید کیوں کی جارہی ہے؟...... مکر وفریب کیوں اپنایا جارہا ہے؟...... مسعود ملت تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جو الزام امام احمد رضا پر لگایا جاتا ہے وہ تو اس سے بالکل بری ہیں مگر بہت سے متدین اور متقی حضرات کا دامن بھی اس سے پاک نہیں۔ پھر کیوں بے داغ کو داغ دار بنایا جاتا ہے اور کھرے کو کھوٹا دکھایا جاتا

ہے؟...... دروغ گوئی اور حق پوشی کا یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟" ١٠

صداقت کی تشہیر اور احقاق حق مسعود ملت کا مطمح نظر تھے۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ امام احمد رضا کی خدمات کی روشنی قصداً چھپائی جا رہی ہے۔ اس کے محرکات کئی تھے جن میں بعض کا ذکر اوپر گزرا۔ مسعود ملت کی علمی بصیرت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ابوالرضا گل زار حسین قادری تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت کے لیے اور خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے افکار عالیہ پر تحقیقی کام آفاقی ہے جس سے مخالفین و معاندین اہل سنت کی ریشہ دوانیوں اور منفی پروپیگنڈے کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ حق روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے اور باطل کی غوغا آرائی دم توڑ چکی ہے۔" ١١

مسعود ملت کی تحقیق و تدقیق نے فتنہ پردازوں کے عزائم خاک میں ملا دیے۔ ایسے اچھوتے اور البیلے اسلوب میں تعلیمات و تحریراتِ رضا کو پیش کیا کہ صداقت و سچائی سے رغبت بڑھی اور بہت سے محقق و اسکالرز اعتراف حقیقت پر مجبور ہوئے۔

اغیار کے مکر و فریب کی تہیں چاک کرنے کے ساتھ ساتھ مسعود ملت نے اپنوں کی بھی اصلاح کی۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حسد و کینہ اور بغض و عناد مومن کا شعار نہیں، افسوس کہ بعض ہمارے اپنے اس کا شکار ہو بیٹھے اور امام احمد رضا کی شہرت و مقبولیت انھیں گراں گزری۔ اور یہ سوچنے کی بھی توفیق نہ ہوئی کہ امام احمد رضا نے ساری زندگی دین حق کی اشاعت میں گزاری اور دشمنان اسلام کو دنداں شکن جواب دیا۔ وہ تو اپنا سب کچھ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نثار کر چکے تھے

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

ایسے محسن سے حسد کھانا نیک نامی نہیں، یہ منفی انداز فکر ہے۔ ایسے طرز عمل پر مسعود ملت نے تنبیہ فرمائی ہے اور تعمیری ذہن دیا۔ آپ کا یہ اقتباس گرہ میں باندھنے سے تعلق رکھتا ہے، فرماتے ہیں:

"علمائے اہل سنت میں ایک نیا رجحان جنم لے رہا ہے نہ جانے کیوں؟...... وہ رجحان یہ ہے کہ امام احمد رضا کی ہر بات کو حرف آخر نہ سمجھا جائے، تنقید کی چھوٹ دی جائے...... بے شک دی جانی چاہیے مگر! امام احمد رضا سے کوئی بلند تو ہو...... بلند نہ سہی برابر تو ہو...... برابر نہ سہی اس قابل تو ہو کہ ان کی بات سمجھ سکے اور ان کے فیصلے کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈال سکے...... ان کی شان تو یہ تھی...... علمائے عرب و عجم ان کے در



پر سوالی بن کر آئے...... علما کی کثیر جماعت نے ان کے سامنے اپنے اپنے استفتا پیش کیے اور سیر حاصل جواب پا کر شاد ہوئے...... ہم میں کون ایسا ہے؟ علمائے اہل سنت کی اکثریت امام احمد رضا کی بات کو حرف آخر سمجھتی تھی اور اب بھی سمجھتی ہے...... امام احمد رضا کو ہدف تنقید بنانا، رہے سہے فکری اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے...... یہ بڑی غیر دانش مندانہ بات ہوگی...... اس رجحان سے جتنا بچا جائے، اتنا ہی ہمارے لیے مفید ہوگا۔" ١٢

ضرورت ہے کہ مسعود ملت کے تحقیقی و فکری شہ پارے کو شائع کر کے ارباب علم و دانش تک پہنچایا جائے تا کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے افکار کی خوش بو سے دل و دماغ معطر ہو جائیں اور فکر روشن ہو اٹھے۔

☆☆☆

## حوالہ جات

(١) سید مقصود علی، پروفیسر، جواہر مسعودیہ، ادارۂ مسعودیہ کراچی ٢٠٠٦ء، ص ٣٥
(٢) محمد مسعود احمد، پروفیسر، آئینۂ رضویات، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، جلد ٣، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ٢٠٠٣ء، ص ١٢
(٣) مرجع سابق، ص ١٣
(٤) محمد مسعود احمد، پروفیسر، فاضل بریلوی اور ترک موالات، ادارۂ مسعودیہ ٢٠٠٣ء، ص ٤٣
(٥) محمد مسعود احمد، پروفیسر، حرف آغاز اکرام امام احمد رضا، ادارۂ مسعودیہ ٢٠٠٣ء، ص ٧
(٦) محمد مسعود احمد، پروفیسر، تقدیم امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، رضا اکیڈمی ممبئی ٢٠٠٦ء، ص ٣٠
(٧) محمد مسعود احمد، پروفیسر، تقدیم دیوبند سے بریلی، اسلامک پبلشر دہلی ٢٠٠٢ء، ص ٥۔٦
(٨) عبدالستار طاہر مسعودی، مکتوبات مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ٢٠٠٥ء، ص ٥٨
(٩) محمد مسعود احمد، پروفیسر، گناہ بے گناہی، المجمع الاسلامی مبارک پور ١٩٩٣ء، ص ٣
(١٠) مرجع سابق، ص ٨٢
(١١) ماہ نامہ معارف رضا کراچی، جولائی اگست ٢٠٠٨ء، ص ١١٢
(١٢) محمد مسعود احمد، پروفیسر، آئینۂ رضویات، جلد ٣، ص ١٠٧-١٠٨

**تجزیہ**

## رضا اکیڈمی کی مطبوعہ

# ''سامانِ بخشش'' ایک مطالعہ

**مفتی ولی محمد رضوی** سنی تبلیغی جماعت باسنی، ناگور راجستھان

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا، پڑھنا، سننا عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ بخت ور اور اقبال مند حضرات ہی اس خدمت واطاعت میں لگے رہتے ہیں۔ یہ کوئی آج کی روایت نہیں ہے بلکہ ہر قرن و دور میں یہ منظوم انداز عقیدت جاری رہا۔ حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس خدمت کے ذریعہ جو عزت وعظمت پائی وہ بے مثال ہے۔ رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس انداز نعت کو پسند فرما کر اس طرح دعا فرماتے اللّٰھم اید الحسان بروح القدس ''اے میرے سچے مولیٰ تیرے رسول کے وفادار کی روح القدس کے ذریعے مدد فرما۔''

سبحان اللہ! کیسے خوش بخت تھے وہ عاشق مصطفیٰ جن کے لیے خود رسول دعا فرمائیں تو یہ طریقۂ محبت ہر دور میں جاری رہا اور اب قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ العظیم۔ موجودہ دور میں ایک سے بڑھ کر ایک شعرا ہوئے جن کے نعتیہ کلام کی دھوم مچی ہوئی ہے انھوں نے خلوص سے کلام لکھا تو آج ان کے کلاموں کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی، ہم ان سب کو داد تحسین پیش کرتے ہیں مگر اس دور میں جس بزرگ ہستی کے کلام نعت نے دھوم مچائی ہے وہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہے۔

یہی کہتی ہے بلبل، باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ھدیٰ مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

یہ صرف زبان کی آواز نہیں دل کی حقیقت کا آئینہ بن کر ابھرنے والی آواز ہے۔ عالم اسلام میں آپ کے کلام کو پڑھ کر ارباب علم وادب داد و تحسین کے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔ اس کی تشریحات میں مصروف ہیں۔ دو سال پیش تر ''نعت رنگ'' کراچی نے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ایک ضخیم نمبر ۸۰۰ ر صفحات پر مشتمل شائع کر کے ان کے شعری کمال کو پیش کیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس کے ذریعے عشق و محبت کی چنگاری سے دلوں کی دنیا چمکا دے۔ آمین۔

آپ ہی کے فیض یافتہ اور شہزادۂ عالی وقار تاج دار اہل سنت حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری (مفتی اعظم ہند) علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ کلام کو بھی ہند و پاک اور دیگر ممالک میں



خاص اہمیت حاصل ہے بلاشبہ کلام مفتی اعظم میں عشق ومحبت کی چاشنی ہے، صوفیانہ اور عالمانہ رنگ ہے جس کو پڑھنے سے دل و دماغ جھوم جھوم جاتے ہیں۔ آج اہل عقیدت ومحبت کی مجلسوں میں ان کے نعتیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں تو لوگ خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ ''سامانِ بخشش'' کے نام سے آپ کا نعتیہ کلام بہت پہلے منظر عام پر آچکا ہے، بلاشبہ یہ دیوان نورانی وعرفانی نعتوں سے پر ہے، نور باری سے منور ہے، محبت مصطفیٰ سے لبریز ہے۔ شاعر جن مبارک خیالات کا جامع ہے کلام ان ہی افکار وخیالات کا مجموعہ ہے۔ مفتی اعظم ہند قدس سرہ السامی کے بہت سے نعتیہ اشعار مشہور زمانہ ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل اشعار کافی مشہور ہیں۔

تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ — تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
حبیب خدا کا نظارہ کروں میں — دل و جان ان پر نثارا کروں میں

یہ انداز کلام نوری میں جا بجا پایا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسے کلام سے ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو آشنا کرایا جائے۔

ہمارے محبوب مجاہد سنیت الحاج محمد سعید نوری صاحب کو تو رضا و نوری سے جنونیت کے طور پر عقیدت ومحبت ہے۔ ان کے ذکر جمیل سے وہ ہر وقت خوش رہتے ہیں اور ان کے افکار ونظریات کو عام کرنے میں ہر وقت کوشاں رہتے ہیں، موصوف نے کلام مفتی اعظم ہند ''سامانِ بخشش'' کی بڑی خوب صورت انداز میں اشاعت کی ہے۔ عمدہ کتابت، حسین کلر اور اعلیٰ کاغذ و ٹائٹل کے ساتھ ہمارے سامنے لائے ہیں جو تقریباً ۱۴۴ ر صفحات پر مشتمل ہے دیکھ کر دل باغ باغ اور شاد شاد ہو جاتا ہے۔ میں اس کی طباعت واشاعت پر موصوف اور ان کے تمام رفقا کو مبارک باد پیش کرتا ہوں جو اس طرح کے منفرد کام انجام دیتے رہتے ہیں جدت پسندی کی بلا ہر طرف عام ہے اور اکابر شخصیات پر اعتراضات ہو رہے ہیں ایسے حالات میں اراکین رضا اکیڈمی کافی اچھا کام کر رہے ہیں۔ اور خدمت دین وسنیت میں مصروف ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم سب متحد ہو کر مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں لگ جائیں۔

دعا ہے کہ رب قدیر تمام خادمین اہل سنت کی خدمات کو قبول فرمائے۔ ان کے ایمان وآبرو، جان اور مال کی حفاظت فرمائے، الحاج محمد سعید نوری اور ان کے معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور ان سے مزید مخلصانہ کام لے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے
یا الٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد (حضور سید العلما)

☆☆☆

# یادگار نامے

## یادگار رضا کی تدوین و ترتیب کی خبر نے مسرور کیا

**پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ، کراچی**

کرم نامہ اور تبصرہ موصول ہوئے۔ کرم فرمائی اور یاد آوری کا ممنون ہوں...... یادگار رضا کی تدوین و ترتیب کی خبر نے مسرور کیا...... مولیٰ تعالیٰ آپ کی غیب سے مدد فرمائے۔ آمین!...... مبارک باد کا ممنون ہوں...... ''جہان امام ربانی'' کی بارہ جلدوں کی اشاعت کے بعد مزید تین جلدیں ''باقیات جہان امام ربانی'' کے عنوان سے زیر تدوین ہیں...... جن کتب و رسائل کا آپ نے ذکر فرمایا وہ بہ ذریعہ ڈاک بھیج رہا ہوں۔ مل جائیں تو مطلع فرمائیں تاکہ اطمینان ہو...... یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ برادرم ابوزہرہ رضوی زید مجدہ کی کتاب مقبول ہوئی...... مزید تصانیف ضرور چھپوائیں......

آپ نے جو موضوع منتخب فرمایا ہے بہت مناسب ہے، اس پر ابھی کام نہیں ہوا...... شاعری اور نثر نگاری کے حوالے سے کام ہوا ہے...... ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بریلی شریف) سے ضرور رابطہ کریں، وہ بہتر مشورہ دے سکیں گے۔ فقیر مصروفیت کی وجہ سے سردست خاکہ پیش کرنے سے قاصر ہے...... فقیر کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ برادرم مولانا محمد سعید نوری، حافظ شکیل رضوی، ابوزہرہ رضوی، محمد میاں مالیگ، مولانا محمد ارشد مصباحی، حامد رضا انصاری زید مجدھم اور اپنے احباب کو سلام کہہ دیں۔

**اداریتی نوٹ**: مسعود ملت کا یہ مکتوب ۷؍جنوری ۲۰۰۸ء کا تحریر کردہ ہے جو فروری ۲۰۰۸ء میں اس وقت موصول ہوا جب کہ یادگار رضا ۲۰۰۸ء تیار ہو چکا تھا۔ یادگار رضا کے لیے راقم کے نام آپ کا یہ آخری مکتوب ہے۔ آپ جب بھی خط تحریر فرماتے جذبات میں نئی جان ڈال دیتے تیز دین و سنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر استقامت کی تلقین ضرور فرماتے۔ اور یادگار رضا پر گاہے بہ گاہے اپنے تاثرات سے نوازتے۔ رضا اکیڈمی ممبئی اور نوری مشن مالیگاؤں کی مطبوعات پر اظہار مسرت فرماتے۔

## بریلی کے علمی درخت کا پھیلاؤ دور دور تک ہے...... کنزالایمان کا صد سالہ جشن اچھی خبر ہے

**علامہ محمد منشا تابش قصوری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور**

گرامی نامہ فردوس نظر ہوا، بے حد شکریہ۔ آپ تسلسل سے علمی تحائف عطا فرما رہے ہیں مگر افسوس کہ ادھر سے کچھ نہ کر سکا۔ ان شاء اللہ العزیز جلد ہی ایک پیکٹ آپ یا الحاج محمد سعید نوری صاحب زید مجدہ کے نام ارسال ہوگا۔ امید کہ متعلقہ احباب کی خدمت میں کتابیں پیش فرما دیں گے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر جس تیز رفتاری سے مختلف گوشوں پر اشاعتی علمی کام ہو رہا ہے اس پر اللہ



تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ بریلی کے علمی درخت کا پھیلاؤ دور دور تک ہے ظاہر ہے جب جڑیں اور تنہ مضبوط ہو تو سایہ گھنا ہوتا ہے۔ ڈال اور شاخیں جتنی پھیلیں پھل پھول اتنے ہی زیادہ حاصل ہوتے ہیں گو بظاہر جڑیں اور تنہ خالی نظر آتا ہے کوئی تنے یا جڑوں سے پھلوں اور پھولوں کی خوش بو نہیں پا سکتا خواہ وہ درخت کتنا ہی زیادہ بار آور ہو۔ یہ تقاضائے فطرت ہے۔ بریلی شریف کے اس سدا بہار پھل دار درخت کا پھیلاؤ بریلی ہی نہیں بھارت کے وسیع و عریض ملک کی حدود کو کراس کر کے آفاق کو اپنے دامن میں سمیٹ چکا ہے۔ اس لیے اس کے ثمرات سے مبارک پور، مالیگاؤں، ممبئی، دہلی، لاہور، کراچی، امریکا، افریقا، برطانیا اور ممالک عربیہ کے اہل محبت استفادہ کر رہے ہیں۔

آپ کا تازہ تحفہ ''عالمی سہارا کا اعلیٰ حضرت نمبر'' پیش نظر ہے۔ مضامین کا انتخاب خوب اور محبوب ہے۔ عجیب اتفاق کہ اس کا ایڈیٹر غیر مسلم ہے، اگر یہ بات درست ہے تو ''اعلیٰ حضرت کی زندہ کرامت'' کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں بہ فحوائے معروفہ الفضل ما شهدت به الاعداء ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

یہ نمبر اس حقیقت پر دال ہے کہ جدید علمائے اہل سنت نے اعلیٰ حضرت پر اس نہج سے کام کیا ہے اور کر رہے ہیں کہ غیر بھی ادھر متوجہ ہو رہے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ منہ وکرمہ تعالیٰ۔

کنزالایمان کا صد سالہ جشن اچھی خبر ہے۔ حال ہی میں نور القرآن کمپنی لاہور نے بھی اپنی اشاعت کا آغاز اسی عالمی شہرت یافتہ ترجمہ سے کیا ہے اور اس کا ''نشان منزل'' لکھنے کی سعادت بندہ کو نصیب ہوئی۔ اسی مضمون کی فوٹو کاپی ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے آپ پسند فرمائیں گے اور ''یادگار رضا'' میں شامل فرمائیں گے۔

اس وقت تک جس جس زبان میں ''کنزالایمان'' کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اسے بھی مضمون کی شکل میں طبع فرمائیں۔ ہندی، گجراتی، افریقی، انگلش وغیرہ اگر وہ مترجم قرآن مجید حاصل ہوں تو مختلف مقام سے ان کے عکس شائع کریں۔ اگر پہلی اشاعت کا نسخہ میسر آئے تو پہلے صفحہ کا عکس آنا چاہیے۔ راقم سطور نے ''مطالب القرآن'' کے نام سے کنزالایمان کے ساتھ ایک فہرست مرتب کی تھی ممکن ہو تو وہ فہرست مع ترجمہ شامل فرمائیں۔ مسلک حق کی ترجمانی از کنزالایمان ائمہ مساجد کے لیے خوب رہے گی؛ ''محاسن کنزالایمان، ضیائے کنزالایمان اور ایک قرآن ایک ترجمہ'' یہ رسالے دیگر تراجم کے ساتھ تقابل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ یادگار رضا کو مزید نور علیٰ نور بنانے میں معاون ثابت ہوں گے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آج تک پاک و ہند میں کنزالایمان اور دیگر تراجم پر جو تقابلی رسائل یا مضامین آئے ہیں، رضا اکیڈمی ممبئی از سر نو مرتب کر کے یک جا کتابی صورت میں لائے نیز اب تک جتنے سنی علما کے تراجم آئے ہیں ان کا بھی کنزالایمان کے ساتھ تقابلی مطالعہ ضروری ہے۔

کئی بار احقر اس طرف متوجہ ہوا مگر عمر کے اس حصہ میں ہوں کہ دعاؤں اور دواؤں کے سہارے گزر رہی ہے الحمد للہ علیٰ کل حال۔ دراصل میرے مشفق و مہربان احبا کا داغ مفارقت دینا بہت ہی گراں ہے۔ حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری اور الحاج مقبول احمد ضیائی رحمہم اللہ تعالیٰ کی جدائی کوئی معمولی سانحہ نہیں۔ ان مہربانوں کا اٹھ جانا جہاں اہل سنت

کا ناقابل تلافی نقصان ہے وہاں ذاتی طور پر میرے لیے ناقابل بیاں صدمہ ہے۔ اب میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہوں۔ کیوں کہ ان شخصیات کے روابط بین الاقوامی سطح کے تھے جب کہ میرا معاملہ بھی تقریباً یکساں تھا۔ اس وقت بھی میرے رفقا میں کمی نہیں ہے۔" اسے ان کا واسطہ کم ہی ہے جب کہ ہمارا حال یوں تھا ع

قلم زبان من است و من زبان قلم

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ عبدالمبین نعمانی، علامہ یٰس اختر مصباحی، الحاج محمد سعید نوری اور جو حاضر ہوں انھیں سلام مسنون کہہ دیں۔ فقط والسلام مع الاکرام۔

**ادارتی نوٹ**: علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی نے بڑی عمدہ اور نفع بخش تجاویز سے نوازا۔ جن میں بعض پر رضا اکیڈمی نے کام بھی شروع کر دیا ہے۔ ارادہ تھا کہ یادگار رضا ۲۰۰۹ء کا کنزالایمان پر خصوصی شمارہ نکالا جائے، الحاج محمد سعید نوری صاحب کی سرپرستی میں رضا بک ریویو پٹنہ نے کنزالایمان پر ایک شان دار نمبر کا اعلان کر دیا جس کی اشاعت رضا اکیڈمی کے تحت ہوگی۔ اس لیے یادگار رضا کو حسب روایت شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ کنزالایمان پر چند مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ہفت روزہ مسلم ٹائمز ممبئی کا کنزالایمان نمبر بھی رضا اکیڈمی سے شائع ہو رہا ہے۔

## کنزالایمان کا پہلا ایڈیشن مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی نے شائع کیا تھا

**پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد، علی گڑھ**

مکرمت نامہ مورخہ ۳۰ راگست چند دن پہلے موصول ہوا، یاد فرمائی کے لیے ممنون ہوا۔ ہجوم کار کی بنا پر میرے لیے ممکن نہیں کہ آپ کی فرمائش پوری کر سکوں۔ یہ صحیح ہے کہ کنزالایمان کا پہلا ایڈیشن مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی نے شائع کیا تھا ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ، صحیح سال یاد نہیں۔ حضرت ملک العلما نے اس کے کئی نسخے مرادآباد سے ایک ساتھ منگوائے تھے اور یہ نسخے لکڑی کے ایک بکس میں بہ ذریعہ پارسل آئے تھے۔ قیمت اس پہلے ایڈیشن کی ۴ روپے تھی۔ اب وہ نسخہ کتب خانہ خاص میں موجود نہیں، کاغذ بہت ہلکا تھا کثرت استعمال سے تلاوت کے قابل نہ رہا ہوگا لیکن تلاش پر بریلی، مرادآباد، بدایوں میں مل جانا چاہیے۔ مولانا (سید نعیم الدین مرادآبادی) مرحوم کے دو تین ہی خط ملک العلما کے نام محفوظ ہیں ان میں سے کسی میں کنزالایمان کا ذکر نہیں۔ یہ خطوط بہت بعد کے ہیں۔ کنزالایمان پر مضمون کے لیے آپ پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی، صدر شعبۂ اردو بہار یونی ورسٹی مظفر پور (بہار) اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بریلی) کو لکھیں ان کا قلم رواں دواں ہے آپ کے اصرار پر ضرور لکھیں گے۔ آپ اپنے احباب کو میرا سلام پہنچائیں۔ امید کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔ والسلام۔

## الحاج محمد سعید نوری نے ہر موقع پر دین وسنیت کے تحفظ کے لیے اہم اقدام کیے

**ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی شریف**

محترم المقام الحاج محمد سعید نوری صاحب مدظلہ العالی، بانی رضا اکیڈمی نے ہر جہت سے کتب رضا



کی طباعت واشاعت، امام احمد رضا پر لکھے گئے علمی وتحقیقی مقالات کی اشاعت اور فروغ رضویات میں کام کرنے والے محققین ومصنفین کی پذیرائی، ایوارڈز نیز یوم رضا اور عرس رضوی کا اعلیٰ پیمانے پر انعقاد، اور سال نامہ "یادگار رضا" کی ہر سال اشاعت وغیرہ کے توسط سے فروغ رضویات اور اشاعت مسلک اعلیٰ حضرت کے لیے بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں اور رضا اکیڈمی کے کام میں مزید تیزی آ رہی ہے۔ محترم سعید نوری صاحب نے ہر موقع پر دین وسنیت اور مسلمانان اہل سنت کے تحفظ کے لیے اہم اقدام کیے ہیں۔ رب کریم ان کے جذبۂ دینی وملی کو مزید تب وتاب عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

## الحاج محمد سعید نوری صاحب کی خدمات مثالی ہیں

**پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ایڈیٹر ماہ نامہ جہان رضا لاہور**

"یادگار رضا ۲۰۰۸ء" ایک خوب صورت مجموعہ آیا، آپ نے مرتب کیا، محمد سعید نوری صاحب نے چھپوایا دونوں مبارک باد قبول کریں۔ الحاج محمد سعید نوری صاحب کی خدمات مثالی ہیں۔ آپ نے سہارا کا "اعلیٰ حضرت نمبر" بھیجا خوش کر دیا بہت اچھے مضامین ہیں کیا یہ دس عدد ارسال کر سکتے ہیں۔ نوری مشن کی کتابیں بھی پسند آئیں۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کو اپنی کتابیں بھیج دوں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ محمد سعید نوری صاحب کو سلام عرض کریں۔ میں مسعود ملت پر جہان رضا کا خصوصی نمبر ارسال کروں گا۔

## الحاج محمد سعید نوری کی خدمات لائق تحسین وقابل تقلید ہیں

**محمد اسلم رضا قادری، مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ، باسنی ناگور**

اس وقت راقم کے پیش نظر سال نامہ یادگار رضا ۲۰۰۸ء (ممبئی) ہے۔ اس میں اہل قلم نے امام احمد رضا قادری بریلوی اور تاج دار اہل سنت مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی کی تحقیقات، خدمات کو خوب تر انداز میں سپرد قرطاس کیا ہے۔ مقالات ونگارشات کی ترتیب وتدوین میں مدیر محترم غلام مصطفیٰ صاحب کی فکری استعداد وصلاحیت کی جلوہ نمائی عیاں ہے۔

الحمدللہ! یادگار رضا ہر سال کی طرح امسال بھی بہت عمدہ تحقیقات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اس خصوصی شمارے کی اشاعت وطباعت پر جہاں مدیر محترم قابل مبارک باد ہیں وہیں پر ناشر مسلک اعلیٰ حضرت ہم در دسنیت جناب الحاج محمد سعید نوری صاحب (بانی رضا اکیڈمی ممبئی) کی خدمات بھی لائق تحسین ہونے کے ساتھ ساتھ اہل ثروت کے واسطے قابل تقلید بھی ہیں کہ یہ مجلہ رضا اکیڈمی کی ہی جانب سے شائع ہوتا ہے۔ اگر یادگار رضا کا یہ علمی اور تحقیقی انداز سلامت رہا تو وہ دن دور نہیں کہ یہ مجلہ اصحاب لوح وقلم کے مابین خوب پسند کیا جائے گا اور اس کے دوررس نتائج وثمرات بھی نظر آئیں گے۔ (ان شاء اللہ) احقر مجاہد سنیت الحاج محمد سعید نوری صاحب اور مدیر محترم کو اس کی ترتیب وتدوین اور شان دار اشاعت پر دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ مولیٰ عزوجل ہماری جماعت میں ایسے افراد اور پیدا فرما جو دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو مزید

فروغ دینے کا جذبہ رکھتے ہوئے امام احمد رضا اور مفتی اعظم کی خدمات دینیہ کو فروغ دینے کی سعی پیہم کریں۔

### علامہ شرف قادری آپ کی تصنیف ''تصور تعلیم اور اعلیٰ حضرت'' سے بہت خوش ہوئے تھے

**ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری، لاہور**

آپ کے ہاتھوں ترتیب دیا ہوا ''یادگار رضا'' ۱۴۲۹ھ، مولانا عبدالستار ہمدانی کی تصنیف ''کہی ان کہی''، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کی تصنیف ''کلام رضا میں محاورات اور ضرب الامثال'' کی صورت میں آپ کا بھیجا ہوا تحفہ موصول ہوا (مئی ۲۰۰۸ء) اس وقت میں دبئی میں تھا ابھی چند روز قبل واپس آیا ہوں تو یہ کتب دل ونگاہ کی شادکامی کا باعث ہوئیں، اس محبت اور علمی تحفہ پر آپ کا شکر گزار ہوں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت والد گرامی علامہ شرف قادری رحمہ اللہ کی حیات میں آپ کی تصنیفات کا ایک سیٹ موصول ہوا تھا تب حضرت والد صاحب بہت خوش ہوئے تھے، بالخصوص آپ کی تصنیف ''تصور تعلیم اور اعلیٰ حضرت'' سے بہت خوش ہوئے تھے اور آپ کے لیے دعائیں فرما رہے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے اوقات میں برکت عطا فرمائے اور آپ کی خدمات قبول ومنظور فرمائے۔

### مسعود ملت نے ساری زندگی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت اور تعظیم وتوقیر کی سربلندی میں گزاری

**صاحب زادۂ مسعود ملت، محمد مسرور احمد، کراچی**

تعزیت نامہ موصول ہوا۔ محبت، ہمدردی اور کرم نوازی کا شکر گزار ہوں۔ وہی ہنساتا ہے، وہی رلاتا ہے۔ وہی مارتا ہے، وہی جلاتا ہے۔ انعام وایلام سب اسی کی طرف سے ہیں اور اس کی نسبت سے سب بہار۔۔ ریں۔

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول　　　تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دکھا ہوا

حضرت والدی ومرشدی مسعود ملت علیہ الرحمہ نے ساری زندگی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق ومحبت اور تعظیم وتوقیر کی سربلندی میں گزاری اور اسی نسبت سے امام احمد رضا علیہ الرحمہ اور امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات کے فروغ میں اپنے شب وروز قربان کیے اور اسی مشن کی تکمیل میں اپنی جان عزیز جان آفریں کے سپرد کردی..... انا للہ و انا الیہ رٰجعون..... بلاشبہ حضرت مسعود ملت نے اپنی پوری زندگی اپنے آقا ومولیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اذکار میں وقف کر رکھی تھی یہاں تک کہ ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسعود ملت کی شناخت بن گیا......

دعا فرمائیں کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں صبر جمیل کی دولت عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے..... آپ نے امتحان کے اس وقت میں یاد رکھا، کرم فرمایا، مولیٰ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ دعا فرمائیں کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت والدی ومرشدی مسعود ملت علیہ الرحمہ کے درجات بلند فرما کر ان کی قبر کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور فرمائے۔ آمین۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا　　　نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا



# ۲۰۰۸ء میں رضا اکیڈمی کی خدمات

۱رجنوری:- رضا اکیڈمی کی جانب سے حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ کا ۱۱۸واں یوم ولادت منایا گیا۔

۱۳رجنوری:- ممبئی میں سلمان رشدی کے آنے پر رضا اکیڈمی کا احتجاج، اکیڈمی نے اسے فوراً ملک بدر کرنے کا مطالبہ کیا

۱۴رجنوری:- سلمان رشدی کے ممبئی آنے کے خلاف رضا اکیڈمی سمیت مختلف تنظیمیں سڑکوں پر اتریں۔

۹رمارچ:- اہانت قرآن پر مشتمل فلم فتنہ پر پابندی عائد کرنے کا رضا اکیڈمی نے مطالبہ کیا اور اکیڈمی کے وفد نے پولیس کمشنر حسن غفور سے ملاقات کی۔

۲۰رمارچ:- عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر اکیڈمی کے زیر اہتمام دس روزہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد کیا گیا۔

۱۵رمئی:- جے پور بم دھماکوں کی مذمت میں رضا اکیڈمی کا احتجاجی بیان اور خاطیوں کو پکڑنے کا مطالبہ۔

۱۱رجون:- رضا اکیڈمی نے اپنی تمام شاخوں کی میٹنگ لی اور دینی، مذہبی، ملی اور قومی مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا، جماعتی استحکام کے لیے تجاویز پاس کی گئیں اس موقع پر رضا اکیڈمی نے سال ۲۰۰۸ء کو ''ختم نبوت'' کے حوالے سے منانے کا اعلان کیا۔

جون:- امام احمد رضا کے وصال کو سو سال پورے ہونے پر ۱۴۴۰ھ میں جشن صد سالہ منانے کے متعلق الحاج محمد سعید نوری صاحب کے ساتھ کلیر شریف میں علمائے کرام کی اہم میٹنگ ہوئی اور رضویات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کے لیے منصوبے اور تجاویز پاس کی گئیں۔

۱۱رجولائی:- اجمیر شریف میں عرس غریب نواز کے موقع پر رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دہشت گردی کی سخت مذمت کی گئی اور دہشت گردی کو بند کروانے کے لیے تجاویز پاس ہوئیں۔

۱۹رجولائی:- داڑھی کے خلاف سپریم کورٹ کے فیصلے کو رضا اکیڈمی نے چیلنج کیا اور چیف جسٹس کو داڑھی کے فضائل واہمیت پر ایک کتاب روانہ کی۔

۷راگست:- رضا اکیڈمی کے دفتر میں مرکزی وزیر سبودھ کانت سہائے سے الحاج محمد سعید نوری صاحب کی مسلم مسائل پر گفتگو اور ان کا مسلم مسائل کو حل کرانے کا وعدہ۔

۱۲راگست:- احمد آباد بم دھماکوں کے متاثرین کی رضا اکیڈمی کے وفد نے عیادت کی اور انھیں پھل وغیرہ اور نقد روپے پیش کیے۔

۳۱راگست:- رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام سنی تنظیموں نے مسلم مسائل پر وزیر اعلیٰ مہاراشٹر دلیش مکھ سے ملاقات کی جس کے رد عمل میں دلیش مکھ نے مسائل حل کرنے کا یقین دلایا۔

۲۳رستمبر:- کنزالایمان کی کسی سورت (متن، ترجمہ اور تفسیر) کی عمدہ ڈیزائننگ کرنے والوں کو رضا اکیڈمی کی جانب سے ۲۵ ہزار روپے نقد انعام کا اعلان کیا گیا۔

۲۳ر ستمبر:- حضرت سید نجیب حیدر برکاتی صاحب کی مدینہ منورہ میں گرفتاری پر رضا اکیڈمی کے وفد کا مدینے میں احتجاجی بیان اور مذمت۔

۴ر اکتوبر:- مالیگاؤں بم دھماکوں کے متاثرین کی اکیڈمی کے وفد نے عیادت کی اور اس دھماکے کی پرزور مذمت کی۔

۹ر اکتوبر:- مشہور غیر مقلد ڈاکٹر ذاکر نائک کے ممبئی میں دس روزہ پروگرام کو رضا اکیڈمی نے بند کروانے کا حکومت سے مطالبہ کیا جس سے گھبرا کر ڈاکٹر ذاکر نائک نے پولیس کمشنر کے سامنے سنیوں سے معافی مانگی۔

۱۱ر اکتوبر:- دھولیہ فساد کے متاثرین کی وفد نے عیادت کی۔ خاطیوں کو گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا۔

۱۷ر اکتوبر:- دھولیہ فساد کو لے کر اکیڈمی کے وفد نے وزیر اعلیٰ ولاس راؤ دیش مکھ سے ملاقات کی اور ان سے اس سلسلے میں گفتگو کر کے دہشت گردوں اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا۔

۲۷ر نومبر:- ممبئی دہشت گردانہ حملوں کے خلاف رضا اکیڈمی نے ۲۷ر نومبر کو یوم غم منانے کا اعلان کیا اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں اس دن یوم غم منایا گیا۔

۲۹ر نومبر:- ممبئی دہشت گردانہ حملوں کے خلاف رضا اکیڈمی نے علمائے اہل سنت کی ایک ہنگامی میٹنگ طلب کی اور میڈیا کے سامنے دہشت گردی مخالف بیانات جاری کیے جس کا مثبت ردعمل ہوا۔

۶ر دسمبر:- بابری مسجد کی شہادت کی یاد میں ۳ر بج کر ۴۵ر منٹ پر اکیڈمی کے زیر اہتمام ممبئی کے مختلف مقامات پر اذانیں دی گئیں۔

۷ر دسمبر:- ممبئی دہشت گردانہ حملوں کے خلاف اکیڈمی کے زیر اہتمام اسکولی بچوں کا زبردست احتجاج کیا۔

۲۰ر دسمبر:- اکیڈمی کے زیر اہتمام ۱۱۹ر واں جشن یوم ولادت مفتی اعظم منایا گیا۔

۳۱ر دسمبر:- فلسطین پر اسرائیل کے ظلم و بربریت کے خلاف رضا اکیڈمی نے زبردست انوکھا احتجاج کیا عرب ممالک کے سفیروں کو دوپٹے اور چوڑیاں روانہ کیں اور انھیں ایک مختصر خط بھی لکھا کہ فلسطین کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیوں پر آپ لوگ خاموش ہیں اس لیے آپ یہ دوپٹے اور چوڑیاں پہن لیں اور گھر بیٹھ جائیں۔

۳۱ر دسمبر:- رضا اکیڈمی نے تھرٹی فرسٹ نائٹ نہ منانے کا اعلان کیا۔

## ۲۰۰۸ء میں شائع ہونے والی کتابیں

● غیر مقلدوں کے عقیدے (انگریزی) ● تذکرہ برہان ملت ● اسلامیان ہند کے ملی مسائل ● حیات تاج الشریعہ ● علمائے نجد کے نام کھلا خط ● نور ارشاد برائے دفع ظلمت اختلاط ● الوظیفۃ الکریمہ ● خانوادۂ رضویہ کی شعری و ادبی خدمات ● آفتاب عالم تاب ● شمع منور رونجات ● قہر واجد دیان بر شمشیر بسط البنان ● ہمارے غوث اعظم ● تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ ● ظفر الاسلام ● اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان ● مفتی اعظم مجدد کیوں؟ ● گلشن نوری ● مقدس و بابرکت رات شب براءت ● آئینۂ قیامت ● مجلہ یادگار رضا

**ان کے علاوہ عرس رضوی میں دینی و علمی اور اعتقادی موضوعات پر ۱۵۰ر کتابیں شائع کیں۔**

# فروغ اہل سنت کے لئے امام اہل سنت کا دس نکاتی پروگرام

- عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔
- طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔
- مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں۔
- طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے۔ معقول وظیفہ دیکر اس میں لگایا جائے۔
- ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دیکر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریرًا وتقریرًا و وعظًا ومناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔
- حمایت مذہب ورد بد مذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دیکر تصنیف کرائے جائیں۔
- تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔
- شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعداء کے لئے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔
- جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔
- آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت وبلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ "آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا" اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق ومصدوق ﷺ کا کلام ہے۔

(فتاوی رضویہ: جلد ۱۲، ص ۱۳۳)

RAZA ACADEMY

52, Dontad Street, Khadak, Mumbai-9, Ph.: 022-66342156, 66659236